محمد عمران نجیب بانگوی

جدید تصحیح شدہ ایڈیشن

# خطباتِ رمضان

ازافادات

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی

رمضان سے پہلے — رمضان میں — رمضان کے بعد

عظیم بکڈپو دیوبند

# خطباتِ رمضان

جدید تصحیح شُدہ ایڈیشن

رمضان سے پہلے | رمضان میں | رمضان کے بعد

از افادات

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

عظیم بکڈپو دیوبند

| | | |
|---|---|---|
| کتاب کا نام | : | خطباتِ رمضان |
| مصنف | : | شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم |
| باہتمام | : | مفتی انیس الرحمن عثمانی |
| پہلا ایڈیشن | : | مارچ ۲۰۱۶ |
| دوسرا ایڈیشن | : | مئی ۲۰۱۶ |
| تعداد | : | ۱۱۰۰ |
| طباعت | : | ایچ ایس آفسٹ پرنٹرس دہلی |
| ناشر | : | عظیم بک ڈپو دیوبند |

مرے گناہ ہزاروں سہی شمار تو ہے
ترے کرم کا تو یا رب کوئی شمار نہیں
اسی یقین پہ بخشش کا ہے یقین مجھ کو
کسی عمل پہ بھی بخشش کا انحصار نہیں

عمر فاروق عاصم



Publisher
عظیم بکڈپو دیوبند
AZEEM BOOK DEPOT
Jama Masjid, P.O. Deoband 247554 U.P.
Contact : 09997177817 , 09760704598

# فہرست مضامین

# رمضان سے پہلے

رمضان کی تیاری کریں!

رمضان کی آمد

رسول اللہ ﷺ کے خطبۂ رمضان کی تشریح

# رمضان کی تیاری کریں!

۱۲؍اگست ۲۰۱۲ء بروز جمعۃ المبارک
جامعہ دارالعلوم کراچی

# اقتباس

"بندہ اپنے اللہ سے کسی بھی وقت اتنا قریب نہیں ہوتا جتنا سجدے کی حالت میں ہوتا ہے، سورۂ اقرأ کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے بھی بڑے پیار سے فرمایا کہ سجدہ کرلو اور میرے پاس آجاؤ، اللہ تعالیٰ کے قرب کا کوئی ذریعہ سجدہ سے بڑا نہیں۔"

# رمضان کی تیاری کریں!

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَامُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنْ لَّاۤاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. أَمَّا بَعْدُ!

رمضان المبارک کے استقبال اور تیاری سے متعلق کچھ گذارشات اپنی تذکیر کے لئے پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس مقدس مہینے کی صحیح قدر پہچاننے کی توفیق عطا فرمائیں۔

## استقبالِ رمضان کا صحیح طریقہ

ہمارے یہاں کچھ ایسی ریت سی پڑ گئی ہے کہ جو خالصۃً اللہ جل جلالہٗ کے لئے عبادتیں ہیں، ان میں بھی رسموں کو داخل کر دیا گیا ہے، اور بہت سے رسمی کام ان عبادتوں کے نام پر شروع کر دئے گئے ہیں، جن سے اس عبادت کی اصل روح مفقود ہو جاتی ہے، رمضان المبارک کے حوالے سے ہمارے عالمِ اسلام میں ”استقبالِ رمضان“ کے حوالے سے کچھ تقریبات اور مجلسیں منعقد ہوتی ہیں، اس میں جلسہ ہوتا ہے، کچھ نظمیں وغیرہ پڑھ لی جاتی ہیں، کچھ کھانا پینا ہو جاتا ہے، کچھ عصرانہ یا عشائیہ ہو جاتا ہے، اس تمام کارروائی کا نام ”استقبالِ رمضان“ رکھ دیا جاتا ہے، میں نے سب سے پہلے ”استقبالِ رمضان“ کی

تقریب مصر میں دیکھی تھی، مصر میں ایک بہت بڑا مجمع اسی عنوان سے جمع ہوا تھا، جلسہ ہوا، تقریریں ہوئیں، نظمیں وغیرہ پڑھی گئیں، اور کھانا پینا ہو گیا، اس کے بعد عالمِ اسلام کے دوسرے حصوں میں اس قسم کی تقاریب منعقد ہونے لگیں۔

اپنی ذات میں اگر چہ یہ قابلِ تعریف اور قابلِ قدر جذبہ ہے کہ اس مقدس مہینے کا استقبال کیا جائے، ہمارے حضرت والا، حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ نے "خطبات الاحکام" میں رمضان سے پہلے کا جو خطبہ ہے، اس میں یہ جملہ بھی لکھا ہے کہ: ﴿فَاسْتَقْبِلُوْهُ بِالشَّوْقِ وَالْهَيَمَانِ﴾ کہ رمضان کا مہینہ آرہا ہے، اسکا شوق اور اُمنگ کے ساتھ استقبال کرو۔

اگر چہ یہ اچھی بات ہے، بشرطیکہ یہ خود کوئی رسم نہ بن جائے، کہ کھایا پیا اور اُٹھ کر چلے گئے۔ ہمارے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ شب قدر اس کام کے لئے تھی کہ بندہ اپنے رب سے تعلق قائم کرے اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے رجوع ہو اور گوشۂ تنہائی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف اتنا رجوع کرے کہ وہ ہو اور اسکا اللہ ہو، لیکن جب شب قدر کو ایک رسم بنایا گیا تو اس میں چراغاں آگیا، اجتماعات منعقد ہو رہے ہیں، جلسے ہو رہے ہیں، تقریریں ہو رہی ہیں، نظمیں پڑھی جارہی ہیں، قوالیاں ہو رہی ہیں، دیگیں چڑھ رہی ہیں، کھانے پک رہے ہیں، کھانے پینے کی چیزیں اور سامان اِدھر سے اُدھر منتقل کیا جارہا ہے، اسی میں ساری رات گزر جاتی ہے، اللہ بچائے! جب شیطان کسی عبادت کو بگاڑنا چاہتا ہے تو اُس عبادت کے ساتھ ایسی چیزیں لگادیتا ہے جن کا عنوان تو اچھا ہوتا ہے، لیکن ان سے اس عبادت کی روح مفقود ہو جاتی ہے۔

یہی حال "استقبالِ رمضان" کی ان رسمی تقریبات میں ہو رہا ہے، جس سے خطرہ ہے کہ آگے چل کر یہ بھی کوئی بدعت کی شکل اختیار نہ کرلے، اصل استقبال یہ ہے کہ آدمی یہ سوچے کہ یہ مہینہ جو آنے والا ہے، اللہ جل جلالہٗ کا کتنا بڑا انعام ہے، مجھے کیوں اور کس مقصد کے تحت بھیجا گیا ہے؟ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کیا کام کرنے چاہئیں، کیا

تیاری کرنی چاہئے؟ اس کے لئے پہلے سے اپنے ذہن کو اپنے نظامِ عمل کو تیار کرنا درحقیقت اصل استقبال ہے۔

نبی کریم ﷺ دو ماہ پہلے ہی رجب کا چاند دیکھ کر فرما رہے ہیں:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ

پہلے سے اشتیاق ہے، انتظار ہے، اور اشتیاق کے عالم میں یہ دُعا فرمارہے ہیں کہ یا اللہ! ہماری عمر اتنی کر دیجئے کہ ہم رمضان تک پہنچ جائیں، رمضان المبارک کی مبارک ساعتیں ہمیں نصیب ہو جائیں، اس کے لئے ضروری ہے کہ رمضان المبارک کی حقیقت پر نظر ڈال کر اس کے مطابق اپنے آپ کو تیار کرنے کی فکر کی جائے۔

## رمضان المبارک کی حقیقت اور مقصد

رمضان المبارک کیا ہے؟ بظاہر عام دنوں کے مقابلے میں اس میں دو ہی چیزیں زیادہ ہیں، ایک روزہ اور دوسری تراویح۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْكُمْ صِيَامَهٗ وَسَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهٗ

کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے فرض فرمائے ہیں اور میں نے اس کے قیام (یعنی تراویح کی نماز) کو تمہارے لئے سنت قرار دے دیا ہے، تو بنیادی طور پر عام دنوں کی بہ نسبت دو ہی عبادتیں زیادہ کی گئی ہیں، یعنی روزہ اور تراویح، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اس پورے مہینے کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہماری صفائی کا، ہمارے تزکیہ کا مہینہ بنایا ہے، اور ہمیں ایک تربیتی کورس سے گزارا ہے، اس کا مقصود درحقیقت یہ ہے کہ اس مہینے کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ قرب میں اضافہ ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق میں اضافہ ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع میں اضافہ ہو اور ہمارے اوپر سال بھر میں جو مختلف گندگیاں چمٹ گئی ہیں، خواہ وہ گندگیاں ظاہری ہوں یا باطنی ہوں، ان گندگیوں کو اس مہینے کے اندر نکالا جائے اور یہ مہینہ گزرنے پر پاک وصاف کر دیا جائے۔

## انسانی زندگی کا مقصد

اس کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ ہر مسلمان کو علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اس دنیا میں آنے کا بنیادی مقصد اپنی عبادت فرمایا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ○

یعنی انسان دنیا میں آتا ہے، جوان ہوتا ہے، اُدھیڑ عمری آجاتی ہے، بوڑھا ہوکر مرجاتا ہے، یہ سلسلہ جب سے جاری ہے اور جب تک جاری رہے گا، یہ ایک سفر ہے، منزل نہیں ہے، یہ بذاتِ خود ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں، یہ بذاتِ خود دل لگانے کی جگہ نہیں، بلکہ یہ سب زندگی کے لمحات ہمیں میسر ہیں، یہ ایک سفر ہے، اور یہ بات بھی ایک سمجھدار آدمی کو سمجھ لینی چاہئے کہ کوئی سفر بھی بے مقصد نہیں ہوتا، اگر کوئی آدمی کراچی سے لاہور جائے تو کوئی نہ کوئی مقصد ذہن میں ہوگا، کوئی تجارت کے لئے جائے گا، کوئی اپنے عزیزوں سے ملنے کے لئے جائیگا، کوئی طلب علم کے لئے جائے گا، کوئی سیر وسیاحت کے لئے جائے گا، بہر حال کوئی نہ کوئی مقصد تو ہوگا، ایسا تو دنیا میں کوئی پاگل ہی ہوگا کہ بس اُٹھ کھڑا ہو اور چل پڑے اور اس کا کوئی مقصد نہ ہو، تو یہ جو ہماری زندگی کا سفر ہے جو ہر آن طے ہو رہا ہے اور نہ جانے کس وقت ختم ہوجائے، اسکا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ سال کے بارہ مہینے اور مہینے کے تیس دن اور دن کے چوبیس گھنٹے، ہر وقت ہم عبادت ہی میں مشغول رہتے، کوئی اور کام کرنے کی اجازت نہ ہوتی، لیکن اللہ جل جلالہٗ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کمزوروں کے لئے ایسا نظام بنادیا کہ عبادت کے ساتھ ہماری ضروریاتِ زندگی مثلاً کھانا، پینا، میل ملاقات، ہنسنا بولنا وغیرہ، ان تمام ضروریات کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے جائز قرار دے دیا، بلکہ اپنے فضل وکرم سے ان جائز ضرورتوں کو بھی اخلاص اور نیت کی درستگی کی برکت سے عبادت میں شمار فرمادیا۔

## عبادات کی دو قسمیں

عبادات دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک وہ کہ جن کا مقصد اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عبدیت کے اظہار کے سوا کچھ اور نہیں، جیسے نماز کا اس کے علاوہ کوئی اور مقصد نہیں کہ بندہ نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار کرے، اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرے۔ اسی طرح روزہ کہ اس کا مقصد سوائے اللہ تعالیٰ کی بندگی کے کچھ اور نہیں، اسی طرح حج وعمرہ ہے، یہ اصلی اور حقیقی معنی میں عبادت ہے اور براہِ راست عبادت ہے، انسان کا بنیادی مقصد اسی قسم کی عبادات کے ذریعے ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بندگی، عاجزی اور غایتِ تذلل کا اظہار ہے، اس کے علاوہ کوئی اور کام نہیں، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہماری ضروریاتِ زندگی کو بھی صحیح نیت اور سنت کے مطابق انجام دینے سے عبادت میں شمار فرمادا ہے، مثلاً بھوک لگی ہے، اب کھانا کھانا ضرورت ہے، لیکن اگر اللہ کا نام لے کر کھائے، رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق دائیں ہاتھ سے کھائے اور کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے تو یہ کھانا بھی عبادت شمار ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿اَلطَّاعِمُ الشَّاكِرُ بِمَنْزِلَةِ الصَّائِمِ الصَّابِرِ﴾ کہ جو کھانا کھا کر شکر ادا کرے، وہ ایسا ہے جیسا کہ روزہ رکھ کر صبر کرے، یعنی جتنا ثواب روزہ رکھ کر صبر کرنے میں ہے، اتنا ہی ثواب کھانا کھا کر شکر ادا کرنے میں ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس کھانے کو بھی عبادت شمار فرمادیا۔

## حسنِ نیت کی برکت

اسی طرح روزی کمانے کے جتنے طریقے ہیں، تجارت ہو، ملازمت ہو، مزدوری ہو، زراعت ہو وہ سب بھی جائز قرار دیدیئے اور نہ صرف جائز قرار دیئے بلکہ اگر یہی سارے کام کسبِ حلال کی نیت سے کرو، اپنے نفس کا حق ادا کرنے کی نیت سے کرو، اپنے اہل و عیال کا حق ادا کرنے کی نیت سے کرو، سنت کے مطابق انجام دو، شریعت کے دائرے

میں رہ کر کرو، حلال وحرام کی فکر کرتے ہوئے کرو تو یہ سب کام عبادت لکھ دیئے جائیں گے، چنانچہ فرمایا: "طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ" اسی طرح فرمایا:

﴿اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ﴾

کہ جو تاجر سچائی کے ساتھ اور امانت کے ساتھ تجارت کر رہا ہو تو وہ آخرت میں انبیاءِ کرام علیہم السلام، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا، اصل میں تو یہ تجارت وغیرہ ہمارے پیٹ پالنے کا ذریعہ تھا، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے تصحیحِ نیت، اتباعِ سنت، اور اتباعِ شریعت کی بدولت ان سب چیزوں کو بھی عبادت میں شمار کرلیا۔

## حضرتِ انسان کا انہماک

لیکن جب حضرت انسان کو ان سب کی اجازت ملی، تو اب اس کا دل ودماغ اسی طرف چل پڑا، تجارت میں منہمک ہے، صبح سے شام تک یہی فکر ہے کہ پیسے کیسے کماؤں؟ اپنے نفس کو کس طرح بڑھاؤں؟ سوچ کا رُخ براہِ راست اور اصل عبادتوں سے مُڑ کر اس دنیا کے کاموں کی طرف لگ گیا اور اس میں انہماک اتنا ہوگیا کہ اب صبح سے شام تک انہی کاموں کی سوچ ہے، انہی کی فکر ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا خیال کم آتا ہے اور پیسوں کا خیال زیادہ آتا ہے، اپنی حاجاتِ بشریہ کی فکر زیادہ ہے، مرنے کے بعد کیا حالات پیش آئیں گے، اس کی فکر کم ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ تنگدستی کا شکار تھے، تو حضور ﷺ سے جا کر عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میرے لئے دعا فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرے لئے کچھ وسعت عطا فرمادیں، دوسروں کے پاس مال مویشی بہت ہیں، آپ دعا فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی کچھ مال ومویشی عطا فرمادے، آپ ﷺ نے دعا فرمادی، اس زمانے میں دولت یہی مویشی ہوا کرتے تھے۔ اونٹ، گائے، بکریاں وغیرہ جس کے پاس زیادہ ہوتیں، وہ بڑا دولت مند سمجھا جاتا۔ آپ ﷺ کی دُعا کی برکت سے ان صحابی رضی

اللہ عنہ کے پاس بھی مال مویشی جمع ہو گئے، اب یہ اُن کی دیکھ بھال میں مصروف رہنے لگے، جس کی وجہ سے مسجدِ نبوی میں پہلے کی طرح حاضری نہ رہی، کچھ عرصہ بعد مویشیوں میں اضافہ ہوا تو مدینہ منورہ میں جو باڑہ تھا، وہ کافی نہ ہوا تو مدینہ سے باہر کہیں جنگل میں بڑا باڑہ بنایا، وہاں پر مویشیوں کو لے گئے، دور جانے کی وجہ سے مسجد میں حاضر ہونا اور زیادہ مشکل ہو گیا، پہلے دو تین روز میں حاضری ہو جاتی تھی، اب جمعہ کے جمعہ آنا شروع کیا، اس کے بعد یہ بھی چھوٹ گیا۔

آپ ﷺ لوگوں کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے عامل روانہ فرمایا کرتے تھے، ان کے پاس بھی عامل کو بھیجا تو اس نے کہا کہ میں کوئی کافر ہوں جو مجھ سے ٹیکس لیتے ہو، یعنی زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، جب نبی کریم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ﷺ نے یہ جملہ فرمایا:

﴿وَمَا يَنْقِمُ ابْنُ جَمِيلٍ اِلَّامَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَاَغْنَاهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ

"ابن جمیل صرف اس بات کا بدلہ دے رہے ہیں کہ یہ فقیر تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کو غنی کر دیا۔" (اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے!)

بعد میں ان کا یہ انجام ہوا کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ خود زکوٰۃ دینے جاتے بھی تھے تو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ انکار فرما دیتے تھے کہ تم نے نبی کریم ﷺ کو زکوٰۃ نہیں دی تو میں بھی نہیں لوں گا۔

بعض اوقات ان کاموں کے انہماک میں اس قدر انہاء ہو جاتی ہے کہ آدمی فرائض سے غافل ہو جاتا ہے اور بعض اوقات ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

## کوڑھی، گنجے اور اندھے کا واقعہ

نبی کریم ﷺ سے ایک واقعہ یہ بھی مروی ہے جو بہشتی زیور میں بھی لکھا ہوا ہے کہ ایک شخص گنجا تھا، ایک اندھا تھا اور ایک ابرص تھا، یعنی اس کو کوڑھ کا مرض تھا، اللہ تبارک

وتعالیٰ نے ان کو آزمانے کے لئے فرشتہ بھیجا، فرشتے نے آکر ابرص سے پوچھا کہ بتاؤ! تمہیں دنیا میں سب سے زیادہ کیا چیز پسند ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے یہ پسند ہے کہ میری کھال اچھی ہوجائے، کیونکہ اس کوڑھ کی وجہ سے لوگ مجھ سے گھن کرتے ہیں، اس فرشتے نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تم پر ہاتھ پھیرتا ہوں جس سے تمہارا سارا کوڑھ ختم ہوجائے گا، اس کے بعد پوچھا کہ تمہاری نظر میں سب سے بہترین مال کیا ہے؟ اس نے کہا کہ اُونٹ ہونے چاہئیں، چنانچہ اس کی خواہش پوری کردی گئی اور بہت سے اُونٹ اس کو دے دیئے گئے۔

اسی طرح گنجے شخص سے پوچھا کہ تمہیں کیا چیز پسند ہے؟ اس نے کہا کہ میرے سر پر بال آجائیں، کیونکہ لوگ مجھے گنجا سمجھ کر حقیر جانتے ہیں، چنانچہ فرشتے نے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کے بال آگئے، پھر اس سے اس کا پسندیدہ مال پوچھا تو اس نے کہا کہ گائے ہونی چاہئیں، چنانچہ اس کو بہت سی گائے دے دی گئیں۔

اس کے بعد اندھے سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میری بینائی واپس آجائے، چنانچہ اس کی بینائی بحال کردی گئی، پھر پوچھا کہ تمہیں کون سا مال پسند ہے؟ اس نے کہا کہ کچھ بکریاں مل جائیں تو بہت اچھا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو بکریاں بھی مل گئیں۔

کچھ عرصہ بعد اُونٹوں والے کے پاس اُونٹ بہت زیادہ ہوگئے، دوسرے کے پاس گائے بہت زیادہ ہوگئیں اور اس تیسرے کے پاس بکریوں کے ریوڑ کے ریوڑ جمع ہوگئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی فرشتے کو ایک فقیر کے بھیس میں بھیجا، سب سے پہلے وہ کوڑھی کے پاس گیا اور آواز لگائی کہ میں مسافر ہوں، فقیر ہوں، میری سواری ختم ہوگئی، اللہ تعالیٰ کے بعد بس تم ہو کہ جو میرے منزل تک پہنچنے میں مدد کرسکتے ہو، اس کوڑھی نے کہا کہ میرے اُوپر تو بڑے حقوق ہیں، ان کی ادائیگی کی وجہ سے یہ سارے اُونٹ مجھے رکھنے پڑیں گے، لہٰذا میں تمہیں ایک اونٹ بھی نہیں دے سکتا، فرشتے نے کہا کہ مجھے کچھ یاد پڑتا ہے کہ تم پہلے کوڑھی تھے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں شفاء دی اور یہ سارے اونٹ بھی تمہیں عطا

فرمائے، اور آج تم انکار کررہے ہو اس نے کہا: ﴿لَقَدْ وَرِثْتُ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ﴾ یہ میرے باپ دادا کی وراثت سے مجھے ملے ہیں، فرشتے نے کہا کہ اگر تو جھوٹ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے پھر اسی حالت میں لوٹادے جس حالت پر تو پہلے تھا، چنانچہ پھر اس کو اسی پہلی کوڑھ والی حالت میں تبدیل کردیا گیا۔

اسی طرح گائے والے کے پاس گیا، اس نے بھی اسی قسم کی بات کہی، چنانچہ اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔

آخر میں بکریوں والے کے پاس گیا، اس سے بھی سوال کیا تو بکریوں والے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے، میں تو اندھا تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے بینائی عطا فرمائی اور یہ ساری بکریاں عطا فرمائیں، میں تو ان میں سے کسی کا بھی مستحق نہیں تھا، آج تم محتاج بن کر آئے ہو تو یہ بکریوں کا ریوڑ تمہارے سامنے ہے، جو چاہے لے جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے اس قول کی وجہ سے اسے کامیاب فرمایا، اور اس کے مال وغناء میں برکت عطا فرمائی۔

## دنیا کی محبت انسان کو غافل بنادیتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے یہ واقعہ یہ بات بتلانے کے لئے ارشاد فرمایا کہ یہ دنیا کا کام ایسا ہے کہ بعض اوقات یہ انسان کو غافل بنا کر اللہ تبارک وتعالیٰ سے دور لے جاتا ہے، بلکہ بعض اوقات ایمان سے بھی محروم کردیتا ہے۔ (اللہ بچائے!) اگر ایمان سے محرومی نہ بھی ہو تو کم از کم اتنا ضرور ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے جو تعلق ہونا چاہئے تھا، اس کی اطاعت کا جو جذبہ ہونا چاہئے تھا وہ آہستہ آہستہ کمزور پڑتا چلا جاتا ہے، اور دنیا کی راحتوں اور لذتوں ہی میں انسان منہمک ہوجاتا ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے یہ دعا مانگی ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا غَايَةَ رَغْبَتِنَا﴾

”اے اللہ! ہماری سب سے بڑی فکر دنیا کو نہ بنایئے، اور نہ ہمارے علم کی انتہاء دنیا کو بنایئے، اور نہ ہی ہمارے شوق، اُمنگ اور رغبت کا مرکز اس دنیا کو بنایئے“

نبی کریم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت اسی نہج پر فرمائی تھی، دنیا کا بقدر ضرورت استعمال کیا مگر ان کا دل دنیا میں اُٹکا ہوا نہیں تھا، بلکہ دل تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف اور آخرت کی رغبتوں میں کھویا ہوا تھا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے یہاں دنیا کی کوئی قدر ومنزلت نہیں تھی، بلکہ جب ان کے سامنے اس دنیا سے جانے کا وقت آیا اور شہادت سامنے آئی تو بے ساختہ زبان پر کلمہ جاری ہوا: ﴿لَقَدْ فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ﴾ ربّ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا۔ کیونکہ آنکھوں سے جنت کا نظارہ ہو رہا ہے۔

جنگِ اُحد میں مسلمان شہید ہو رہے ہیں، کفار کی طرف سے شدید حملہ ہے، صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اُحد کے پہاڑ سے جنت کی خوشبو آرہی ہے، اُن کی فکر، سوچ، لگن اس طرف تھی کہ کس طرح ہماری آخرت زیادہ سے زیادہ بہتر ہوجائے، دنیا کا شوق اور دنیا کا حصول بقدرتِ ضرورت تھا، حضرت مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

دنیا میں ہوں دنیا کا طلب گار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں

کوئی صحابی رضی اللہ عنہ کسی کو بتادے کہ فلاں عمل میں اتنا ثواب ہے تو اس کی طرف لپکتے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو پتہ چلا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص نمازِ جنازہ ادا کرے تو اس کو ایک قیراط اجر ملتا ہے، اور دوسری روایت میں ہے کہ قیراط جو اُحد کے پہاڑ کے برابر ہے، اتنا اجر ملتا ہے، اگر ساتھ چلے تو دو قیراط اور اگر دفن میں بھی شریک ہو تو تین قیراط ملیں گے، جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ پتہ چلا تو ایک دم بے ساختہ زبان سے نکلا کہ ہائے! ہم نے تو بہت سارے قیراط ضائع کردیئے،

مطلب یہ ہے کہ پہلے حدیث معلوم نہیں تھی، لہٰذا نمازِ جنازہ پڑھنے، اس کے ساتھ جانے اور دفن میں شریک ہونے کا اتنا اہتمام نہیں تھا۔

نبی کریم ﷺ نے ان کی سوچ اور فکر کا رُخ دنیا کے اسباب اور اموال اور راحتوں، لذتوں سے موڑ کر آخرت کی طرف کر دیا تھا، ہمارے جیسے لوگ جب دنیا میں داخل ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اچھا کھانے پینے کو دے رکھا ہے، اچھی جگہ رہنے کے لئے دے رکھی ہے، آمدنی کے ذرائع ہیں، اسباب ہیں، وسائل ہیں تو دل ودماغ اسی میں پھنس کر رہ جاتے ہیں، اب فکر ہے تو بس اس کی ہے کہ تجارت کیسے بڑھے؟ آمدنی میں اضافہ کیسے ہو؟ مکان ذرا اور اچھا ہو جائے، سواری اور زیادہ بہتر ہو جائے، ان فکروں میں دن رات گزر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جن کاموں کو ہمارے لئے حلال اور جائز کر دیا تھا بلکہ حسنِ نیت کی برکت سے ان کو عبادت بنا دیا تھا، ہماری غفلت کی وجہ سے وہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے دور لے جا رہے ہیں۔

## رمضان المبارک تقویٰ اور قربِ الٰہی کا مہینہ ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ ہر سال یہ ایک مہینہ بھیجتے ہیں کہ کہاں بھٹک رہے ہو، چلو لوٹ آؤ، گیارہ مہینے کی دنیا کی محنت نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیا، دنیا کی فکر غالب آگئی ہے اور آخرت کی فکر مغلوب ہو گئی ہے، تمہارے شوق، سوچ اور اُمنگ کا مرکز کوئی اور چیز بن گئی ہے، لوٹ کر آؤ، اس ماہ میں ہم تمہارے رُخ کو سیدھا کریں، ہم تمہیں قریب لے کر آئیں۔ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

رمضان کا مہینہ بھیجنے کا مقصد تقویٰ پیدا کرنا ہے کہ دنیا کی فکر میں لگ کر تقویٰ کمزور ہو گیا ہے، آخرت کی فکر مغلوب ہو گئی ہے، ہم تمہیں اس مہینے میں اپنے پاس بلا رہے ہیں، یہ اس مہینے کا مقصود ہے۔

چنانچہ پہلے ضبطِ نفس کی تربیت دی جارہی ہے کہ گیارہ مہینے بہت کھا پی لیا، اب ہماری خاطر اس طرح دن گذارو کہ نہ کھاؤ اور نہ پیو، اب کھانے پینے کا تقاضا دل میں پیدا ہورہا ہوگا لیکن ہماری خاطر تم کھانے پینے کو چھوڑے ہوئے ہو گے تو ﴿اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ﴾ یہ روزہ خالص میرے لئے ہوگا، اس میں ریاکاری کا احتمال نہیں، اس میں دکھاوے کا احتمال نہیں، لہٰذا اس کا بدلہ میں ہی دوں گا۔

دیگر اعمال کی جزاء میں دوں گا، اس سے روزے کی جزا کی عظمت بیان ہوئی، ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہی دیں گے تو اپنے قرب کی دولت عطا فرمائیں گے، اپنے سے تعلق کی دولت عطا فرمائیں، یہ اجر یہیں دنیا میں ملے گا، حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب کسی نیک کام کے کرنے میں سستی ہو، اس سستی کا مقابلہ کرکے وہ کام کرو اور جب کسی گناہ سے بچنے میں سستی ہو تو اس سستی کا مقابلہ کرکے اس گناہ سے بچو، اسی سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے، اسی سے باقی رہتا ہے اور اسی سے ترقی کرتا ہے۔

## سجدہ مقامِ قرب ہے

حضرت عارفی قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ تراویح کو کیا سمجھو گے کہ کیا ہے؟ تراویح کی بیس رکعات ہیں اور چالیس سجدے ہیں اور سجدے کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ:

اَقْرَبُ مَایَکُوْنُ الْعَبْدُ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی فِی السُّجُوْدِ

بندہ اپنے اللہ سے کسی بھی وقت اتنا قریب نہیں ہوتا جتنا سجدے کی حالت میں ہوتا ہے، سورۂ اقرأ کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے بھی بڑے پیار سے فرمایا کہ سجدہ کرلو اور میرے پاس آجاؤ، اللہ تعالیٰ کے قرب کا کوئی ذریعہ سجدہ سے بڑا نہیں، حضرت فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تراویح میں چالیس سجدہ عطا فرمائے ہیں، گویا چالیس مقاماتِ قرب

عطا فرمادیئے تو ایک طرف دن میں روزے سے قرب بڑھ رہا ہے اور دوسری طرف رات کو تراویح سے قرب الٰہی میں اضافہ ہو رہا ہے۔

## رمضان المبارک صبر کا مہینہ ہے

پھر فرمایا کہ یہ ﴿شَهْرُ الصَّبْرِ﴾ یعنی صبر کا مہینہ ہے، ایک صبر تو یہی ہے کہ کھانے پینے سے رُک رہے ہیں، اور دوسرا صبر یہ کہ دل میں جو بری خواہشات پیدا ہو رہی ہوں ان کے اوپر صبر کرو، ان کے تقاضوں پر صبر کرو، زبان کو روکو، اگر کوئی لڑنے پر آمادہ ہو تو کہہ دو کہ میں روزے سے ہوں، اس وقت اگرچہ طبیعت کی خواہش مقابلے کی ہوتی ہے کہ جتنی گالیاں یہ دے رہا ہے میں اس سے دس زیادہ دوں، اس نے ایک مارا تو میں دس ماردوں، لیکن اس وقت اپنے آپ کو روکنے کا اور صبر کرنے کا حکم ہے۔

اسی طرح عام حالات میں بھی غیبت کرنا، جھوٹ بولنا حرام ہے، لیکن رمضان کے مہینے میں گناہ کی شناعت اور برائی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ تشریف لے جارہے تھے، دو آدمیوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے کی حجامت (پچھنے لگانا) کر رہا تھا اور آپس کی باتوں میں غیبت کر رہے تھے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ﴿أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ﴾ کہ پچھنے لگانے والا اور جس کو لگائے جارہے ہیں دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا، بعض فقہاء رحمہم اللہ اس طرف گئے کہ حجامت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، لیکن اکثر فقہاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ حجامت سے روزہ ٹوٹنا مراد نہیں، مطلب یہ ہے کہ روزے کا مقصد تھا کہ انسان اپنے اوپر ضبط کرتا اور کوئی غلط بات زبان سے نہ نکالتا، وہ انہوں نے غیبت کر کے فوت کر دیا۔

## رمضان المبارک ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے

اسی مہینے کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿شَهْرُ الْمُوَاسَاةِ﴾ غم خواری کا مہینہ ہے، ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کے جذبات کو فروغ دینے کا مہینہ ہے، اس میں جتنا

ہو سکے دوسروں سے ہمدردی کی جائے، حدیث میں فرمایا کہ رمضان میں اپنے خادموں کا بوجھ ہلکا کردو، ان پر ایسی مشقت نہ ڈالو کہ جو اُن کے لئے دشواری کا سبب بنے اور اگر کوئی دُشوار کام اُن کو کہا ہے تو خود اُن کی مدد کرو۔

اپنے اِردگرد اور ملنے جلنے والے لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور خیرخواہی کا سلوک رکھو۔ نبی کریم ﷺ کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ رمضان کے اندر آپ ﷺ اتنے سخی ہوتے تھے کہ جیسے چلتی ہوئی ہوا ہوتی ہے کہ وہ ہر انسان کو سیراب کرتی ہے۔

## اصل استقبالِ رمضان کا طریقہ

یہ سارے اعمال کروا کر اللہ تعالیٰ سے ہماری دوری کو ختم کر کے ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب لانا منظور ہے، تو اس رمضان کی تیاری اور اس کا استقبال یہ ہے کہ اس کو اپنی ظاہری، باطنی میل کچیل کو دور کرنے کا مہینہ سمجھو کہ گیارہ ماہ میں ہم پر جو دنیا کا گرد و غبار چڑھ گیا ہے، اس سے ہمیں پاک وصاف کرنا مقصود ہے کہ کم از کم اس ماہ کے اندر اپنی سوچ کا رُخ آخرت کی طرف کر لیں تا کہ اللہ تعالیٰ سے جو دوری ہوگئی ہے وہ قرب میں بدل جائے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ رمضان کے مہینے میں اس بات کی کوشش کی جائے کہ زیادہ سے زیادہ وقت اصل عبادت میں کہ جس کے لئے ہم پیدا کئے گئے ہیں، صَرف کیا جائے، ایک عبادت براہِ راست عبادت ہے اور ایک بالواسطہ عبادت ہے، بالواسطہ عبادت کرتے ہوئے تو گیارہ ماہ ہوگئے، اب اس مہینے کے اندر براہِ راست اور بلاواسطہ عبادتوں کی طرف زیادہ توجہ کریں، خاص طور پر نفلی عبادتوں میں جو کہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ ہیں، ان کا اہتمام عام دنوں سے زیادہ کیا جائے، پہلے سے اپنا نظام الاوقات ایسا بنائیں کہ ہماری دنیاوی مصروفیات کم سے کم ہوں اور آخرت کی مصروفیات زیادہ ہوں، جیسے کوئی آدمی جب سفر پر جاتا ہے تو پیچھے گھر والوں کا انتظام کر کے جاتا ہے، اسی طرح اس میں اپنی دنیاوی مصروفیات کم سے کم کر کے آخرت کی طرف رغبت زیادہ کرنی چاہئے۔

## نفلی عبادات اور تلاوتِ کلام پاک کی کثرت

اس ماہ میں فرائض اور سننِ مؤکدہ کے علاوہ نفلی عبادتوں کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے، عام دنوں میں تہجد، اشراق، چاشت اور اوابین کی توفیق نہیں ہوتی تو ان دنوں میں اہتمام ہو جائے۔

اوابین کی چھ رکعتیں ہوتی ہیں لیکن احادیث میں بیس رکعتوں تک ذکر آیا ہے، اسی طرح اشراق و چاشت کی نمازوں میں بھی کوئی تعداد مقرر نہیں ہے، اور قرآنِ کریم کی تلاوت کو جتنا زیادہ ہو سکے کیا جائے، نبی کریم ﷺ حضرت جبرئیلِ امین علیہ السلام کے ساتھ رمضان المبارک میں قرآنِ کریم کا دور فرمایا کرتے تھے، تلاوت بھی صحیح طریقے سے ہونی چاہئے، حروف کی ادائیگی کا صحیح کرنا ہر مسلمان کے ذمہ فرضِ عین ہے۔

ہمارے بزرگوں کی تلاوتِ قرآن مجید کے حوالے سے مختلف شانیں ہیں، بہت سے حضرات روزانہ ایک قرآنِ کریم ختم کرتے تھے، بہت سے حضرات عام دنوں کے مقابلے رمضان میں دوگنی تلاوت کرتے تھے، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے حالات میں مذکور ہے کہ وہ عام دنوں جتنی تلاوت فرماتے لیکن باقی وقت قرآنِ کریم کے تدبر میں خرچ فرماتے، یعنی اس کی تفسیر، معانی اور حقائق و معارف میں غور و فکر زیادہ فرماتے، اسی کے نتیجے میں "مشکلاتِ قرآن" وجود میں آئی۔

اہلِ علم اور عام مسلمان بھی اس مہینے میں قرآنِ کریم کی تفسیر کے لئے کچھ وقت نکالیں کہ تلاوت کے ساتھ ساتھ مستند ترجمہ اور تفسیر سے اس کو سمجھنے کی کوشش کریں، کیونکہ قرآنِ کریم ایسی چیز ہے کہ اگر کوئی اس کو ڈھنگ سے پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور قرب میں اضافہ کا بہترین ذریعہ ہے۔

## عبادتوں کے ساتھ گناہوں سے پرہیز

ان سب کاموں کے کرنے کے ساتھ ساتھ گناہوں سے بھی پرہیز ضروری ہے،

آنکھوں، کانوں اور زبان کی حفاظت بھی ضروری ہے، اس اہتمام کے ساتھ پہلے سے تیاری کی جائے اور اس اہتمام کے ساتھ یہ مہینہ گزارا جائے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ اس مہینے کا جو مقصد ہے، وہ حاصل ہوگا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَلِمَ لَهُ رَمَضَانُ سَلِمَتْ لَهُ سَنَةٌ

''جس شخص کا رمضان سلامتی سے گزر جائے تو اِنشاءاللہ تعالیٰ پورا سال سلامتی سے گزرے گا''

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

"وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"

# رمضان کی آمد

۱۳؍جولائی ۲۰۱۲ء بروز جمعۃ المبارک
مسجد بیت المکرّم، گلشن اقبال

# اقتباس

''یہ مہینہ اس لئے بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ یہ ایک ٹریننگ کورس ہے جس سے ہر مسلمان کو گزارا جاتا ہے۔ یہ تربیت کا زمانہ ہے، اپنی روح کو بالیدگی، تازگی دینے کا مہینہ ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتوں کو متوجہ کرنے کا مہینہ ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ مضبوط تعلق قائم کرنے کا مہینہ ہے، یہ انسان کو گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور عادت ڈلوانے کا مہینہ ہے۔''

# رمضان کی آمد!

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاهَادِیَ لَہٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّابَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ۔ (البقرۃ:۱۸۵)

## رمضان سے پہلے رمضان کی تیاری

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

آنے والے جمعہ کو ان شاء اللہ چاند رات ہوگی اور امکان ہے کہ ہفتہ کو رمضان المبارک شروع ہوجائے۔ اس مقدس مہینے کی حرمت اور عظمت سے کون مسلمان ہے جو ناواقف ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مہینے کو پوری اُمتِ مسلمہ کے لئے سال بھر کے گناہوں کے کفارے کا اور درجات کی بلندی کا درجہ بنایا ہے۔ نبی کریم سرورِ دوعالم ﷺ رجب کا چاند دیکھ کر یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ

”اے اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان میں برکت عطا فرمائیے اور یا اللہ! ہمیں رمضان کے مہینے تک پہنچا دیجئے“

یعنی ہماری عمر اتنی کر دیجئے کہ ہم اپنی زندگی میں رمضان پالیں۔ وہ ماہِ مبارک آنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی گھٹائیں برسنے والی ہیں۔ اس کے لئے پہلے سے کچھ تیاری کرنے کی ضرورت ہے۔ رمضان کے ایک ایک لمحے سے، ایک ایک ساعت سے صحیح فائدہ اُٹھائیں۔ کیونکہ آدمی غفلت کی حالت میں مہینہ شروع کر دیتا ہے اور بات آج سے کل اور کل سے پرسوں پر ٹلتی چلی جاتی ہے، اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ رمضان شروع ہونے سے پہلے آدمی اس کی تیاری کرلے۔

یہ مہینے روزوں کا مہینہ ہے، اس کی راتوں میں تراویح سنتِ مؤکدہ قرار دی گئی ہے، لیکن درحقیقت یہ پورا مہینہ مسلمانوں کو ایک نئی زندگی دینے والا مہینہ ہے۔ گیارہ ماہ تک ہم اپنی دنیاوی مصروفیات میں لگے رہتے ہیں، ان مصروفیات کی وجہ سے بسا اوقات ہم پر غفلت طاری ہو جاتی ہے اور اللہ جل جلالہٗ کے ساتھ جو مضبوط تعلق ہونا چاہئے تھا وہ کمزور پڑ جاتا ہے، اس لئے یہ مہینہ عطا فرمایا گیا کہ جو لوگ سال کے گیارہ مہینوں میں اللہ تعالیٰ کے تعلق سے دور چلے گئے ہیں، ان کو اس مہینے میں قریب لایا جائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت، اس کی خشیت اور تعلق میں اضافہ ہو۔

## رمضان کا مہینہ تربیتی کورس ہے

یہ مہینہ اس لئے بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ یہ ایک ٹریننگ کورس ہے جس سے ہر مسلمان کو گزارا جاتا ہے۔ یہ تربیت کا زمانہ ہے، اپنی روح کو بالیدگی، تازگی دینے کا مہینہ ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتوں کو متوجہ کرنے کا مہینہ ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ مضبوط تعلق قائم کرنے کا مہینہ ہے، یہ انسان کو گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور عادت ڈلوانے کا مہینہ ہے۔

## روزوں کی فرضیت کا بنیادی مقصد

روزہ بذاتِ خود بہت عظیم عبادت ہے، لیکن اس کا ایک بہت بڑا مقصد یہ ہے کہ انسان کو اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پانے کی عادت پڑے، اسی لئے قرآنِ کریم میں فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝ (البقرة:۱۸۳)

روزوں کی فرضیت کا اصل مقصد تقویٰ ہے اور تقویٰ کہتے ہیں کہ اگر آدمی کے دل میں کوئی غلط خواہش پیدا ہو رہی ہے، غلط جذبہ پیدا ہو رہا ہے، دل میں برائی کی اُمنگ پیدا ہو رہی ہے، برائی کا میلان پیدا ہو رہا ہے، تو آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت کو، اس کی خشیت وجلال کو مدنظر رکھ کر اپنی خواہش کو دبادے اور کچل دے۔

مثلاً دل میں خواہش پیدا ہو رہی ہے کہ میں اپنی نظر کا غلط استعمال کروں اور اس کے ذریعے کوئی گناہ کی چیز دیکھوں، لیکن پھر یہ سوچ کر کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، میری ایک ایک نقل وحرکت اس کی نگاہ میں ہے اور کل مجھے اپنی ایک ایک نقل وحرکت کا جواب بھی دینا ہے، وہ اپنی نگاہ کو اس غلط جگہ سے بچالے۔

اسی طرح دل میں غیبت کرنے اور جھوٹ بولنے کا داعیہ پیدا ہو رہا ہے، مجلس جمی ہوئی ہے، غیبت ہو رہی ہے، دل چاہ رہا ہے کہ میں بھی اس میں کوئی حصہ ڈالوں، لیکن اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت وخشیت اور جلال کو دل میں لاکر اپنے آپ کو اس سے روک لے۔

تو روزے کے ذریعہ تقویٰ کی تربیت دی جاتی ہے، وہ اس طرح کہ ہر مسلمان جب روزہ رکھ لیتا ہے کہ مغرب کے وقت تک نہ کچھ کھائے گا اور نہ کچھ پئے گا اور نہ بیوی کے ساتھ جائز خواہش پوری کرے گا تو کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو بھوک پیاس کی وجہ سے روزہ توڑ دے، حالانکہ کھانا موجود ہے، اس کی خوشبو آرہی ہے، کھانے کو دل مچل رہا ہے لیکن وہ روزے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لئے صبر کر رہا ہے۔

اسی طرح گرمی کے موسم میں حلق میں کانٹے پڑے ہوئے ہیں، سامنے ٹھنڈا پانی موجود ہے، کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے، اس کے باوجود بھی وہ روزہ توڑنے پر آمادہ نہیں ہوگا، بلکہ اگر اس وقت کسی مسلمان کو لاکھوں روپے کی پیشکش کردی جائے کہ تم روزہ توڑ دو تو یہ پیسے تمہارے ہیں تو بھی کوئی مسلمان گوارا نہیں کرے گا کہ میں روزہ توڑ دوں۔

جو چیز انسان کو اپنی خواہشات سے روک رہی ہے یہ اصل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت، اس کے جلال اور اس کے حکم کا احترام ہی ہے، اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے روزہ اس لئے فرض کیا ہے تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔ جس طرح تم نے باوجود شدید بھوک پیاس کے اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاطر کھانا پینا چھوڑ دیا، اسی طرح تمہاری عام زندگی میں بھی یہ عادت ہونی چاہئے کہ جب تمہارا دل کسی گناہ کے لئے مچلے تو تم اس خواہش کو اللہ کی خاطر دبادو اور اس پر عمل کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔ اس تربیتی کورس سے صحیح فائدہ اُٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم پہلے سے اس کی تیاری کرلیں۔

## رمضان المبارک کی تیاری کا طریقہ

تیاری یہ ہے کہ سال کے گیارہ مہینے ہم اس طرح گذارتے ہیں کہ ہمارے صبح وشام کے زیادہ تر اوقات دنیاوی کاموں مثلاً تجارت، ملازمت، زراعت، روزگاری کی تلاش میں گذرتے ہیں، اپنے لئے جسمانی لذتیں حاصل کرنے کی فکر میں گذرتے ہیں اور اگر کوئی آدمی فرائضِ شرعیہ کا پابند بھی ہو تو وہ ان فرائض اور دنیاوی کاموں میں مشغولیت کا تناسب دیکھے کہ کتنا وقت کس طرف لگ رہا ہے؟ اگر وہ پانچ وقت کی نماز پابندی سے پڑھتا ہے تو ساری نمازوں میں صَرف ہونے والا وقت گھنٹہ دو گھنٹہ بنتا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ دل کہیں ہے اور دماغ کہیں ہے، خشوع کا تقاضا بھی پورا نہیں ہوتا۔ دل ودماغ دنیا کے اُنہی مشاغل میں اُلجھے ہوئے ہیں جن کو چھوڑ کر نماز کے لئے آئے تھے اور نماز کے

بعد جن کی طرف دوبارہ جاتا ہے۔ جبکہ باقی سارا وقت اپنے جسم کے لئے راحت ولذت مہیا کرنے اوراس کے لئے غذا فراہم کرنے کی خاطر گذرتا ہے۔

اس مہینے سے صحیح فائدہ اُٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں ہم اپنی عبادتوں کی مقدار بڑھادیں اور دنیاوی مصروفیات کی تعداد کم کردیں۔ گیارہ مہینے جسم کی پرورش کی، اب اس مہینے میں اپنی روح کی پرورش کی طرف دھیان دیں۔ روحانی ترقی حاصل کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرب حاصل کریں۔ اسی لئے اس ماہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے روزے کے ذریعے کھانے پینے کی مقدار کم فرمادی اور تراویح کو سنت قرار دے کر پانچوں نمازوں جتنا وقت اس میں صرف فرمادیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا مقصود بندوں سے یہ ہے کہ بندے اس مہینے کی قدر کرکے اس میں اپنے جسم کے تقاضوں کو کم کریں اور روح کے تقاضوں کو غالب کریں، وہ کام زیادہ کریں جواُن کی روح کو نشوونما دینے والا ہو، اس کو پروان چڑھانے والا ہو، لہٰذا اس مہینے میں اپنی دنیاوی مصروفیات کم سے کم کی جائیں۔ دوستیوں اور میل جول سے پرہیز کریں، مجلس آرائیوں کے مشغلوں سے بچیں، اپنی ذاتی مصروفیات کو جس حد تک کم کرسکتے ہوں، کم کرکے زیادہ سے زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صرف کریں۔

## رمضان المبارک کا لائحہ عمل

رمضان المبارک کے مہینے میں دوتین باتوں کا خصوصی اہتمام ہونا چاہئے۔ عام دنوں میں نفلی عبادتوں کا موقع نہیں ملتا یا توفیق نہیں ہوتی، کم ازکم رمضان المبارک میں ان کا اہتمام کرلیں، مثلاً تہجد ہے، یہ اتنی عظیم عبادت ہے اوراس کے اتنے عظیم فوائد ہیں اور اس کے ذریعے انسان کی روح کو اتنی ترقی ملتی ہے کہ جو کسی اور نفلی عمل سے حاصل نہیں ہوتی۔ عام دنوں میں ہم لوگ بکثرت اس عبادت سے محروم رہتے ہیں، کیونکہ ہماری معاشرتی زندگی اس ڈھب پر چل پڑی ہے کہ جو رات اللہ تبارک وتعالیٰ نے سونے کے

لئے بنائی ہے وہ آدھی سے زیادہ جاگنے میں گزر جاتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آخر شب میں اُٹھنا تو کجا فجر کی نماز کے بھی لالے پڑ جاتے ہیں۔

## تہجد کا اہتمام

عام دنوں میں آخیر رات میں اُٹھنے کی توفیق نہیں ہوتی لیکن رمضان المبارک میں پیٹ کی خاطر ہی سہی مگر اُٹھنا ہی پڑتا ہے، جب اُٹھنا ہی ہے تو ذرا کچھ پہلے اُٹھ جائیں اور وضو کر کے آٹھ رکعات تہجد پڑھ لیں۔ دعا کی قبولیت کے لئے وہ وقت بھی بڑا قیمتی وقت ہے۔ اس میں رمضان کے بعد بھی یہ معمول جاری رہنے کی دعا کرلیں۔

## نوافل کا اہتمام

اسی طرح اشراق کی نماز کہ سورج نکلنے کے بارہ یا پندرہ منٹ بعد دو یا چار رکعت پڑھنا مسنون ہے، اگر عام دنوں میں اس کی توفیق نہیں ہوتی تو رمضان میں اس کا اہتمام کرلیں۔ مغرب کے بعد چھ سے بیس رکعات تک ثابت ہے جس کو ''اوّابین'' کہا جاتا ہے، ان کا رمضان میں اہتمام کرلیں۔

## تلاوت قرآنِ کریم کا معمول

دوسری بات یہ کہ رمضان المبارک میں قرآنِ کریم کی تلاوت کا خاص معمول بنائیں، کیونکہ قرآنِ کریم کو رمضان المبارک سے خاص نسبت حاصل ہے، شروع میں جو آیت تلاوت کی گئی تھی، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے رمضان کی عظمت کا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا کہ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ہم نے اس مہینے میں قرآنِ کریم نازل کیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کو نازل کرنے کے لئے اس مہینے کا انتخاب فرمایا، اس لئے اس مہینے کی قرآنِ کریم سے خاص نسبت ہے۔ نبی اکرم ﷺ ہر رمضان میں حضرت جبرئیلِ امین علیہ السلام کے ساتھ قرآنِ کریم کا دور کیا کرتے تھے۔ اس لئے اس ماہ میں جتنا زیادہ ہو سکے تلاوت کا اہتمام کیا جائے۔

جن لوگوں کو تلاوت کا صحیح طریقہ نہیں آتا وہ اس عرصہ میں کسی صحیح تلاوت کرنے والے سے تلاوت کا صحیح طریقہ سیکھ لیں۔ الف سے لے کر یاء تک (۲۹) حروف ہیں، ان میں سے بیشتر وہ ہیں جن کو صحیح طور پر ادا کرنے کے لئے کسی خاص مشق کی ضرورت نہیں پڑتی، ذرا سی کوشش سے ادا ہوجاتے ہیں، چند حروف ہیں جن میں قدرے محنت کرنا پڑتی ہے، مثلاً ہم لوگ ث، س اور ص بولتے ہوئے اردو میں کوئی فرق نہیں کرتے، لیکن قرآنِ کریم میں یہ الگ الگ پڑھے جاتے ہیں۔ اسی طرح ذ، ز، ظ اور ض میں فرق بھی قرآنِ کریم کی تلاوت میں ملحوظ رکھا جاتا ہے، ہر مسلمان کے ذمہ اس کو سیکھنا فرضِ عین ہے۔

## کثرتِ ذکر اللہ کا اہتمام

تیسری بات یہ کہ یہ مہینہ اللہ جل جلالہٗ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا مہینہ ہے، لہٰذا اس ماہ میں جتنا زیادہ ہوسکے، ذکر کریں، اس میں تیسرا کلمہ:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

رمضان المبارک میں جتنا زیادہ ہوسکے، اس کا اہتمام کیا جائے۔

## دعا کا خاص اہتمام

چوتھی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مہینہ دعاؤں کا مہینہ بنایا ہے، اس مہینے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دعاؤں کی قبولیت کے دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں، اس لئے ہمیں کثرت سے دعائیں کرنی چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت یہ ہے کہ اگر بندہ اپنی دنیاوی ضرورت کے لئے بھی دعا کرتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں عبادت میں شمار ہوتی ہے، ایک حدیث میں فرمایا گیا: ﴿اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ﴾ دعا خود ایک عبادت ہے، کوئی اپنے قرض کی ادائیگی کے لئے دعا مانگ رہا ہے، کوئی اپنے روزگار کے لئے اور کوئی اپنی معاشی خوشحالی کے لئے دعا مانگ رہا ہے تب بھی یہ دعا بذاتِ خود عبادت لکھی جاتی ہے۔

بزرگوں کا ایک معمول رہا ہے کہ اگر کوئی آدمی عصر کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں جائے اور وہیں پر مغرب تک اعتکاف کی نیت کر کے بیٹھ جائے، پھر جو کچھ تلاوت وذکر کی توفیق ہو وہ کرے اور پھر باقی وقت اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات مانگنے میں گزار دے، یہاں تک کہ افطار ہو جائے تو اس کے بڑے انوار وبرکات ہیں۔

کوشش کی جائے کہ اپنے اوقات کو زیادہ سے زیادہ فارغ کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگایا جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ یہ رمضان ہم سب کے لئے خیر وبرکت کا ذریعہ بنے گا، ہمارے گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ بنے گا، ان شاء اللہ ہمارے لئے ترقی درجات کا ذریعہ ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم اور اپنی رحمت سے ہم سب کو اسکی توفیق عطا فرمائیں۔

"وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"

# رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ رمضان کی تشریح

۵؍جولائی ۲۰۱۳ء بروز جمعۃ المبارک
مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال

# اقتباس

''یہ (رمضان کا) مہینہ آ رہا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے مغفرت کے دروازے چوپٹ کھول دیئے ہیں، رحمت کی گھٹائیں جھوم جھوم کر برس رہی ہیں، اور چھوٹے سے چھوٹے عمل پر بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے عظیم اجر وثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے، اس لئے اس مہینے کو جتنا زیادہ ہو سکے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں خرچ کریں۔''

# رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ رمضان کی تشریح

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا. اَمَّابَعْدُ!

فَقَدْقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ سَلِمَ لَہٗ رَمَضَانُ سَلِمَتْ لَہُ السَّنَةُ.

ایک طویل عرصے کے بعد آپ حضرات کی خدمت میں حاضری کا موقع مل رہا ہے، گزشتہ دنوں ایک طویل عرصہ میری بیماری میں گزرا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے صحت عطا فرمائی، اس کے بعد طبیعت کی کمزوری اور نقاہت کا سلسلہ طویل ہوا، اس کے بعد متعدد اسفار پیش آئے، جس کی بناء پر میں آپ حضرات کی خدمت میں حاضر ہونے سے معذور رہا۔ اللہ جل جلالہ کا فضل وکرم ہے کہ آج اس نے توفیق عطا فرمائی، اور ایسے موقع پر توفیق عطا فرمائی کہ جب رمضان المبارک کا مہینہ ہم پر سایہ فگن ہونے والا ہے، یہ رمضان المبارک سے پہلے آخری جمعہ ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ اگلا جمعہ رمضان المبارک میں آئے گا۔

## اللہ جل جلالہ کی نسبت

اس موقع پر رمضان المبارک کے بارے میں کچھ باتیں عرض کرنے کو جی چاہتا ہے، یہ مہینہ سال میں ایک مرتبہ آتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہماری تعلیم وتربیت کے لئے یہ

مہینہ منتخب فرمایا، سال کے بارہ مہینے اور ہر مہینے کے تیس دن اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے بنائے ہوئے ہیں اور ظاہری اعتبار سے ان مہینوں اور دنوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا، ہر دن میں سورج کا طلوع وغروب اور رات و دن کا آنا جانا ہوتا ہے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے بعض دنوں کو یا بعض مہینوں کو خاص طور پر اپنی طرف منسوب فرمالیا ہے کہ یہ میرا مہینہ ہے اور یہ میرا دن ہے۔ اس نسبت کی وجہ سے اس دن یا مہینہ میں ایک تقدس پیدا ہوجاتا ہے اور دیگر مہینوں اور دنوں کے مقابلے میں اس کو ایک امتیاز حاصل ہوجاتا ہے، اللہ جل جلالہٗ کی کسی بھی قسم کی نسبت کسی بھی مخلوق کو حاصل ہوجائے اور جس انداز سے حاصل ہوجائے وہ اس کے لئے باعثِ تقدس ہے۔

## بیت اللہ شریف کو حاصل ہونے والی نسبت کا اثر

بیت اللہ شریف پتھروں کا بنا ہوا ہے، رنگ وروغن تو درکنار اس پر پلاسٹر بھی نہیں ہے، دیکھنے میں اس عمارت کی کوئی خاص خصوصیت نظر نہیں آتی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف منسوب فرمالیا کہ یہ اللہ کا گھر ہے، اس کے نتیجے میں اس میں ایسی کشش پیدا ہوگئی کہ ساری دنیا کے لوگ، دنیا کے حسین ترین مناظر کو چھوڑ کر اس کو دیکھنے کے لئے جاتے ہیں، اور جو لذت اس کے دیکھنے میں ملتی ہے کسی اور جگہ کو دیکھنے میں نہیں ملتی، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرما کر بیت اللہ قرار دے دیا، اور اس کو قبلہ بنا کر اس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دے دیا، اور اس کے گرد چکر لگانے کو ثواب قرار دیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک خصوصیت اور امتیاز عطا فرمایا۔

اسی طرح رمضان بھی اگر چہ عام مہینوں کی طرح ایک مہینہ ہے اور اس کے دن رات بھی دوسرے مہینوں کی طرح ہی ہیں، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو منتخب فرمالیا تو اس کا درجہ اور رتبہ دوسرے مہینوں سے بڑھ گیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ. (البقرۃ:۱۸۵)

"رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن کو نازل کیا گیا"

اس مہینہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نازل کرنے کے لئے منتخب فرمایا، اللہ تعالیٰ کے اس انتخاب کی وجہ سے اس مہینہ میں تقدس پیدا ہو گیا، اس لئے اس مہینہ کی صحیح قدر پہچاننے کی اور اس کے اوقات سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں۔

## استقبالِ رمضان کا طریقہ

ہمارے ملک میں بھی اور کچھ دیگر ممالک میں بھی رمضان آنے سے کچھ پہلے تقریبات منعقد ہوتی ہیں جنہیں "استقبالِ رمضان" کا نام دیا جاتا ہے، یہ ایک رسمی کارروائی ہے، اور اس کی نظیر حضراتِ صحابۂ کرام کے عہدِ مبارک میں نہیں ملتی۔

رمضان کا اصل استقبال یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس کے لئے تیار کیا جائے، حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے آنے سے ایک دن پہلے شعبان کے آخری دن صحابۂ کرام کو ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں رمضان المبارک کی فضیلت، اہمیت اور اس کو گزارنے کا طریقہ بیان فرمایا، اس خطبے میں آپ ﷺ نے جو باتیں ارشاد فرمائیں، ان کو سمجھنے کی ضرورت ہے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں:

خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ آخِرَ یَوْمٍ مِنْ شَعْبَانَ فَقَالَ.

"رسول اللہ ﷺ ہمیں شعبان کے آخری دن میں خطبہ ارشاد فرمایا، اور اس خطبہ میں فرمایا"

یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّکُمْ شَھْرٌ عَظِیْمٌ شَھْرٌ مُبَارَکٌ فِیْہِ لَیْلَۃٌ خَیْرٌ مِنْ اَلْفِ شَھْرٍ.

"اے لوگو! تم پر ایک عظیم مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے، جو برکتوں والا ہے"

جَعَلَ اللّٰہُ صِیَامَہٗ فَرِیْضَۃً وَجَعَلَ قِیَامَ لَیْلِہٖ تَطَوُّعًا.

"اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مہینے میں روزے رکھنے کو فرض قرار دیا ہے اور

اس کی راتوں میں عبادت کرنے کو نفل قرار دیا ہے"

فَمَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ أَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ.

"جو شخص بھی اسی مہینہ میں نیکی کا کوئی کام کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا چاہے تو وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے غیر رمضان میں کوئی فرض ادا کیا ہو"

یعنی رمضان میں نفل کام کا اجر و ثواب غیر رمضان کے فرض کے برابر ہو جاتا ہے، فرائض کا اجر و ثواب نفل کے اجر و ثواب سے زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ یہ انسان کے ذمہ میں فرض ہیں، مثال کے طور پر مسلمان پر پانچ نمازیں فرض ہیں، ان کا اجر و ثواب نفلی نمازوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک میں جو بھی نفلی عبادت کی جائے گی اس کا اجر و ثواب بھی وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے فرض میں رکھا ہے، پھر فرمایا:

وَمَنْ أَدّٰى فِيْهِ فَرِيْضَةً كَانَ كَمَنْ أَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ

"اور جس شخص نے اس مہینہ میں ایک فرض ادا کیا وہ ایسا ہے جیسے کسی نے ستر فرض ادا کئے ہوں"

یعنی اگر کسی نے ایک رکعت نماز پڑھی تو یہ ستر رکعتوں کے برابر ہے، مثلاً فجر کی فرض نماز دو رکعتوں پر مشتمل ہوتی ہے، رمضان میں ان دو رکعتوں کے پڑھنے کا ثواب ایسا ہے جیسے غیر رمضان میں ایک سو چالیس رکعتیں پڑھنے کا ہے، ایسے ہی ظہر کے چار فرض پڑھنے پر دو سو اسی رکعت پڑھنے کا ثواب ملے گا، اس کے بعد فرمایا:

وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ، وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ

"یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے"

## صبر کا مطلب

یہ بہت عظیم بات ہے جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی، صبر کا مطلب ہمارے یہاں عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر کسی کو کوئی تکلیف یا مصیبت پیش آئے تو وہ اس پر جزع فزع اور واویلا نہ کرے، لیکن قرآن کی اصطلاح میں صبر کا مفہوم بہت وسیع ہے، شریعت کی اصطلاح میں صبر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی میں کسی ایسے کام پر اپنے آپ کو زبردستی آمادہ کرنا جس کو طبیعت ناگوار سمجھتی ہو، لہٰذا اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کے لئے کوئی ایسا کام کرے یا کسی کام سے بچے کہ جس کے کرنے کو یا اس سے بچنے کو اس کی طبیعت ناگوار سمجھتی ہو تو اس نے صبر کیا۔

## صبر کی قسمیں

صبر کی تین قسمیں ہیں:

(۱)......صبر علی الطاعة

(۲)......صبر عن المعصية

(۳)......صبر علی المصيبة

## ﴿صبر علی الطاعة﴾ کا مطلب

﴿صبر علی الطاعة﴾ کا مطلب ہے کہ کسی طاعت کے کرنے میں پیش آنے والی ناگواری اور تکلیف پر صبر کیا جائے، مثلاً نماز کا وقت آیا اور نماز کو جانے کو دل نہیں چاہ رہا، سستی ہو رہی ہے یا نیند آ رہی ہے، لیکن طبیعت کے اس تقاضے کو کچل کر محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے نماز کو جانا صبر ہے۔

## ﴿صبر عن المعصية﴾ کا مطلب

﴿صبر عن المعصية﴾ کا مطلب ہے کہ کسی معصیت سے بچنے میں جو تکلیف اور

ناگواری پیش آئے اس پر صبر کیا جائے، مثلاً کسی نامحرم کو دیکھنے کی خواہش دل میں پیدا ہوئی لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے محض اللہ کی رضا کی خاطر دل میں یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آنکھ کی صورت میں مجھے بہت بڑی نعمت عطا فرمائی ہے، میں اس کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال نہ کروں، اور یہ سوچ کر زبردستی نامحرم کی طرف سے نگاہ ہٹالی تو یہ بھی صبر ہے۔

## ﴿صبر علی المصیبة﴾ کا مطلب

اسی طرح اگر کسی کو کوئی تکلیف پیش آگئی اور اس کا دل یہ چاہتا ہے کہ میں اس پر واویلا کروں لیکن اس نے اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ یہ مجھ پر آنے والی تکلیف بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت سے ہے، وہ حاکم بھی ہے اور حکیم بھی ہے، اور مجھے اس کے فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا چاہئے، یہ سوچ کر اس نے جزع فزع اور واویلا نہیں کیا تو یہ بھی صبر ہے اور اس کو ﴿صبر علی المصیبة﴾ کہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ صبر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاطر طبیعت کو ناگوار امور پر مجبور کرنا، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائیں گے تو اس کے بارے میں بھی قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ وہ جنت بھی صبر کی وجہ سے ہی ملے گی:

وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا. (الدہر:۱۲)

"اور اللہ تعالیٰ ان کو جنت کی جزا دیں گے کیونکہ انہوں نے دنیا میں صبر سے کام لیا تھا"

کیونکہ وہ دوسرے لوگوں کی طرح خواہشات کے پیچھے نہیں چلے تھے، انہوں نے اپنی طبیعت کو کچل کر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر صبر سے کام لیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس مہینہ کو ﴿شهر الصبر﴾ قرار دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ اس مہینہ میں صبر کی تربیت دی جاتی ہے۔

اس لئے کہ جب انسان روزہ رکھتا ہے تو اپنے اوپر کھانا پینا حرام کر لیتا ہے، گرمی کا

موسم ہے اور شدت کی پیاس بھی لگتی ہے اور دل چاہتا ہے کہ ٹھنڈا پانی پی لیا جائے، لیکن طبیعت کے تقاضے کو دبا کر روزہ دار پانی نہیں پیتا، کیونکہ اسے معلوم ہے کہ میرا روزہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے روزہ میں کچھ کھانے پینے سے منع فرمایا ہے، تو اس روزہ دار کا اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر اپنی خواہش کو دبا کر پانی پینے، کھانا کھانے یا جنسی خواہش کو پورا کرنے سے رُکنا صبر ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ ہم سے روزہ میں صبر کی تربیت کروا کر ہمیں یہ بتارہے ہیں کہ تم ساری زندگی ایسے ہی گزارو کہ جہاں میرا حکم آجائے وہاں اپنی خواہشات کو کچل کر میری رضامندی کی خاطر ان کو پورا کرنے سے رُک جاؤ۔

## ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَهُوَ شَهْرُ الْمُوَاسَاةِ

"یہ غم خواری اور ہمدردی کا مہینہ ہے"

یعنی اس میں مسلمانوں کو یہ تربیت دی جاتی ہے کہ تم ایک دوسرے سے غم خواری کرو، کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچی ہے تو اس کو دور کرنے کی کوشش کرو، چنانچہ اس مہینہ میں انسان کو کوشش کرنی چاہئے کہ اپنے گردو پیش کا جائزہ لے کر جو اس کے اعزہ واقرباء، دوست احباب، محلے دار اور پڑوسی وغیرہ ہیں ان کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کرے اور کسی بھی قسم کے دکھ اور پریشانی میں اُن کی مدد کرے، بلکہ اس ہمدردی اور غم خواری میں پوری امتِ مسلمہ کو شامل کرے اور سب کے لئے ہمدردی کے جذبات رکھے، اس کے بعد فرمایا:

يُزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ

"اس مہینہ میں مومن کے رزق میں اضافہ کر دیا جاتا ہے"

یعنی عام دنوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ مومن کو زیادہ عطا فرماتے ہیں، جس کا

مشاہدہ ہم کر سکتے ہیں، کوئی کتنا ہی غریب آدمی ہو لیکن رمضان کے مہینہ میں اس کے افطار کے دستر خوان پر کھانے پینے کا سامان عام دنوں کے مقابلے میں کچھ نہ کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے، اس لئے رمضان کے مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومن کے رزق میں اضافہ ہوتا ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نقد انعام ہے، اس کے بعد ارشاد فرمایا:

مَنْ فَطَّرَ فِيهِ صَائِمًا كَانَ لَهُ مَغْفِرَةٌ لِذُنُوبِهِ وَعِتْقُ رَقَبَتِهِ مِنَ النَّارِ، وَكَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْتَقِصَ.

''جس نے اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو افطار کرایا تو یہ افطار کرانا اس کے گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ بن جائے گا اور جہنم سے اس کی گردن آزاد کردی جائے گی، اور اس کو بھی روزہ دار کی طرح ہی اجر ملتا ہے اور روزہ دار کے ثواب سے بھی کچھ کمی نہیں کی جاتی''۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب یہ سنا کہ روزہ افطار کرانے والے کو بھی روزہ دار کی طرح ثواب ملتا ہے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

يَارَسُولَ اللّٰهِ ﷺ! لَيْسَ كُلُّنَا يَجِدُ مَايُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ

''یارسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کے پاس اتنا کچھ نہیں ہوتا کہ کسی روزہ دار کو افطار کرائے''

یہ اُس زمانے کی بات ہے جب رسول اللہ ﷺ کے دور میں لوگوں کی آمدنی کم ہوتی تھی اور اپنے کھانے کے لئے مشکل سے دستیاب ہوتا تھا، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ ہم روزہ دار کو افطار کرانے کے ثواب سے محروم نہ رہ جائیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی بات سن کر فرمایا:

يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ أَوْشَرْبَةِ مَاءٍ وَمَنْ أَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَايَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ.

''اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی عطا فرمادیں گے جو کسی روزہ دار کا روزہ دودھ یا پانی کے ایک گھونٹ سے ہی افطار کرادے، اور اگر کسی نے روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیا تو اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض (حوضِ کوثر) سے پانی پلائیں گے جس کو پینے کے بعد جنت میں داخل ہونے تک اس کو پیاس نہیں لگے گی''

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

وَهُوَ شَهْرٌ أَوَّلُهُ رَحْمَةٌ وَأَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ وَآخِرُهُ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوكِهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ وَأَعْتَقَهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ.

''یہ ایسا مہینہ ہے کہ جس کا پہلا حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ جہنم سے آزادی ہے، اور جس شخص نے اس مہینہ میں اپنے غلام (نوکر وغیرہ) کے کام میں تخفیف کی تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادیں گے اور اس کو جہنم سے نجات عطا فرمادیں گے''

یہ رمضان کے وہ فضائل تھے جو رسول اللہ ﷺ نے رمضان سے ایک دن پہلے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ارشاد فرمائے اور ایک دن پہلے ارشاد فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اس مہینے کے آنے سے پہلے ہی اس کی تیاری کریں۔

چنانچہ یہ مہینہ آرہا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے مغفرت کے دروازے چوپٹ کھول دیئے ہیں، رحمت کی گھٹائیں جھوم جھوم کر برس رہی ہیں، اور چھوٹے سے چھوٹے عمل پر بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے عظیم اجر وثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے، اس لئے اس مہینے کو جتنا زیادہ ہوسکے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں خرچ کریں۔

ہم گیارہ مہینے کاروبارِ دنیا میں لگے رہتے ہیں، جس کی اجازت ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جانا بھی اس کا ایک فضل ہے لیکن اس کاروبارِ زندگی میں لگ کر ہم بکثرت اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ مہینہ عطا فرمایا ہے کہ ان گیارہ

مہینوں میں جو غفلت ہمارے اندر پیدا ہوگئی ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر سے دور کریں اور ہمارے دلوں پر جو غفلت کا زنگ لگ گیا ہے اس کو دور کر کے اپنی روح کو تقویت دیں اور اپنی روحانیت میں اضافہ کریں، پورا سال غفلت میں گزارنے کی وجہ سے ہمارا اللہ تعالیٰ سے تعلق کمزور پڑ گیا ہے تو اس کو مضبوط کریں۔

## رمضان گزارنے کے لئے نظم الاوقات ترتیب دیں

اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ رمضان کے آنے سے پہلے ہی اس مہینہ میں اپنا ایسا نظم الاوقات ترتیب دے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت نکالا جا سکے، جس قدر ہو سکے نفلی عبادتوں کا اہتمام کریں، جس قدر ممکن ہو اپنے دیگر کاموں کو مختصر کریں اور اپنا زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت، ذکر و تلاوت اور تسبیحات وغیرہ میں خرچ کریں۔

مثلاً عام دنوں میں تلاوتِ قرآن کا موقع بہت کم ملتا ہے، لیکن رمضان میں ہر مسلمان یہ طے کر لے کہ میں رمضان میں روزانہ اتنا قرآن پڑھوں گا، اسی طرح چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

## حلال اللہ کے حکم سے چھوڑ دیا تو حرام بھی چھوڑ دو!

ہر وقت ذہن میں یہ دھیان ہو کہ جب میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حلال چیزوں کا کھانا پینا چھوڑ دیا ہے تو وہ کام جو روزے سے پہلے بھی حرام تھے میں کسی قیمت پر نہیں کروں گا، اس لئے اس مہینہ میں انسان گناہوں سے بچنے کی پوری کوشش کرے، اپنی آنکھ، زبان اور جسم کے ہر عضو کو اللہ تعالیٰ کی معصیت کے کاموں میں لگنے سے بچائے اور رزقِ حلال سے افطار کی کوشش کرے، کیونکہ اگر ایسا نہ کیا تو اس روزہ کا کیا ثواب ملے گا جسے رکھا تو اللہ تعالیٰ کے لئے تھا اور اس کو رشوت، دھوکہ، اور حرام مال سے افطار کیا، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے آپ کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

"وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"

# رمضان میں

# رمضان کی تیاری کریں!

۲۷ر جولائی ۲۰۱۲ء بروز جمعۃ المبارک
مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال

# اقتباس

"ان ساعتوں کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی گھٹائیں لے کر آتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی گھٹائیں جھوم جھوم کر انسانوں پر برستی ہیں، مغفرت کے بہانے تلاش کئے جاتے ہیں، گردنوں کو جہنم کے عذاب سے آزاد کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت بندوں پر برسنے کے بہانے ڈھونڈتی ہے۔"

# رمضان اور مسلمان کی حرمت!

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. اَمَّا بَعْدُ!

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

مجھے پہنچنے میں کچھ تاخیر ہوگئی، جس کی وجہ سے وقت کم رہ گیا ہے، لیکن دین کی ضروری بات لمبے وقت کی محتاج نہیں ہوتی۔ اگر اخلاص کے ساتھ بات کہی جائے اور جذبۂ عمل کے ساتھ سنی جائے تو تھوڑی سی بات بھی کارآمد ہوتی ہے اور خدانہ کرے!اگر یہ باتیں موجود نہ ہوں تو پھر لمبی چوڑی تقریریں بھی بیکار ہیں۔

## زندگی کے لمحے بہت قیمتی ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے ہمیں ہماری زندگی میں رمضان المبارک کا مہینہ عطا فرمایا۔ اس موقع پر ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ پچھلے رمضان میں نہ جانے ہمارے کتنے بہن بھائی ہمارے ساتھ روزوں میں شریک تھے، تراویح میں شریک تھے اور رمضان کی برکتوں سے فیضیاب ہو رہے تھے، آج اس رمضان میں وہ دنیا سے جاچکے ہیں، ان کے عمل کا حساب وکتاب بند ہو چکا ہے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں قبولیت اور اجر وثواب کے

لئے وہی عمل معتبر ہے جو اس دنیا میں کیا جائے اور مرنے سے پہلے پہلے کرلیا جائے، جونہی آنکھ بند ہوتی ہے تو دفترِ عمل بھی بند ہوجاتا ہے، پھر اس میں کسی عمل کا اضافہ نہیں ہوسکتا۔

جب آدمی دنیا سے چلا جاتا ہے اور قبر میں پہنچ جاتا ہے تو اس وقت وہ حسرت کرتا ہے کہ میں نے دنیا کی زندگی کے اوقات فضول ضائع کردیئے، کاش! میں اس میں کوئی نیک عمل کرلیتا۔ کاش! میرے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا کچھ اضافہ ہوجاتا۔ لیکن اس وقت حسرت کارآمد نہیں ہوتی، کیونکہ عمل کا دروازہ بند ہوچکا ہوتا ہے۔

عالم برزخ میں جانے کے بعد حسرت یہ ہوتی ہے کہ ہم سے کوئی عمل بن نہیں پڑسکتا، اب کوئی اللہ کا بندہ ہمیں ایصالِ ثواب کردے، کوئی ہمارے اوپر فاتحہ پڑھ جائے، کوئی ہمارے لئے دعا کردے، اس کی آرزو لگی رہتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دنیا سے چلے جانے والوں کی زبانِ حال سے فرمایا کہ قبر میں پڑے ہوئے لوگ قبر کے پاس سے گزرنے والوں کو حسرت سے دیکھتے ہیں کہ کیا ان میں سے کوئی ہمارے پاس آکر ایصالِ ثواب کرتا ہے یا نہیں؟

میرے والدِ ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس کلام کو اُردو میں نظم کی شکل میں مرتب کیا ہے، جس کا نام ہے "مقبرہ کی آواز" مقبرہ زبانِ حال سے اپنے گزرنے والوں کو آواز دیتا ہے کہ ۔

مقبرے سے گزرنے والے سن ☆ ٹھہر ہم پر گزرنے والے سن
ہم بھی اک دن زمیں پر چلتے تھے ☆ باتوں باتوں میں ہم مچلتے تھے

یہ ایک طویل نظم ہے اور اس میں مردہ زبانِ حال سے گویا یہ کہتا ہے کہ ۔

ہم ہر اک رہ گزر کو تکتے ہیں
فاتحہ کے لئے ترستے ہیں
کہ کوئی بندۂ خدا آجائے
فاتحہ بے کسوں پہ پڑھتا جائے

اس عالم میں جا کر اپنے اعمال کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، اسلئے ہمیں اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں رمضان المبارک کی ساعتیں عطا فرمائیں۔

## رمضان کی ساعتوں کی قدر کریں

ان ساعتوں کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی گھٹائیں لے کر آتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی گھٹائیں جھوم جھوم کر انسانوں پر برستی ہیں، مغفرت کے بہانے تلاش کئے جاتے ہیں، گردنوں کو جہنم کے عذاب سے آزاد کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت بندوں پر برسنے کے بہانے ڈھونڈتی ہے۔

اس کا شکریہ ہے کہ اس مقدس مہینے کی ساعتوں کی قدر پہچانی جائے، یعنی ان گھڑیوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کیا جائے اور معصیت وگناہ سے اپنے آپ کو بچایا جائے۔ کم از کم اس مہینے میں اس بات کا تہیہ کرلے کہ میں کوئی گناہ نہیں کروں گا، آنکھوں کو غلط جگہ پڑنے سے بچاؤں گا، کانوں کو غلط بات سننے سے بچاؤں گا، ان سے غیبت، جھوٹ اور غلط بیانی نہیں سنوں گا، اسی طرح اپنی زبان کی حفاظت کروں گا، اس سے جھوٹ، غیبت اور کسی کی دل آزاری نہ کروں گا۔

## رمضان گناہوں سے صبر کا مہینہ ہے

اس مہینے کو نبی کریم ﷺ نے ﴿شَهْرُ الصَّبْرِ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ﴾ فرمایا کہ یہ صبر کا مہینہ ہے، اس میں صبر کی تربیت دی جارہی ہے کہ بھوک لگتی ہے مگر اپنے آپ کو روک کر کھانے سے بچنا، پیاس لگ رہی ہے، حلق میں کانٹے پڑے ہوئے ہیں، گھر میں ٹھنڈا پانی بھی موجود ہے، کوئی دیکھنے والا بھی نہیں، لیکن کوئی روزے دار مسلمان، خواہ کیسا ہی گیا گزرا ہو، اپنی پیاس بجھانے کے لئے وہ پانی نہیں پئے گا۔

اسی طرح دل میں کسی گناہ کا داعیہ پیدا ہو رہا ہے تو صبر کرکے اپنے آپ کو اس سے روک لو۔ یہاں تک بھی فرمایا کہ اگر روزے کی حالت میں تم سے کوئی لڑائی جھگڑا کرنا چاہے تو تم اس کا

جواب نہ دو، بلکہ کہہ دو کہ میرا تو روزہ ہے، نبی کریم ﷺ نے یہ تشریح فرمائی ہے ﴿فَإِنْ سَابَّهٗ أَحَدٌ﴾ یعنی اگر کوئی شخص تم سے گالم گلوچ کرنے لگے یعنی برا بھلا کہنے لگے اور لڑنے لگے اور دوسری روایت میں ہے ﴿جَهِلَ عَلَيْكُمْ جَاهِلٌ﴾ کہ کوئی جہالت کا کام کرنے لگے۔

لفظی معنی کے اعتبار سے جہالت میں ویسے تو ہر قسم کی نادانی آجاتی ہے لیکن عرب میں جہالت کے لفظ کا استعمال لڑائی کرنے کے لئے ہوتا تھا، کیونکہ لڑائی جہالت ہی کا کام ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے صحیح علم دیا ہو وہ لڑنے والا نہیں ہوتا۔ اگر کسی نے اس کی حق تلفی بھی کی ہو تو شریفانہ انداز میں بات کرتا ہے، شریفانہ انداز میں اپنے حق کا مطالبہ کرتا ہے، لیکن لڑائی کرنا اور آپے سے باہر ہو جانا، غصہ کرنا شریف آدمی کا کام نہیں ہوتا، یہ جاہلوں کا کام ہوتا ہے۔

اگر کوئی روزے کی حالت میں لڑائی کرنے لگے تو تمہارا دل بھی چاہے گا کہ جس طرح یہ مجھ پر گرم ہو رہا ہے میں بھی اس پر گرمی کا مظاہرہ کروں، اس نے مجھے ایک بات کہی ہے، میں اس کو دس باتیں کہہ دوں، اس نے مجھے ایک طعنہ دیا ہے میں اس کو دس طعنے دے دوں، لیکن روزے کی وجہ وہ اپنے آپ پر قابو پالے اور کہہ دے کہ بھائی! میں روزے سے ہوں اور اپنے نفس کی خواہش کو کچل دے، رمضان المبارک کے ﴿شَهْرُ الصَّبْرِ﴾ ہونے کا مطلب اور مقصود یہی ہے۔

## رمضان اور مسلمان کی حرمت

بعض اوقات انسان تو تکار میں سمجھتا ہے کہ اگر میں نے اس بات کا جواب نہ دیا تو میری ناک کٹ جائے گی، تو اس موقع پر اپنی ناک اللہ کی خاطر نیچی کر دو، رمضان کی خاطر کر دو، روزے کی خاطر کر دو اور اپنے آپ کو ٹھنڈا کر لو اور کہہ دو کہ میرا روزہ ہے میں لڑائی نہیں کروں گا۔

اندازہ کیجئے کہ یہ حکم زبانی تو تکار کے بارے میں ہے، تو ہاتھا پائی اور ایک دوسرے کو مارنا، تکلیف پہنچانا اس کا گناہ کتنا بڑا ہوگا! اور اس سے بھی آگے بڑھ کر ہتھیار اُٹھا کر ایک دوسرے پر حملے کرنا کس درجے سنگین جرم ہوگا! آج کل ٹارگیٹ کلنگ کا لفظ بڑا مشہور ہو گیا

ہے، اس نے ہمارے خاندانوں کے خاندان تباہ و برباد کردیئے ہیں، ہزاروں عورتیں بیوہ ہوچکی ہیں، ہزاروں بچے یتیم ہوچکے ہیں، اور یہ سب محض اپنے جذبۂ عصبیت کی تسکین کے لئے کیا جارہا ہے یا اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے کے لئے ایسا کیا جارہا ہے کہ ہم ہتھیار رکھتے ہیں، خواہ وہ ہتھیار رکھنا جرم ہو، لیکن اس جرم کو اپنی دلاوری اور بہادری کی بات سمجھ کر ایک دوسرے پر حملہ آور ہورہے ہیں۔ بعض اوقات بلا وجہ ہی حملے کئے جاتے ہیں۔

ایک مسلمان کی جان، مال اور آبرو پر حملہ کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ حدیث شریف میں اس کو کعبہ شریف ڈھادینے سے تعبیر کیا گیا۔ یہاں عالم یہ ہے کہ رمضان جیسے مقدس مہینے میں بھی لوگ اس سے باز نہیں آرہے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف کرو، تمہیں بھی ایک دن مرنا ہے، قبر میں جانا ہے، تمہیں بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے، قرآن کریم نے فرمایا:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا. (النساء:۹۳)

"جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا"

نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں ارشاد فرمایا تھا:

اَلَا اِنَّ دِمَآءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا.

"تمہاری جانیں، تمہارے مال، تمہاری آبروئیں ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں اور ان کی حرمت ایسی ہے جیسا کہ تمہارے اس دن کی (یعنی یوم عرفہ کی) جیسے تمہارے اس شہر کی یعنی مکہ مکرمہ کی۔ جیسے تمہارے اس مہینے کی یعنی ذوالحجہ کی"

میرے بعد ایسا نہ کرنا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

سرکارِ دوعالم ﷺ نے یہ آخری وصیت فرمائی تھی، پھر آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا:

اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ اَللّٰهُمَّ فَاشْهَدْ

"اے اللہ! کیا میں نے تبلیغ کردی۔ اے اللہ! آپ گواہ رہئے گا کہ میں نے اپنی وصیت پوری طرح پہنچادی"

سرکارِ دوعالم ﷺ کی اس وصیت کو فراموش کرکے رمضان جیسے مقدس مہینے میں اپنے لئے جہنم خرید رہے ہو، اپنی قبروں میں انگارے بھر رہے ہو، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مورد بنا رہے ہو اور اس عذاب کی وجہ سے پوری اُمت عذاب میں مبتلا ہے، پوری قوم عذاب میں مبتلا ہے۔

## رمضان سلامتی کے ساتھ گزاریں

یہ شَهْرُ الصَّبْر ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گذارو، دل میں جو گناہ کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، ان کو اپنے قابو میں کرکے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند بناؤ۔ اگر کبھی تمہارے جذبات مشتعل بھی ہوجائیں تو اللہ کے لئے ان کو ٹھنڈا کرلو۔ نبی کریم ﷺ کا یہی پیغام ہے۔

روزہ رکھ کر حلال کام یعنی کھانا پینا تو چھوڑدیا لیکن حرام نہیں چھوڑا، جھوٹ اور غیبت ویسے ہی چل رہے ہیں، دوسروں کو تکلیف اسی طرح دے رہے ہو، دوسروں کی جان، مال اور آبرو پر ویسے ہی حملے کررہے ہو، حرام خوری سے باز نہیں آئے، رشوت کا لین دین اب بھی جاری ہے، دھوکہ دینا اب بھی جاری رکھا ہوا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے روزہ رکھا اور حرام مال سے افطار کرلیا، ایسے روزے میں کیا برکت اور کیا نور ہوگا؟ اس روزے سے روزے کا مقصد تقویٰ کیا حاصل ہوگا؟ کم از کم رمضان المبارک میں ان چیزوں سے بچا جائے۔

بندے کی طرف سے ذرا سے ارادے کی دیر ہوتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے توفیق عطا فرماہی دیتے ہیں۔ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ سَلِمَ لَهُ رَمَضَانُ سَلِمَتْ لَهُ السَّنَةُ

"جس کا رمضان سلامتی سے گزر جائے، اسکا پورا سال سلامتی سے گزرے گا"

یعنی اگر اس مہینے میں اپنے آپ پر قابو پاکر گناہوں سے بچ گئے، گناہوں سے سلامتی حاصل کرلی تو ان شاء اللہ آئندہ پورا سال سلامتی کے ساتھ گزر جائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رمضان المبارک میں گناہوں سے بچنے کو عام دنوں کی بہ نسبت آسان بھی فرمادیا کہ شیطان کو قید کردیا کہ پہلے وہ ہر وقت گناہوں پر آمادہ کیا کرتا تھا، اس زمانے میں اس کی بہکانے کی طاقت سلب کرلی گئی۔ اس کے بعد دل میں گناہوں کے تقاضے نفس کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، نفس کو قابو میں رکھنے کے لئے اس پر کھانے پینے کی پابندی لگادی گئی جس کی وجہ سے گناہوں سے بچنا آسان ہوگیا اور عبادتیں آسان ہوگئیں۔

اسی طرح اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کیا جائے، چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے زبان پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہنا چاہئے، فضول مجلسوں سے پرہیز کریں، فضول باتوں سے پرہیز کریں، خاص طور سے تیسرا کلمہ کثرت سے پڑھیں:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

یہ بڑی فضیلتوں کا کلمہ ہے، اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، اس کے پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ بہت اجر عطا فرماتے ہیں اور اپنا قرب بھی عطا فرماتے ہیں اور اس سے گناہوں سے بچنے کی توفیق بھی ہوتی ہے، اپنی نفسانی خواہشات کے مقابلے میں اپنے آپ کو مضبوط بنانے کے لئے یہ ایک طاقت اور انرجی ہے۔ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر سے اپنی زبان کو تر رکھو۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ پر درود شریف جتنا زیادہ ہوسکے، اس کا اہتمام کیا جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اس طرح رمضان المبارک گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

"وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"

# رمضان توبہ کا مہینہ

۳؍اگست ۲۰۱۲ء بروز جمعۃ المبارک
مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال

# اقتباس

''تقویٰ اس دنیا میں ہر مسلمان کی آخری منزل ہے، ہماری ساری جد وجہد، ساری کوششیں، ساری عبادتیں اور ساری بھاگ دوڑ اس لئے ہونی چاہئیں کہ ہم متقی بن جائیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ مجید میں جگہ جگہ ہمیں اس کا حکم فرمایا ہے۔''

# رمضان توبہ کا مہینہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ O (البقرۃ:۱۸۳)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے رمضان المبارک کا مہینہ ہماری تربیت کے لئے بنایا ہے اور شروع میں تلاوت کی گئی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس ماہِ مقدس کا اصل مقصد بیان فرمایا ہے کہ:

”اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے پہلی اُمتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے“

مذکورہ آیت کے آخر میں روزہ کی فرضیت کا مقصد بیان فرمایا: ﴿لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ O﴾ یعنی تا کہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔

## روضہ کی فرضیت کا مقصد

تقویٰ اس دنیا میں ہر مسلمان کی آخری منزل ہے، ہماری ساری جد وجہد، ساری کوششیں، ساری عبادتیں اور ساری بھاگ دوڑ اس لئے ہونی چاہئیں کہ ہم متقی بن جائیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ مجید میں جگہ جگہ ہمیں اس کا حکم فرمایا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ

''اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو''

## تقویٰ کی حقیقت

تقویٰ اس بات کا نام ہے کہ آدمی کے دل میں اس بات کا احساس اور فکر پیدا ہوجائے کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور مجھے اللہ کے سامنے اپنے ہر فعل کا جواب دہ ہونا ہے، اگر میں اعمالِ صالحہ کروں گا تو مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا انعام ملے گا، اور اگر برائی کے کام کروں گا تو اس کی مجھے سزا ملے گی، یہ احساس جب دل میں جاگزیں ہوجاتا ہے اور صبح سے لے کر شام تک ہر کام میں انسان کو یہ فکر رہتی ہے تو اس کو تقویٰ کہتے ہیں۔

مثلاً اگر آپ کو کسی سربراہِ حکومت، صدر یا وزیر اعظم کی طرف سے دعوت پر بلایا جائے اور آپ اس کے محل یا اس کی رہائش گاہ میں جائیں تو داخل ہوتے وقت آپ کے دل میں ایک کھٹک پیدا ہوگی کہ میں ایک بڑے آدمی کے یہاں جارہا ہوں، جو کہ صاحبِ اقتدار بھی ہے اور صاحبِ جلال بھی ہے، وہ مجھے انعامات سے نواز بھی سکتا ہے اور مجھے سزا بھی دے سکتا ہے، قدرتی طور پر آپ کے دل میں یہ خیال ضرور پیدا ہوگا کہ میں ایک بڑی شخصیت کے یہاں جارہا ہوں اور مجھ سے کوئی ایسا کام سرزد نہ ہوجائے جو یہاں کے شایانِ شان نہ ہو جس کے نتیجے میں مجھے یہاں سے نکال دیا جائے۔

درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ بھی ہمارے دل میں یہی احساس پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ تم

ہر وقت اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہو اور اسکے سامنے ہو، اسلئے یہ خیال ہر وقت ذہن میں رکھو کہ میں جو بھی کام کر رہا ہوں اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو دیکھ رہے ہیں اور مجھے اس کام کی جزا یا سزا ملے گی۔

## انسانوں کی نگرانی کا خوف ہے اللہ کی کیوں نہیں؟

ایک مرتبہ ہم امریکہ میں تھے، وہاں ناسا (Nasa) کے نام سے ایک ادارہ ہے جو ایک انتہائی حساس مقام ہے، کیونکہ یہاں سے خلائی جہاز اُڑائے جاتے ہیں اور ان کو مکمل طور پر یہیں سے کنٹرول کیا جاتا ہے، ہمارے بعض احباب ہمیں وہاں سیر کرانے لے گئے، یہ تقریباً چودہ، پندرہ سال پہلے کی بات ہے، اس وقت وہاں سیاح آتے تھے اور ان کو کنٹرول روم تک جانے کی اجازت بھی ہوتی تھی اور وہ خلائی جہازوں کو کنٹرول کرتے ہوئے دیکھتے تھے۔

لیکن عجیب بات یہ تھی کہ اس قدر حساس علاقہ ہونے کے باوجود یہاں نہ تو پولیس تھی اور نہ ہی کوئی نگرانی کرنے والا نظر آتا تھا، البتہ داخلہ کی جگہ پر ایک بورڈ لگا ہوا تھا، جس پر یہ الفاظ لکھے تھے:

"You are being watched."

یعنی آپ کی نگرانی ہو رہی ہے اور آپ کو دیکھا جا رہا ہے، ان الفاظ کو پڑھ کر آدمی ایک دم سے ٹھٹک جاتا ہے اور اس کے دل میں قدرتی طور پر یہ خیال آتا ہے کہ کوئی خفیہ آنکھ مجھے دیکھ رہی ہے، مجھ سے کوئی ایسا کام سرزد نہ ہو جائے جس کی وجہ سے میں قانون کی گرفت میں آجاؤں، جب میں نے یہ دیکھا تو مجھے عبرت ہوئی اور یہ خیال آیا کہ یہاں صرف انسانوں کی طرف سے یہ لکھا گیا ہے کہ تمہاری نگرانی ہو رہی ہے، جس کی وجہ سے دل میں ایک ڈر اور خوف پیدا ہو گیا، جبکہ اللہ تعالیٰ چودہ سو سالوں سے یہ فرما رہے ہیں کہ:

إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ○ (ہود:۱۱۲)

''جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے''

## انسان کا ہر قول و فعل ریکارڈ کیا جارہا ہے

ہمارے ہر قول و فعل کو ریکارڈ کیا جارہا ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب قیامت میں پہنچو گے تو یہ حالت ہوگی کہ:

کِتٰبًا یَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا، اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًاO (الاسراء:۱۴)

"تمہارا نامۂ اعمال کھول کر تمہارے سامنے رکھ دیا جائے گا، اب اپنا نامۂ اعمال پڑھ لو، تم اپنا حساب کرنے کے لئے کافی ہو"

درحقیقت ہماری زندگی کی ایک ایک بات محفوظ ہے، اور اسی بات کا احساس اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے دلوں میں پیدا فرمانا چاہتے ہیں، اور اسی احساس کے پیدا ہوجانے کا نام تقویٰ ہے۔

## روزہ سے تقویٰ کا حصول

روزہ بھی درحقیقت مسلمان کے دل میں یہی احساس پیدا کرتا ہے کہ روزہ رکھنے کے بعد خواہ بھوک پیاس لگ رہی ہو، لیکن انسان کچھ نہیں کھاتا پیتا، حالانکہ اگر اس نے تنہائی میں جاکر کچھ کھا پی بھی لیا تو کسی کو کیا پتا چلے گا، لیکن اس کے دل میں یہ احساس پیدا ہوگیا ہے کہ اگر میں تنہائی میں جاکر کچھ کھا پی بھی لوں اور کوئی مجھے دیکھ بھی نہ رہا ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور دیکھ رہا ہے، اس لئے خواہ بھوک پیاس سے کتنا ہی بے تاب ہوجائے لیکن اللہ کے خوف کی وجہ سے کچھ کھانا پینا گوارا نہیں ہے، اسی کا نام تقویٰ ہے۔

## صرف کھانا پینا چھوڑ دینے سے تقویٰ حاصل نہیں ہوتا

لیکن روزہ سے تقویٰ اس وقت پیدا ہوگا جب اللہ تعالیٰ کی خاطر کھانا پینا چھوڑنے کے ساتھ ساتھ ان کاموں کو بھی چھوڑ دیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیئے ہیں، کیونکہ اگر کھانا پینا تو چھوڑ دیا لیکن حرام کام نہ چھوڑے تو تقویٰ حاصل نہ ہوگا۔

مثلاً کھانا پینا تو اللہ نے حلال کیا تھا لیکن روزہ کی وجہ سے چھوڑ رکھا ہے اور جھوٹ بولنا جو روزے سے پہلے بھی حرام تھا وہ نہیں چھوڑا، غیبت جو پہلے ہی سے حرام تھی وہ نہ چھوڑی، رشوت لینا حرام تھا وہ نہ چھوڑا، تو یہ کیسا روزہ ہے کہ جس کو رکھ کر اسے رشوت اور حرام مال سے افطار کیا جائے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلرَّاشِیْ وَالْمُرْتَشِیْ کِلَاهُمَا فِی النَّارِ

''رشوت لینے والا اور دینے والا، دونوں ہی جہنمی ہیں''

ایسی صورت میں ہمیں کیسے تقویٰ حاصل ہوگا؟ ہم نے اس ماہِ مقدس میں روزے بھی رکھ لئے، تراویح بھی پڑھ لی اور قرآنِ مجید کی تلاوت بھی کرلی، لیکن سحری بھی حرام مال سے کی اور افطاری بھی حرام مال سے کی، تو اس روزے سے نہ تو کوئی نور حاصل ہوگا، نہ اس میں کوئی برکت ہوگی اور نہ ہی اس روزہ کا اصل مقصد یعنی تقویٰ حاصل ہوگا۔

## مصائب ومشکلات گناہوں کی وجہ سے آتے ہیں

میرے خیال میں آج کل ہم جن مصائب کا شکار ہیں وہ بھی اسی وجہ سے ہیں، آج کے دور میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ملے جو سکھ اور اطمینان میں ہو، پورے ملک میں یہی حال ہے، مجموعی طور پر دیکھیں تو ملک میں امن وامان نہیں ہے، سیاسی، معاشی حالات بھی ابتر ہیں، بجلی اور پانی کے مسائل نے لوگوں کا جینا دوبھر کر رکھا ہے، غرض یہ کہ کسی بھی شعبۂ زندگی میں اُمید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی، یہ صورتِ حال دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے تازیانہ ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ○ (السجدة:۲۱)

''ہم لوگوں کو دنیا ہی میں بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب چکھاتے ہیں تا کہ وہ واپس آجائیں۔''

اسی طرح قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُونَ ○ (الاعراف:۹۴)

"ہم بدحالی اس لئے بھیجتے ہیں تاکہ لوگ گناہوں سے توبہ کرلیں اور عاجزی اختیار کریں"

خلاصہ یہ کہ ہمارے اوپر آنے والے مصائب اور پریشانیاں اُس حرام خوری کا وبال ہے جو ہم نے اختیار کر رکھی ہے، اپنے گردو پیش پر نگاہ دوڑائیں تو یہی نظر آئے گا کہ روزہ رکھتے ہیں لیکن جب افطار کا وقت آتا ہے تو یہ نہیں سوچتے کہ جس مال سے افطاری کر رہے ہیں یہ مال کہاں سے کمایا، چنانچہ حرام مال سے افطاری کی جاتی ہے، جو رشوتیں لے کر، لوگوں کو دھوکہ دے کر اور لوگوں کا دل دُکھا کر حاصل کیا جاتا ہے اور اسی مال سے لوگ ایک دوسرے کے گھر افطاری بھی بھجواتے ہیں، سحری بھی بھجواتے ہیں۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ روزہ تو اس لئے رکھا جاتا ہے کہ تقویٰ پیدا ہو، لیکن روزہ رکھنے کے ساتھ ساتھ ہم نے حرام کاموں کو نہیں چھوڑا، لہٰذا اس مہینہ میں ہمیں اپنے دن بھر کے کاموں کا جائزہ لینا چاہئے کہ ہم نے کیا کیا کام کئے اور کس ذریعہ سے مال کمایا، حاصل یہ کہ مصائب اور پریشانیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے ایک تازیانہ ہیں۔

## رمضان المبارک میں توبہ کا اہتمام

حدیث میں آتا ہے کہ رمضان کا پہلا حصہ رحمت ہے، دوسرا حصہ مغفرت ہے اور تیسرا حصہ جہنم کی آگ سے آزادی کا پروانہ ہے، اس لئے اس ماہِ مقدس میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلیں، اور اللہ کی بارگاہ میں سچی توبہ کرلیں کہ یا اللہ! ہم اقراری مجرم بن کر آپ کے سامنے حاضر ہوئے ہیں، یہ رمضان کا مقدس مہینہ ہے جس میں آپ کی رحمت کی ہوائیں چلتی ہیں اور اس مہینہ میں آپ رحمت کے دروازے کھولتے ہیں، اور جہنم کی آگ

سے نکالا جاتا ہے، ہم آپ کی بارگاہ میں اپنی اور اپنے تمام مسلمانوں بھائیوں کی طرف سے توبہ کرتے ہیں، ہماری توبہ کو قبول فرمالیں، ہر مسلمان ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ درخواست پیش کرے کہ:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ O (الاعراف:۲۳)

"اے اللہ! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کرلیا ہے اگر آپ ہماری مغفرت نہیں فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہیں فرمائیں گے تو ہم بہت خسارے میں چلے جائیں گے"

## رمضان المبارک میں ایک اہم عمل

ایک خاص عمل جس کا ہر مسلمان کو اس ماہِ مقدس میں اہتمام کرنا چاہئے یہ ہے کہ سحری میں کچھ دیر پہلے اُٹھ جائیں، اور اللہ کی بارگاہ میں نفل پڑھ کر اس وقت اللہ تعالیٰ سے مانگیں، کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی یہ آواز لگاتا ہے:

الاهَلْ مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَلَهَا

"ہے کوئی مغفرت چاہنے والا! میں اس کی مغفرت کروں"

اور یہ آواز بھی لگاتا ہے:

يَابَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ، وَيَابَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ

"اے خیر کے طلب گار! آگے آ، اے برائی کے طلب گار! پیچھے ہٹ"

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس منادی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ہر شخص اس وقت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے، کیونکہ جب بندہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی کا وعدہ ہے۔

## توبہ و استغفار سے مصائب دور ہوتے ہیں

بہت سی قومیں ایسی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے توبہ واستغفار کرنے کی وجہ سے ان سے عذاب ٹلا دیا، سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمایا، عذاب ان کے قریب آچکا تھا اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے عذاب دیکھ لیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق ہوئی اور ساری قوم اپنے گھروں سے باہر نکل آئی اور اللہ تعالیٰ سے روکر اور گڑگڑا کر توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو ہٹا دیا۔

اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرنا عذاب کو دور کردیتا ہے، میری آپ حضرات سے درخواست ہے کہ خدارا! اس رمضان میں اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کریں اور جتنا ہوسکے ہر شخص اپنے گریبان میں جھانکے اور اپنے حالات کا جائزہ لے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے، بدعنوانیوں سے اور کرپشن سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ. (ہود:۸۶)

"حلال طریقہ سے جو کچھ بچا ہوا مال جائے وہ تمہارے لئے اس مال سے بہتر ہے جو تم نے حرام کے ذریعہ حاصل کیا ہو"

کیونکہ حرام طریقہ سے کمایا ہوا مال درحقیقت جہنم کے انگارے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا. (النساء:۱۰)

"وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں"

درحقیقت حرام کی کمائی کرنے والا جہنم کی آگ اپنے پیٹ میں بھر رہا ہے، اس کو ابھی اس کی خبر نہیں ہے، لیکن جس دن آنکھ بند ہوگی (نہ جانے کب بند ہوجائے) اور جس دن زمین کے نیچے پہنچے گا (نہ جانے کب پہنچ جائے) تو اس وقت پتہ چلے گا کہ ہم جو کچھ کھا رہے تھے اور جو دولت کے انبار لگا رہے تھے یہ درحقیقت جہنم کے انگارے تھے جو عذاب

جہنم کی صورت میں سامنے آگئے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائیں۔

## رمضان میں اپنا جائزہ لیں

بہرحال گزارش یہی ہے کہ ابھی بھی وقت ہے، نہ جانے یہ مبارک مہینہ آئندہ سال کس کو نصیب ہو اور کس کو نصیب نہ ہو، اس مہینہ کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھیں اور اس کے لمحے لمحے سے فائدہ اُٹھائیں، اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کریں، اور اس بات کا جائزہ لیں کہ اس مہینہ میں ہمارے اندر تقویٰ اور اللہ تعالیٰ سے جواب دہی کا احساس پیدا ہو رہا ہے یا نہیں؟ اگر پہلے سے یہ احساس تھا تو اس میں ترقی ہوئی ہے یا نہیں؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ مقدس مہینہ اسلئے ہمیں عطا فرمایا تھا کہ ہمارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔

اگر یہ جائزہ لینے کے بعد آپ کو محسوس ہو کہ تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جواب دہی کا احساس پیدا ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی خشیت دل میں پیدا ہوئی ہے تو یہ مہینہ آپ کے لئے مبارک ہے۔

لیکن خدا نہ کرے کہ رمضان المبارک کا مہینہ بھی ہمیں نصیب ہوا اور ہم نے نہ تو حرام خوری چھوڑی اور نہ ہی ہمارے دل میں اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہی کا احساس پیدا ہوا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مہینہ میں ہم اپنی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکے، جیسے اس مہینہ سے پہلے گناہوں کی نجاستوں میں لت پت تھے اسی طرح اب بھی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ فرمائیں۔

خلاصہ یہ کہ اس مبارک مہینے میں نماز کے ذریعہ، راتوں کی عبادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور توبہ واستغفار کا اہتمام کریں، اور اپنا جائزہ لے کر اپنے آپ کو بہتر بنانے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

"وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"

# رمضان بندگی کا خاص موسم!

۱۴؍اگست ۲۰۱۲ء بروز اتوار
جامعہ دارالعلوم کراچی

# اقتباس

”اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تم ایک مرتبہ نفس اور شیطان کی مخالفت کرنے پر آمادہ ہوگئے اور اپنے آپ کو اس راستے پر ڈال دیا تو ہم تمہارے لئے اس کو واقعۃً آسان کردیں گے۔ رمضان المبارک میں یہ درس دیا جارہا ہے کہ دیکھو! ذرا سی ہمت کرلو! آگے تمہیں ہم پکڑ کر لے جائیں گے“۔

# رمضان بندگی کا خاص موسم!

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُ أَنْ لَّاۤاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا. أَمَّابَعْدُ!

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا کہ حدیثِ قدسی میں وارد ہے:

مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْہِ ذِرَاعًا وَمَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْہِ بَاعًا وَمَنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُہٗ ھَرْوَلَۃً.

یعنی اللہ جل جلالہٗ فرماتے ہیں کہ:

”جو شخص میری طرف ایک بالشت چل کر آتا ہے، میں اس کی طرف ایک ہاتھ چل کر جاتا ہوں اور جو میری طرف ایک ہاتھ چلتا ہے، میں اس کی طرف کھلے ہوئے دو ہاتھ چل کر جاتا ہوں اور جو میری طرف آہستہ چل کر جاتا ہے، میں اُس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں“۔

## حدیثِ قدسی کسے کہتے ہیں؟

یہ حدیثِ قدسی ہے۔ حدیثِ قدسی اُس حدیث کو کہتے ہیں جس میں نبی اکرم ﷺ کوئی بات اللہ جل جلالہٗ کی طرف نسبت کر کے بیان فرمائیں۔ اللہ تبارک وتعالٰی نے

ایک وحی نازل فرمائی جو قرآنِ کریم کی شکل میں ہمارے سامنے ہے، جو نمازوں اور تراویح میں بھی پڑھی جاتی ہے اور دوسری وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی لیکن اس کو قرآن کا حصہ نہیں بنایا، اس کو حدیثِ قدسی کہتے ہیں۔

## حدیث کا مطلب

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں بالشت، گز اور دوڑ کر آنا سمجھانے کے لئے ایک مثال ہے، مقصود یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف ذرا بھی توجہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی طرف دو چند اور سہ چند توجہ فرماتے ہیں۔

## حق تعالیٰ کی مغفرت اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی عنایت ہے

یہ بات سچ ہے کہ اگر حق تعالیٰ اتنی توجہ نہ فرمائیں تو انسان کی کیا مجال تھی کہ جو اُن تک پہنچ سکتا۔ آخر انسان کو خدا سے نسبت ہی کیا ہے؟ وہ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہیں، انسان کا وہم وگمان بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا، جو ذات اس قدر بالاتر ہو، اس کی معرفت اور محبت کا مشاہدہ انسان خود کیوں کر کر سکتا ہے؟ بس یہ ان ہی کی عنایت ہے کہ جو کچھ حصہ معرفت وغیرہ کا انسان کو عطا ہوتا ہے، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی عطا ہے، ورنہ واقعی وہ مسافت تو ایسی ہے جس کے بارے میں کہا گیا کہ ؎

نہ گردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا
کہ می بالد بخود ایں راہ از قطع و بریدنہا

## اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور نیک کاموں کی توفیق

حضرت والا رحمہ اللہ نے اس حدیثِ قدسی کی جو کچھ تشریح فرمائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ذرا توجہ کی دیر ہے، بس انسان اللہ جل جلالہٗ کی طرف توجہ کرلے، اس کی بندگی اور اطاعت کی طرف توجہ کرلے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اور زیادہ توفیق عطا فرماتے ہیں۔

رمضان المبارک میں خاص طور پر اس کا مشاہدہ ہر مسلمان کو ہوتا ہے کہ رمضان المبارک میں بندوں کو ان اعمال کی توفیق آسانی سے ہوجاتی ہے جن کا تصور رمضان المبارک سے باہر محال نظر آتا ہے، عام دنوں میں پانچ نمازوں کا ادا ہوجانا ہی اچھا خاصا مشکل لگتا ہے چہ جائیکہ نمازِ تراویح کی بیس رکعات پڑھے۔

اسی طرح آخری شب میں اُٹھنا عام دنوں میں بہت بھاری لگتا ہے لیکن رمضان المبارک میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے سحری کے لئے اُٹھنا آسان فرمادیتے ہیں۔

یہ اس لئے ہوتا ہے کہ رمضان المبارک کے شروع ہی سے انسان اپنا ذہن بنالیتا ہے کہ رمضان کا مہینہ آرہا ہے، اس میں کچھ عام دنوں سے زیادہ کرنا ہے اور اپنی طرف سے کچھ ارادہ بھی کرلیا۔ اس ارادے کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمت عطا فرمادی، طاقت عطا فرمادی، اس ہمت وطاقت کی وجہ سے وہ کام ہورہے ہیں جو عام دنوں میں نہیں ہوپاتے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے رمضان المبارک کے مہینے میں نہ جانے بندوں کے لئے کیا کیا حکمتیں اور کیا کیا فوائد رکھے ہیں، ان میں سے ایک اللہ پاک یہ دِکھادیتے ہیں کہ ارے! میری طرف ذرا سا دھیان تو کرو! ایک آدھ قدم بڑھو تو سہی، تم ایک قدم بڑھو گے تو میں تمہیں ایسی توفیق اور ہمت دوں گا کہ تم ایک ذراع بڑھ جاؤ گے۔ اگر تم ایک ذراع بڑھو گے تو ہم دو ذراع کی توفیق دیں گے۔ اگر تم کچھ چل کر ہماری طرف آؤ گے تو ہم اپنی توفیق تمہیں دوڑنے کی ہمت عطا کریں گے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم اس سے سبق نہیں لیتے اور رمضان المبارک گزرنے کے بعد پھر اسی غفلت میں چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ ہمیں مشاہدہ کرایا جارہا ہے کہ تم ذرا سی توجہ اور ذرا سا کام کرو تو ہم تمہیں اس سے بڑھ کر کرنے کی توفیق دیتے ہیں۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا. (عنکبوت:۶۹)

''جو ہمارے راستے پر کچھ کوشش کرتے ہیں (کریں گے یا انہوں نے کی ہے) تو ہم ضرور بالضرور انہیں اپنے راستوں پر اُٹھا کر لے جائیں گے''

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ نے ترجمہ فرمایا:

''ہم ہاتھ پکڑ کر اُن کو اپنے راستوں پر کھڑا کر دیں گے''

﴿لَنَهْدِيَنَّهُمْ﴾ میں ہدایت کی اضافت دوسرے مفعول کی طرف بغیر صلہ کے ہورہی ہے جیسا کہ ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ میں بھی اسی طرح ہے، اس وقت ہدایت اِرَاءَةُ الطَّرِيْقِ کے معنی میں نہیں ہوتی بلکہ اِيْصَالٌ اِلَى الْمَطْلُوْبِ کے معنی میں ہوتی ہے۔

## روزوں کی فرضیت کا مقصد

اسی طرح قرآنِ کریم میں تمام روزوں کی علت، غایت، حکمت اور فائدہ یہ بیان فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝ (بقرہ:۱۸۳)

روزہ کے ذریعے تقویٰ پیدا کرنے کی تربیت دی جارہی ہے، اس کی مشق اس طرح کروائی جارہی ہے کہ دل میں خواہش ہورہی تھی کہ کھاؤں اور پیوں اور شدید گرمی کا موسم ہے، پیاس کے مارے حلق میں کانٹے پڑے ہوئے ہیں، ٹھنڈا پانی گھر میں موجود ہے، آدمی کمرے میں اکیلا ہے، کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے، مگر اس وقت وہ پانی نہیں پیتا۔ کوئی روزہ دار مسلمان جس کے دل میں ایمان ہے، کیسا ہی گیا گزرا ہو، غفلت کا مارا اور نادان ہو وہ پانی نہیں پئے گا، صرف اس لئے نہیں پئے گا کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے صبح کو وعدہ کرلیا تھا کہ آج میں روزہ رکھ رہا ہوں، لہٰذا کچھ کھاؤں اور پیوں گا نہیں۔ اب اگر کچھ کھا پی لیا تو میرا عہد ٹوٹ جائے گا، پھر میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا؟ اس پانی پینے کے تقاضے کو اس نے اللہ تعالیٰ کی وجہ سے دبادیا، بس اسی کا نام تقویٰ ہے، اسی کو فرمایا:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى O فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى O (النّٰزعٰت: ۴۰-۴۱)

"جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے کا دل میں خوف رکھتا ہو اور اس خوف کی وجہ سے اپنے نفس کو خواہشات سے روک دے تو پھر جنت اس کا ٹھکانہ ہے"

## ارادے اور ذرا سی ہمت پر اللہ تعالیٰ کی توفیق

یہاں پر وہی دل کا ارادہ پایا جارہا ہے کہ بندے نے روزہ رکھتے وقت اپنا جی کڑا کر کے اپنے دل میں تہیہ کرلیا تھا کہ روزے کی حالت میں دن میں نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا اور نہ ہی اپنی دیگر نفسانی خواہشات پر عمل کروں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس ارادے کی بدولت سارے دن میں اس کے لئے اس ارادے پر عمل کرنا آسان کردیا، بھوک لگی مگر اس نے کھانا نہیں کھایا، پیاس لگی مگر اس نے پانی نہیں پیا، جنسی خواہش ہوئی مگر پوری نہیں کی۔ اسی طرح رمضان سے پہلے طرح طرح کی فکر تھی کہ رمضان آنے والا ہے، روزے رکھنے ہیں، کھانا پینا بند کرنا ہے، لیکن جب رمضان آگیا تو ذرا سی ہمت سے اللہ جل جلالہٗ نے اسے پھولوں جیسا ہلکا بنادیا۔

میں رمضان سے پہلے یورپ میں تھا، وہاں سولہ سے سترہ گھنٹے کا روزہ تھا یعنی صبح پونے تین بجے سحری ختم اور شام کو ساڑھے نو بجے روزہ افطار ہوتا ہے، ساڑھے نو بجے افطار کے بعد ان کو تراویح بھی ادا کرنی ہے اور پھر سونا بھی ہے اور پھر اُٹھ کر سحری بھی کرنی ہے، یہ بڑا مشکل لگتا ہے، میں نے اپنے ایک دوست سے پوچھا کہ تم کو یہ روزہ کیسا لگتا ہے؟ اس نے کہا کہ جی! الحمد للہ پتہ بھی نہیں چلتا۔ جب ارادہ کرلیتے ہیں کہ روزہ رکھنا ہے تو اسی حساب سے اپنا نظام بنالیتے ہیں، اللہ تعالیٰ یہ کروادیتے ہیں۔

سولہ سترہ گھنٹے کے روزے رکھنے والوں کا روزہ بھی آسان ہوجاتا ہے اور ہم لوگ جو

بارہ تیرہ گھنٹے کا روزہ رکھتے ہیں، ہمیں بھی روزہ آسان ہو جاتا ہے، یہ وہی بات ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ حدیث قدسی میں بیان فرمارہے ہیں کہ جو ہماری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے میں ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھ کر جاتا ہوں، جب ایک مرتبہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے ایک کام کرنے کا ارادہ کرلیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں آگے بڑھ کر تمہیں پکڑ لیتا ہوں، یعنی تمہیں اس کام کی توفیق اور ہمت دے دیتا ہوں، اس کو تمہارے لئے آسان بنا دیتا ہوں۔

رمضان المبارک میں اللہ تبارک وتعالیٰ ہر روز یہ منظر دکھاتے ہیں، جتنی آسانی اور سہولت سے رمضان المبارک میں روزے رکھے جاتے ہیں اگر رمضان سے باہر روزہ رکھنے کا تصور کرو تو یہ بہت مشکل نظر آئے گا، لیکن جب ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ارادہ کرلو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو آسان فرمادیں گے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ (الیل:۵تا۷)

یعنی ہم اس کو آسانی کے ساتھ اس چیز کی طرف پہنچا دیتے ہیں جو کہ یسریٰ ہے۔

## دین میں تو آسانی ہی آسانی ہے

اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ دین کا کوئی بھی کام جس کام کا ہم کو مکلف کیا گیا ہے، حقیقت میں مشکل نہیں، یسریٰ ہے چاہے نماز ہو، روزہ ہو، حج ہو زکوٰۃ ہو، ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ اور ﴿مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، تمہیں مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا اور ﴿اَلدِّيْنُ يُسْرٌ﴾ حقیقت میں ساری شریعت اور دین کے سارے احکام آسان ہی ہیں لیکن شیطان اور نفس اس کو مشکل دکھاتے ہیں، اسی لئے فرمایا: ﴿اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى

الخٰشِعِینَ﴾ نماز لوگوں کے لئے بہت مشکل ہے مگر جو لوگ خشوع اختیار کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں، ان کے لئے کوئی مشکل نہیں۔

## دو قدم بڑھائیں تو سہی!

اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تم ایک مرتبہ نفس اور شیطان کی مخالفت کرنے پر آمادہ ہو گئے اور اپنے آپ کو اس راستے پر ڈال دیا تو ہم تمہارے لئے اس کو واقعۃً آسان کر دیں گے۔ رمضان المبارک میں یہ درس دیا جا رہا ہے کہ دیکھو! ذرا سی ہمت کر لو! آگے تمہیں ہم پکڑ کر لے جائیں گے۔

ہمارے حضرت والا حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ اس کی مثال یہ بیان فرماتے ہیں کہ جیسے کوئی چھوٹا بچہ ہوتا ہے، جب چلنا سیکھتا ہے تو چونکہ ابھی وہ قدم اُٹھا کر چلنے کے قابل نہیں، لیکن جب ذرا کھڑا ہونا شروع کرتا ہے تو ماں باپ تھوڑی دور کھڑے ہو کر اس کو اپنی طرف بلاتے ہیں، وہ بچہ ماں باپ کی طرف ایک آدھ قدم بڑھانے کی کوشش کرتا ہے، پھر لڑکھڑا کر گرنے لگتا ہے، ماں باپ بلا رہے ہیں کہ میری طرف آؤ، اب اگر وہ اپنی جگہ پر ہی کھڑا رہے، قدم بڑھائے ہی نہیں تو بس وہیں کھڑا ہی رہے گا، چلنا نہیں سیکھ سکتا، لیکن اگر وہ اپنی طرف سے کوشش کر کے ایک آدھ قدم بڑھائے، پھر لڑکھڑا کر گرنے لگے تو ماں باپ لپک کر اس کو گرنے سے بچا لیتے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (عنکبوت:۶۹)

اس آیت کا یہی مطلب ہے کہ تم قدم بڑھاؤ، ہم خود آگے بڑھ کر تمہیں گود میں اُٹھا لیں گے۔

## بندے کے ارادہ کی حقیقت

حقیقت یہ ہے کہ توفیق تو ان ہی کی طرف سے ہوتی ہے، بندے کی طرف سے جو کچھ ہوتا ہے اس کی صحیح تشریح بھی ممکن نہیں، اس کو علماءِ شریعت نے ''کسب'' کا نام دیا ہے

کہ بندے کی طرف سے کسب ہوتا ہے ورنہ خلقِ افعال اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، اس کسب کی حقیقت کو بیان کرنا ہی ممکن نہیں ہے، اسی ارادہ کہ جس پر اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ تم ذراسا ارادہ تو کرو، ہم تمہیں آگے لے کر چلے جائیں گے، خود وہ ارادہ بھی ایسی چیز ہے کہ اس کی تعریف نہیں ہوسکتی، اس کا صحیح مطلب بیان کرنا بھی مشکل ہے۔

## حضرت بابا نجم الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول

ہمارے ایک بزرگ تھے، حضرت بابا نجم حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے مجازِ صحبت تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو لوگوں کی ہدایت کا ایک خاص طریقہ عطا فرمایا تھا، وہ ایک بڑی عجیب بات فرمایا کرتے تھے کہ فرمایا یہ گیا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ. (آل عمران:۳۱)

حضور اکرم ﷺ سے خطاب ہے کہ آپ لوگوں سے کہیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو یا کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ﴾ میں بات تو یہ ہو رہی تھی کہ بندہ چاہ رہا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے محبت کروں تو کوئی ایسا طریقہ بتانا چاہئے تھا کہ جس کے ذریعے بندہ اللہ سے محبت کر سکے جبکہ طریقہ یہ بتایا گیا کہ حضور اقدس ﷺ کی اتباع کرو۔ اس کے بعد یہ نہیں فرمایا کہ اس صورت میں تم مجھ سے محبت کرنے لگو گے، بلکہ یہ فرمایا کہ اگر تم حضور اقدس ﷺ کی اتباع کرو گے تو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

حضرت فرماتے ہیں کہ دراصل اللہ تعالیٰ بتانا چاہ رہے ہیں کہ ارے! تم کیا اللہ تعالیٰ سے محبت کرو گے! تمہاری کیا مجال کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے لگو، وہ تو اللہ ہے جو تم سے محبت کرنے لگے گا، جب اللہ تم سے محبت کرے گا تو اس سے تم کو (اللہ تعالیٰ سے) محبت کی کچھ توفیق ہو جائے گی۔

مری طلب بھی انہی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں

اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق نہ ہوتی تو ہمیں کہاں سے ہدایت ملتی! نہ ہم روزہ رکھ سکتے اور نہ نماز پڑھ سکتے۔ بندہ سے صرف ارادہ ہی مطلوب ہے اور ارادہ بھی اپنی پوری حقیقت کیساتھ نہیں بلکہ اس کا کوئی ایسا عنصر ہے جو بیان میں نہیں آسکتا۔

ارادہ بھی بندے کی طرف سے نہیں ہوتا بلکہ فرمایا:

وَمَاتَشَآءُ وْنَ اِلَّآاَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ. (التکویر:۲۹)

ایک بہت ہی خفیف سی چیز ہے جس کو کسب یا اختیار سے تعبیر کیا جاتا ہے، بندے سے صرف وہ چیز مطلوب ہے۔

گزشتہ مثال میں بھی بچے نے کچھ تو حرکت کی، لیکن بندے کے ارادے میں اتنی حرکت بھی نہیں ہے، بلکہ ایک بہت ہی موہوم، مبہم، مجمل، نا قابلِ بیان چیز ہے جس کو کسب سے تعبیر کیا جاتا ہے، بندہ وہ کرلے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تمہیں آگے پکڑ کر لے جائیں گے۔ ہمارے اندر اسی ذرا سی چیز کا گھاٹا ہے۔

## تصوف کی حقیقت

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ کا ایک ملفوظ نہ جانے کتنی مرتبہ اپنے شیخ سے سنا......

یہ اس شخص کا ملفوظ ہے جس کی ساری زندگی تصوف کی وادیوں کے پیچ وخم میں گزری، حضرت اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ مجھے دوسرے علوم سے کچھ خاص مناسبت نہیں، (یہاں تک فرماتے ہیں کہ فقہ سے بھی نہیں، حالانکہ امداد الفتاویٰ پڑھ کر دیکھیں کہ تفقہ کا کیا جہان نظر آتا ہے!) ہاں! البتہ دو علوم سے مناسبت ہے، ایک تفسیر اور ایک تصوف۔ حضرت اپنی تواضع کے ساتھ فرمارہے ہیں کہ مجھے اس فن سے کچھ مناسبت ہے۔

......وہ فرماتے ہیں کہ

"وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا، یہ ہے کہ جب کسی طاعت کی بجاآوری میں سستی ہو تو اس سستی کا مقابلہ کرکے وہ طاعت کرے اور جب کسی گناہ یا معصیت کے چھوڑنے میں سستی ہو تو اس سستی کا مقابلہ کرکے اس سستی سے بچے، اسی سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے، اسی سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہوتی ہے، جس کو یہ چیز حاصل ہوجائے پھر اس کو کسی بات کی ضرورت نہیں"۔

یعنی جب کسی طاعت کا وقت آیا اور اسکے کرنے میں سستی محسوس ہو تو اپنے آپ پر زبردستی کرکے اس طاعت کا ارادہ کرلو تو اس سے تعلق مع اللہ پیدا بھی ہوگا اور اسی سے قائم بھی رہے گا، حفاظت بھی ہوگی اور اسی سے ترقی بھی کرے گا۔

## اللہ تعالیٰ کی طرف سے چھوٹی سی نیکی کی توفیق کو بھی حقیر نہ سمجھیں

اس لئے اس نقطۂ نظر سے رمضان کا مہینہ گزارنے کی توفیق مانگنی چاہئے کہ ہم تربیت کے کورس سے گزر رہے ہیں، لہٰذا اس ماہ میں ہم اپنی ہمت کو کچھ بڑھاتے ہیں، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ہمیں روزے کی توفیق دیدیتے ہیں، تراویح کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں، اکثر و بیشتر مسلمان ایسے ہیں جنہیں گیارہ مہینے کبھی تہجد کی توفیق نہیں ہوتی، اس مہینے میں بہت سوں کو یہ توفیق مل جاتی ہے، اسی طرح عام دنوں میں قرآن شریف کی تلاوت کا اہتمام نہیں ہوتا، جبکہ اس مہینے میں ہوجاتا ہے، یہ سب اسی دھیان، توجہ اور تھوڑے سے ارادے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی توفیق سے ہورہا ہے۔ اسی وجہ سے حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا ؎

"نیکی کی کسی بات کو بھی ہرگز حقیر نہ سمجھنا"

اگر کسی وقت بظاہر معمولی سی نیکی کرنے کا دل میں کچھ خیال آگیا تو اس کو حقیر سمجھ کر چھوڑنا نہیں۔ بعض اوقات کوئی چھوٹی سی نیکی کرنے کا خیال آگیا مثلاً راستے سے گزر رہے تھے، راستے میں کوئی کانٹا وغیرہ پڑا ہوا تھا، خیال ہوا کہ چلو اس کو راستے سے ہٹا دوں تا کہ گزرنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔ شیطان بعض اوقات دل میں ڈالتا ہے کہ ارے یار! اتنے سے کام سے کون سی جنت مل جائے گی؟ میرے گناہوں کا بوجھ اتنا ہے کہ یہ چھوٹا سا کانٹا ہٹا کر میں کیا کروں گا؟ سرکارِ دوعالم ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ جو نیکی کا خیال دل میں آیا ہے اس کو ہرگز حقیر مت سمجھنا اور حقیر سمجھ کر نہ چھوڑنا۔ اس لئے کہ یہ چھوٹا سا خیال جو دل میں آیا ہے، درحقیقت تم نے اللہ تعالیٰ کی طرف ایک بالشت یا آدھی بالشت سفر شروع کیا ہے اور اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ تم ایک بالشت میری طرف آؤ گے تو میں ایک ذراع بڑھ کر آؤں گا، اگر تم نے اس ایک بالشت کو چھوڑ دیا تو اس سے تم اللہ تعالیٰ کی طرف ایک ذراع کی پیش قدمی سے محروم ہو جاؤ گے۔

اسی طرح مسجد میں پہنچے، جماعت میں کچھ وقت ہے، دل میں خیال آیا کہ چلو اتنے تحیۃ المسجد پڑھ لیتا ہوں، شیطان کہتا ہے کہ ساری زندگی تم نے پڑھی نہیں، ایک مرتبہ پڑھنے سے کیا ہو جائے گا؟ چھوڑو! تھوڑی دیر بیٹھ کر آرام کرو! دل میں اس نیکی کا خیال آیا، اس کو کر گزرو، کچھ پتہ نہیں کہ اس وقت یہ نیکی کس جذبے اور کس اخلاص کے ساتھ انجام پا جائے جس کی بناء پر بیڑا ہی پار ہو جائے۔ بعض اوقات ایسا ہی ہوتا ہے کہ چھوٹا سا عمل پتہ نہیں کس اخلاص کے ساتھ انجام پاتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسی پر مغفرت فرما دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میری طرف ایک بالشت بڑھو تو میں تمہاری طرف ایک ذراع بڑھ کر آؤں گا، اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچتی ہے، یعنی ایک نیکی کی توفیق ہوگئی تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ کسی اور نیکی کی بھی توفیق دیدیں گے۔

اسی طرح گناہ گناہ کو کھینچتا ہے، ایک گناہ (اللہ بچائے!) ہو جائے تو دوسرے گناہ کی بھی جرأت پیدا ہونے لگتی ہے۔

## نیکی کا خیال اللہ کی طرف سے مہمان ہے

میں نے اپنے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس اللہ سرہٗ سے سنا، وہ اپنے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی بات نقل فرماتے تھے کہ دل میں کسی وقت کوئی نیکی کرنے کا خیال آجاتا ہے، اس کو صوفیاءِ کرام رحمہم اللہ کی اصطلاح میں وارد کہتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص کے حالات کی آپ کو اطلاع ملی کہ وہ بہت پریشان ہے، بے روزگار ہے، معاشی حالات تنگ ہیں، آپ کے دل میں خیال آیا کہ میں کچھ اس کو صدقہ کر دوں؟ اس کو وارد کہتے ہیں۔

وارد کے معنی ہیں مہمان، تو نیکی کا یہ خیال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مہمان ہوتا ہے، لیکن یہ غیرت مند مہمان ہے، ایک مہمان وہ ہوتے ہیں کہ کسی کے در پر جا کر پڑ گئے، اب وہاں سے اُٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہے، یعنی مان نہ مان! میں تیرا مہمان! میزبان کو تکلیف اور پریشانی ہو رہی ہے تو ہوتی رہے، یہ بے غیرت مہمان ہیں، حدیث میں ان کو لٹیرے کہا گیا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص بغیر کسی کی اجازت اور خوش دلی کے اس کے گھر میں جائے اور اس کی خوش دلی کے بغیر دعوت کا کھانا کھائے تو وہ درحقیقت چور بن کر داخل ہوا اور لٹیرا بن کر نکلا۔

ایک مہمان غیرت مند ہوتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ یہ پوری خوش دلی کے ساتھ اور صحیح معنی میں قدر پہچان کر، محبت سے، اکرام کے ساتھ میری خاطر تواضع کر رہا ہے تو پھر وہ اس کے یہاں ٹھہرے گا، لیکن اگر اس کو ایک لمحے کے لئے بھی پتہ چل جائے کہ میرا وجود اس کے اوپر کچھ بھی گراں ہو رہا ہے تو وہ غیرت مند مہمان ایک لمحہ کے لئے بھی وہاں پر ٹھہرنا پسند نہیں کرے گا۔

حضرت فرماتے ہیں کہ نیکی کا خیال بھی غیرت مند مہمان ہے، اگر تم نے اسکی خاطر تواضع کی، یعنی جو نیکی کا خیال آیا تھا وہ کرگزرے تو مہمان پھر دوبارہ آئیگا اور اگر تم نے اس کی قدر نہ کی یعنی اس خیال کو عملی جامہ نہ پہنایا تو وہ غیرت مند مہمان دوبارہ نہیں آئے گا۔ جیسے اگر کوئی کسی کے گھر پر جائے اور سامنے گھر والا منھ چڑا کر بات کرے اور کوئی توجہ نہ دے تو کسی کا دل بھی دوبارہ اس کے گھر پر جانے کو نہیں چاہے گا۔

اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی بھی نیکی کے کام کو معمولی اور حقیر سمجھ کر ہرگز مت چھوڑو، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اسی کی بدولت یہ مہمان بار بار آئے اور اس پر عمل کرکے تم منزل تک پہنچ جاؤ۔ یہ وہی بات ہے کہ تم اللہ کی طرف ایک بالشت بڑھو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری طرف ایک ذراع بڑھ جائیں گے۔

## رمضان میں تلاوت، ذکر اور نوافل کا خصوصی اہتمام کریں

رمضان المبارک میں خاص طور پر اس حدیث کو یاد رکھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر وقت اس کا نظارہ بھی کروار ہے ہیں۔ لہٰذا ہمیں کوشش اس بات کی کرنی چاہئے کہ رمضان المبارک میں ہمارے زیادہ سے زیادہ اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف پیش قدمی میں گزریں۔ اوّابین، اشراق، تہجد کا اہتمام کرنے کی کوشش کریں۔ تلاوت قرآن مجید کو رمضان المبارک سے خاص مناسبت ہے، جتنا زیادہ سے زیادہ ہوسکے قرآن کریم کی تلاوت کریں، اللہ جل جلالہٗ کا ذکر چاہے زبان سے ہو یا دل سے یا دونوں سے ہو، زیادہ سے زیادہ کرنے کی کوشش کریں۔

## ذکر کی خاص تعداد ہی مطلوب نہیں

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ذکر کی خاص تعداد ہی مطلوب ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ﴾ سو مرتبہ پڑھنا حدیث میں آیا ہے، یا ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ

شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ اس کی دس مرتبہ، چالیس مرتبہ اور سو مرتبہ کی فضیلت آئی ہے۔ اپنے معمول میں ایک عدد مقرر کر کے اس کے مطابق اس معمول کو پورا کرنا چاہئے لیکن اس معمول کے بعد ذکر کی کوئی حد نہیں، چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، زبان سے، دل سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کرتے رہنے کی عادت ڈالنی چاہئے، خاص طور سے رمضان المبارک میں اس کا اہتمام بہت زیادہ کرنا چاہئے، ان شاء اللہ اس کے اثرات رمضان المبارک کے بعد بھی باقی رہیں گے۔ کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہمارے دلوں میں فضول خیالات ختم ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر جاگزیں ہو جائے۔ دماغ کسی وقت خیال سے خالی نہیں ہوتا، اب چاہو تو اس کو غلط رُخ پر یعنی فضول باتیں، گناہ کی باتیں، ناجائز باتیں، بے فائدہ اُمور میں لگا دو اور چاہو تو اللہ تعالیٰ کے ذکر وفکر میں لگا دو۔ حضور اکرم ﷺ نے دعا مانگی ہے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ وَسَاوِسَ قَلْبِيْ خَشْيَتَكَ وَذِكْرَكَ

"اے اللہ! میرے دل کے خیالات کو اپنی خشیت اور ذکر بنا دیجئے"

یعنی دل میں یہ خیال آتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کیسی کیسی نعمتیں عطا فرمائیں! آنکھ، کان، زبان، غرض ہر عضو بہت بڑی نعمت ہے، گھر میں جاتا ہوں تو گھر والے نعمت ہیں، کھانا پینا نعمت ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لئے جو جنتیں بنا رکھی ہیں، ان کا تصور کرتے رہیں۔ خلاصہ یہ کہ تصور اور خیالات کو بے مہار چھوڑنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے ذکر وفکر میں لگاؤ، اور کچھ نہیں تو ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ﴾ دل ہی دل میں کہتے رہو۔ غرض چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے ہر وقت زبان و دل سے اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کچھ نہ کچھ ہم نے لڑھکتے پھڑکتے آگے بڑھنا شروع کیا، اس طرح سے بھی آگے بڑھیں گے تو ان کی طرف سے ان شاء اللہ تعالیٰ سنبھالا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

"وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"

# رمضان کی سلامتی

۱۲ / اگست ۲۰۱۲ء بروز جمعۃ المبارک
مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال

# اقتباس

"کسی مسلمان کی جان لینا، اسی میں ناحق تکلیف دینا بھی داخل ہے، اس کے مال اور عزت و آبرو کو ناحق پامال کرنا اس کو حضور ﷺ نے بیت اللہ کی بے حرمتی سے زیادہ بڑا سنگین گناہ قرار دیا ہے۔ لیکن آج مسلمان معاشرے میں ایک دوسرے پر مکھی مچھر سے زیادہ بے حقیقت سمجھ کر حملہ کئے جا رہے ہیں"۔

# رمضان کی سلامتی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَامُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. اَمَّابَعْدُ!

فَقَدْ رَوٰى عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ: مَنْ سَلِمَ لَهٗ رَمَضَانُ سَلِمَتْ لَهُ السَّنَةُ.

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

اللہ جل جلالہٗ کا بڑا فضل و کرم ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے ہمیں رمضان المبارک کا مہینہ عطا فرمایا، اس ماہ کی مبارک گھڑیاں الحمدللہ! اس وقت ہمیں نصیب ہیں۔ یہ مہینہ اللہ جل جلالہٗ کی رحمتوں کا مہینہ ہے، برکتوں کا مہینہ ہے، مغفرت کا مہینہ ہے اور عذابِ جہنم سے رہائی کا پروانہ حاصل ہونے کا مہینہ ہے۔ قرآنِ کریم میں فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ. (البقرۃ:۱۸۵)

## رمضان اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا موسمِ بہار ہے

یہ وہ مہینہ ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ کریم کے نازل کرنے کے لئے منتخب فرمایا اور جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کی گھٹائیں اپنے بندوں پر جھوم جھوم کر برستی ہیں۔ مغفرت کے بہانے تلاش کیے جاتے ہیں۔ رات کے وقت میں اللہ تعالیٰ کا

منادی آواز لگاتا ہے کہ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ جس کی میں مغفرت کروں! ہے کوئی رزق مانگنے والا جس کو میں رزق دوں! ہے کوئی مبتلائے آزار جس کو میں عافیت عطا کروں۔ غرض یہ کہ یہ مہینہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا موسمِ بہار ہے۔

## رمضان المبارک کی قدر پہچانیں!

اس ماہِ مبارک کی قدر پہچاننے کی ضرورت ہے۔ اس ماہ کی قدر پہچان کر اس کو گزاریں تو یہ ہماری زندگی کا نقطۂ انقلاب بن سکتا ہے۔

ابھی جو حدیث آپ کے سامنے پڑھی گئی، اس میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے:

مَنْ سَلِمَ لَهُ رَمَضَانُ سَلِمَتْ لَهُ السَّنَةُ

"جس کا رمضان سلامتی سے گزر جائے، اس کا سارا سال سلامتی سے گزرے گا"

یہ ایک طرح سے حضور اکرم ﷺ نے بشارت دی ہے کہ اگر رمضان المبارک کو سلامتی کے ساتھ گزار لیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ سارا سال سلامتی کے ساتھ گزرے گا۔

## رمضان المبارک کے سلامتی سے گزرنے کا پہلا مطلب

رمضان کے سلامتی سے گزرنے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ نے رمضان المبارک میں جو خصوصی عبادتیں مقرر فرمائی ہیں، ان کو ٹھیک ٹھیک انجام دیا جائے، مثلاً اللہ تبارک وتعالیٰ نے رمضان المبارک میں روزہ فرض کیا ہے، یہ رمضان ہی میں فرض ہوتا ہے، رمضان کے علاوہ کہیں فرض نہیں ہے۔ روزے کی اس عبادت کو اہتمام کے ساتھ انجام دے کہ کوئی روزہ نہ چھوٹے اور روزے کے مکمل آداب کی رعایت رکھتے ہوئے اس کو رکھے۔ جو بندہ اخلاص کے ساتھ صحیح طریقے سے روزہ رکھتا ہے، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ کہ اس کے نتیجے میں تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہوگا۔ تقویٰ اس طرح پیدا ہوگا کہ روزے میں بھوک لگ رہی ہے تو کھانا نہیں

کھاؤ گے، پیاس لگ رہی ہے لیکن پانی نہیں پیو گے جبکہ ٹھنڈا پانی اور شربت موجود ہے، کمرے میں کوئی دیکھنے والا بھی نہیں، حلق میں کانٹے بھی پڑے ہوئے ہیں، دل پانی پینے کے لئے مچل بھی رہا ہے، کوئی روزے وار مسلمان اس حالت میں بھی پانی نہیں پئے گا، بلکہ شاید کوئی شخص اس وقت یہ پیشکش بھی کردے کہ تم مجھ سے یہ ایک لاکھ روپے لے لو اور یہ ایک گلاس پانی پی لو تو الحمد للہ! غالب گمان یہ ہے کہ کیسا ہی گیا گزرا مسلمان ہو وہ ایک لاکھ کو ٹھوکر ماردے گا اور پانی نہیں پئے گا کہ میں نے اللہ کے لئے روزہ رکھا ہے۔

اس کے دل میں یہ جذبہ جو پیدا ہورہا ہے کہ کچھ بھی ہوجائے روزہ نہیں توڑوں گا، اسی کا نام تو تقویٰ ہے، تقویٰ کے معنی یہی ہیں کہ اللہ جل جلالہ کے سامنے جوابدہی کے احساس کی وجہ سے آدمی اپنی کسی خواہش کو چھوڑ دے، اسی کو فرمایا:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰىؕ (النّٰزعٰت: ۴۰-۴۱)

یعنی جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے خوف رکھتا ہو کہ ایک دن مجھے اس کے سامنے کھڑے ہوکر جواب دینا ہے اور اپنے نفس کی خواہشات کو پورا کرنے سے رُک جائے تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔ اپنے نفس کی خواہشات کو چھوڑنا ہی تقویٰ ہے۔ رمضان المبارک کا ہر روزہ سراپا تقویٰ کا درس ہے۔

## رمضان کی دوسری مخصوص عبادت

رمضان المبارک کی دوسری مخصوص عبادت تراویح ہے جو اگرچہ روزے کی طرح فرض نہیں اور نہ ہی واجب ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب تراویح پڑھنا شروع فرمائی تو جماعت کا اہتمام نہیں فرمایا۔ مسجدِ نبوی میں چٹائی چار اطراف میں کھڑی کرکے ایک حجرہ نما احاطہ سا بنادیا جاتا تھا، اس میں آپ ﷺ اعتکاف فرمایا کرتے تھے، وہیں آپ ﷺ نے تراویح کی نماز پڑھنا شروع فرمائی۔ اس کو قیام رمضان کہا جاتا

تھا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جب دیکھا کہ آپ ﷺ قیامِ رمضان کی نماز پڑھ رہے ہیں تو وہ بھی آپ ﷺ کے پیچھے نیت باندھ کر کھڑے ہوگئے۔ پہلے دن تھوڑے لوگ تھے، دوسرے دن دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو پتہ چلا تو ایک بڑی جماعت حاضر ہوگئی۔ جب تیسری رات آئی تو پوری مسجد بھر گئی اور حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے کے شوق میں سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہوگئے۔ حضور ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری یہ نماز بہت پسند آئی ہے، مجھے ڈر ہے کہ یہ تمہارے ذمے کہیں فرض نہ ہوجائے، اگر یہ فرض کردی گئی اور تم لوگ بے ہمتی کی وجہ سے اس فریضے کو بجانہ لائے تو اس کا بہت سخت گناہ ہوگا، اس لئے کل سے میں تمہیں جماعت سے نماز نہیں پڑھاؤں گا، بلکہ تم اپنے طور پر پڑھ لو۔ چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی طرح کیا، کسی نے گھر میں پڑھ لی، کسی نے مسجد میں پڑھ لی، دو چار نے مل کر جماعت سے پڑھ لی۔

## حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو تراویح پر جمع کرنا

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے تک یہ سلسلہ رہا، ایک دفعہ انہوں نے دیکھا کہ مسجدِ نبوی میں لوگ ٹولیوں کی شکل میں تراویح ادا کررہے ہیں، کئی کئی جماعتیں ہورہی ہیں، حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب وحی کا سلسلہ تو منقطع ہے اور حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق اللہ تعالیٰ کو یہ جماعت پسند بھی تھی، لہٰذا اب ایسا کریں کہ سارے لوگ ایک ہی امام کے پیچھے تراویح ادا کریں اور امام وہ ہوگا جسکے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا:

اَقْرَؤُهُمْ اُبَیُّ بْنُ كَعْبٍ

"تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے بہترین قرآن پڑھنے والے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں"

ہر صحابی رضی اللہ عنہ کی الگ شان ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ علی رضی اللہ عنہ بہترین قاضی ہیں، یعنی سارے صحابہ رضی اللہ عنہم میں

لوگوں کے تنازعات کا فیصلہ کرنے میں سب سے بہتر علی ہیں۔ میراث کے مسائل کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ جاننے والے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں۔ حلال وحرام کا زیادہ علم رکھنے والے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔

چنانچہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور سارے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے پیچھے تراویح پڑھنی شروع کی۔ اگلے دن جب سب لوگ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں ایک جماعت سے نمازِ تراویح ادا کر رہے تھے تو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا ﴿نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ﴾ یہ تو بڑی اچھی بات پیدا ہوگئی۔ اسکے بعد سے تراویح جماعت کے ساتھ اکٹھی پڑھی جانے لگی۔

## تراویح کی جماعت کا ثبوت

جس طرح حضور ﷺ نے اپنی سنت کے بارے میں فرمایا کہ میری سنت کی اتباع کرو، اسی طرح اپنے خلفاءِ راشدین کی سنت کی پیروی کرنے کا بھی حکم فرمایا، اس لئے تراویح کی جماعت سنت ہے۔ حضور ﷺ سے تین دن کی جماعت ثابت ہے اور بعد میں خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم سے اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اہتمام سے ثابت ہے۔

## نمازِ تراویح کی خصوصی اہمیت

میرے شیخ حضرت عارفی قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ "اس تراویح میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا یہ عالم ہے کہ ہر مؤمن کو ہر رات اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے چالیس مقاماتِ قرب زیادہ عطا فرمائے ہیں۔ تراویح کی بیس رکعات ہیں اور ہر رکعت میں دو سجدے ہیں تو یہ چالیس سجدے ہوئے۔ سجدہ کے بارے میں فرمایا کہ بندہ اپنے پروردگار سے کسی وقت اتنا زیادہ قریب نہیں ہوتا جتنا سجدے کی حالت میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کا سب سے اعلیٰ مقام اور اعلیٰ ذریعہ سجدہ ہے، اسی لئے قرآنِ کریم میں فرمایا کہ سجدہ کرو اور میرے پاس آجاؤ۔ یعنی تم جو پیشانی میرے سامنے زمین پر ٹیکتے ہو،

اس وقت تم مجھ سے سب سے زیادہ قریب ہوتے ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ. (ق:١٦)

''ہم بندے کے اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں''

اللہ تعالیٰ بندے کے اتنے قریب ہیں لیکن بندہ اللہ تعالیٰ سے دور ہے، اس کا دل و دماغ کہیں اور لگا ہوا ہے، خواہشات کہیں اور جارہی ہیں، جذبات کچھ اور پیدا ہورہے ہیں، اس کو اللہ تعالیٰ کے قرب کا احساس بھی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے رگِ جان سے زیادہ قریب ہونے کے باوجود بندہ ان سے غافل ہے، فارسی کا ایک شعر ہے ؎

تو کہ از طرف خویش بمن نزدیکی ☆ من کہ از طرف خویش بغایت دورام

یعنی یا اللہ! آپ اپنی طرف سے تو مجھ سے بہت ہی قریب ہیں، لیکن میں اپنی طرف سے آپ سے بہت دور ہوں۔ دل میں کچھ اور خیالات ہیں، جذبات کچھ اور ہیں، صبح سے لے کر شام تک فکر کچھ اور ہے، سوچ و بچار دوسری طرف ہے، آپ کا خیال اور آپ کی طرف دھیان نہیں ہے ؎

بڑی دور ہے ابھی تک رگِ جاں کی مسافت ☆ جو دیا ہے قرب تو نے تو شعور بھی عطا کر

اللہ تعالیٰ اپنے قرب کا شعور ہمیں عطا فرمادیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تو قریب ہوں، بندہ ہی دور ہے، اے بندے! تو میرے پاس آجا! سجدہ کر اور میرے پاس آجا! جب دھیان سے سجدہ کروگے تو میرے قریب آجاؤ گے۔ حضرت مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

وہ اتنے تھے قریب کہ دل ہی میں مل گئے ☆ میں جا رہا تھا دور کا ساماں کئے ہوئے

جب دھیان سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سجدہ کیا جائے گا تو اندازہ ہوگا کہ وہ تو بہت ہی قریب ہیں، یہ سجدہ ایسی چیز ہے۔ ہمارے حضرت عارفی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عام دنوں سے زیادہ رمضان المبارک میں چالیس مقاماتِ قرب بندے کو عطا فرمائے ہیں۔ اگر پابندی سے پورا رمضان تراویح ادا کی جائے تو بارہ سو سجدے

بنتے ہیں، گویا اس ماہِ مبارک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بارہ سو مقاماتِ قرب تراویح کے ذریعے بندے کو عطا فرمائے ہیں، یہ معمولی بات نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْكُمْ صِيَامَهُ وَسَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهُ

"اللہ تعالیٰ نے اس رمضان المبارک میں دن کے وقت روزے فرض کئے اور میں نے تمہارے لئے رات کے وقت میں قیام یعنی تراویح سنت مقرر کردی"

روزے اور تراویح کی عبادت اس مہینے کے ساتھ خاص ہے، عام دنوں میں فرض روزہ نہیں ہے اور نفل کی جماعت مکروہِ تحریمی ہے۔

رمضان المبارک سلامتی سے گزر جانے کا پہلا مطلب یہ ہے کہ ان مخصوص عبادتوں کو ٹھیک ٹھیک انجام دیا جائے۔ یہ رمضان المبارک کے خصوصی اعمال ہیں، الحمد للہ! ہر مسلمان انہیں جانتا بھی ہے اور حتی الامکان کوشش بھی کرتا ہے کہ ان اعمال کو صحیح طریقے سے انجام دیا جائے۔

## رمضان المبارک کے سلامتی سے گزرنے کا دوسرا مطلب

رمضان المبارک کے سلامتی کے ساتھ گزرنے کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ رمضان المبارک میں ہر آدمی اس بات کا خصوصی اہتمام کرے کہ اس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو۔ ورنہ یہ بڑی عجیب بات ہوگی کہ پہلے کھانا پینا حلال تھا، اپنی بیوی سے جنسی تعلق حلال تھا، پھر رمضان المبارک میں یہ حلال چیزیں تو چھوڑ دیں، لیکن جو چیزیں رمضان المبارک سے پہلے بھی حرام تھیں وہ نہ چھوڑیں، مثلاً جھوٹ بولنا پہلے بھی حرام تھا، رمضان المبارک میں وہ نہ چھوڑا، رشوت لینا عام حالات میں بھی حرام تھی، رمضان میں بھی ترک نہ کی، عام دنوں میں بھی غیبت کرنا حرام تھا، رمضان میں بھی غیبت کررہا ہے۔

ہماری ان ہی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے کہ رمضان جیسے مقدس مہینے میں بھی انسانی جانیں مکھی اور مچھروں سے بھی زیادہ بے حقیقت ہوکر رہ گئی ہیں، اس مہینے کے تقدس کا اتنا

بھی پاس نہیں کہ کم از کم اس مہینے میں تو کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچائیں۔

لیکن اللہ بچائے! اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بغاوت کس مقام پر پہنچ گئی ہے کہ رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں بھی لوگوں کی جانیں لے لینا، لوگوں کا خون بہادینا، خاندانوں کو اُجاڑ دینا معمولی سی بات بن کر رہ گئی ہے۔

## مسلمان کی حرمت بیت اللہ سے بھی زیادہ ہے

حضور ﷺ ایک مرتبہ مسجدِ حرام میں طواف فرما رہے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی ساتھ تھا، طواف کے دوران آپ ﷺ نے بیت اللہ سے خطاب فرمایا کہ اے اللہ کے گھر! تو کتنا عظیم ہے! تیری حرمت کتنی عظیم ہے! تو کتنے تقدس والا ہے! مگر ایک چیز ایسی ہے کہ اس کی حرمت تجھ سے بھی زیادہ ہے، وہ ہے ایک مسلمان کی جان، اس کا مال اور اس کی آبرو۔

کسی مسلمان کی جان لینا، اسی میں ناحق تکلیف دینا بھی داخل ہے، اس کے مال اور عزت و آبرو کو ناحق پامال کرنا اس کو حضور ﷺ نے بیت اللہ کی بے حرمتی سے زیادہ بڑا سنگین گناہ قرار دیا ہے۔ لیکن آج مسلمان معاشرے میں ایک دوسرے پر مکھی مچھر سے زیادہ بے حقیقت سمجھ کر حملے کئے جارہے ہیں۔

پھر یہ بھی نہیں کہ کسی کو جائز بات پر غصہ آگیا اور اس میں اس نے دوسرے پر حملہ کردیا، اگرچہ حرام تو وہ بھی ہے لیکن کوئی وجہ تو ہے، لیکن ہمارے ہاں تو بغیر وجہ کے محض دشمنوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر نسلی اور زبانی تعصبات میں ڈوب کر دوسرے مسلمان بھائی کا گلا کاٹا جارہا ہے۔

ہمارے دل میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں اپنے مسلمان بھائی کی جان، مال اور عزت و آبرو پر ہاتھ ڈال کر میں اپنے لئے جہنم خرید رہا ہوں، جیسے قرآن کریم میں فرمایا:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا. (النساء:۹۳)

”جس شخص نے کسی مؤمن کو قتل کیا تو اس کی جزاء جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا“

## گناہ، رمضان کی سلامتی کے منافی ہیں

اگر روزہ رکھ کر اس قسم کے گناہوں میں بھی مبتلا ہے تو یہ مسلمان کی بے حرمتی میں بھی داخل ہے اور رمضان کی سلامتی کے خلاف بھی ہے۔

اسی طرح غیبت، جھوٹ، رشوت نہ چھوڑی، بدنظری سے باز نہ آیا، کسی نامحرم پر لذت لینے کی غرض سے نگاہ ڈالنا آنکھوں کا زنا ہے، اس کو نہ چھوڑا، جب سے مسلمان کے گھر میں ٹی وی کا رجحان ہوا ہے تو آدمی چاہے نہ چاہے نگاہ کے گناہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ اسی طرح کانوں کا گناہ ہے، مثلاً غیبت سننا، گانے سننا وغیرہ یہ بھی روزے کی حالت میں ہورہے ہیں۔

میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں کہ جیسے گرمی کے موسم میں لوگ اپنے گھروں میں ایئر کنڈیشنڈ کرتے ہیں، پہلے چاروں طرف کی کھڑکیاں بند کرتے ہیں، دروازے بند کرتے ہیں، پھر ایئر کنڈیشنڈ کی ٹھنڈک سارے کمرے میں پھیلتی ہے، اگر ایئر کنڈیشنڈ آن کردیا اور دروازے، کھڑکیاں بھی کھول دیں تو ٹھنڈک ایک طرف سے آرہی ہے اور دوسری طرف سے نکل رہی ہے، گرمی پھر ویسے کے ویسے برقرار ہے تو ایسے ایئر کنڈیشنڈ کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

اسی طرح روزے کی مثال ہے کہ روزے کا ایئر کنڈیشنڈ لگا کر آنکھ کی کھڑکی کھلی رکھی، کانوں کی کھڑکی کھلی رکھی، منھ کے دروازے کھلے رکھے کہ حلال وحرام کی تمیز ختم کردی تو روزے کا کیا فائدہ ہوا؟ قرآنِ کریم میں تو یہ ہے کہ ہمارے روزے اس لئے فرض کئے ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو اور تقویٰ اسی طرح پیدا ہوگا کہ جس طرح حلال چیزیں چھوڑ دیں، اسی طرح حرام بھی چھوڑ دو۔

اگر رمضان المبارک میں بھی یہ گناہ جاری رہے تو رمضان المبارک سلامتی سے کیسے

گزرے گا؟ اس لئے کم از کم رمضان کے مہینے میں ہم یہ طے کرلیں کہ آنکھ غلط جگہ نہیں اُٹھے گی، کان غلط بات نہیں سنیں گے اور ہمارے منہ میں کوئی حرام کا لقمہ نہیں جائے گا، کسی کی غیبت نہیں کریں گے، رشوت نہ دیں گے اور نہ لیں گے اور کسی بھی انسان کو اپنی ذات سے کوئی تکلیف نہیں پہنچائیں گے، اس طرح سے اگر رمضان گزارا تو پھر وہ بشارت حاصل ہوگی کہ جس کا رمضان سلامتی کے ساتھ گزرا تو اس کا پورا سال بھی سلامتی کے ساتھ گزرے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

## درمیانِ رمضان سچی توبہ کرکے عمل شروع کرنا

رمضان المبارک کے درمیان کسی کو یہ خیال آسکتا ہے کہ اب کیا ہوسکتا ہے، اب تو نصف رمضان گزر گیا اور اس میں ہم پوری طرح اہتمام نہ کرسکے تو اب بارہ دن میں کرنے کا کیا فائدہ!

جواب اس کا یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی رحمت کے دروازے اتنے چوپٹ کھولے ہوئے ہیں کہ کوئی شخص اگر اپنے آپ کو بالکل ہی تباہ کرنا چاہے تو وہ بات الگ ہے، لیکن اگر کوئی ذرہ برابر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجائے تو اس کی رحمت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، بس! ایک مرتبہ سچے دل سے توبہ کرلو کہ یا اللہ! گزشتہ عرصہ میں جو زندگی گزری، سو گزری، رمضان المبارک کے جتنے ایام گزر گئے، میں ان سے کماحقہٗ فائدہ نہیں اُٹھاسکا، ان میں گناہوں میں مبتلا رہا، اے اللہ! اب توبہ کرتا ہوں، اپنے فضل وکرم سے معاف فرما! توبہ کرتے ہی سارے گناہ ختم ہوگئے:

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ

"گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوجاتا ہے جیسے کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں تھا"

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا کہ جب بندہ کسی گناہ سے توبہ کرلیتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ صرف اتنا ہی نہیں کرتے کہ اس کو

معاف فرمادیتے ہیں، بلکہ وہ گناہ اس کے نامۂ اعمال سے بھی مٹادیا جاتا ہے، قیامت میں اس کا کوئی تذکرہ بھی نہیں ہوگا کہ اس نے یہ گناہ کیا تھا، پھر اس سے توبہ کرلی۔

اور انسان جب چاہے اپنے گناہوں کے ڈھیر کو توبہ کے بارود سے ایک آن میں اُڑا سکتا ہے، حتی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نامۂ اعمال سے بھی وہ گناہ مٹادیتے ہیں۔

اگر درمیان رمضان میں توبہ کرلی اور باقی ایام گناہوں سے بچ کر گزار لئے تو حضور ﷺ کی اس بشارت کے مصداق بن جائیں گے کہ جس کا رمضان سلامتی سے گزرا، اس کا سال سلامتی سے گزرے گا۔

## حضور ﷺ کا جبرئیل امین علیہ السلام کی دعا پر آمین کہنا

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ خطبہ دینے کے لئے تشریف لائے، پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو آمین فرمایا، دوسری سیڑھی پر قدم رکھا، پھر آمین فرمایا، تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو پھر آمین فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم نے کوئی دعا تو سنی نہیں، آپ ﷺ سے تین مرتبہ آمین سنا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب میں خطبہ دینے کے لئے آنے لگا تو حضرت جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے سامنے آگئے، انہوں نے تین دعائیں مانگیں، ان میں سے ہر دعا پر میں نے آمین کہا۔

وہ تین دعائیں حقیقت میں بددعائیں تھیں، پہلی بددعاء یہ تھی کہ برباد ہو وہ شخص کہ جس کو اس کے والدین بڑھاپے کی حالت میں ملے اور وہ اپنے گناہوں کی مغفرت نہ کراسکا، یعنی والدین بوڑھے ہیں اور ان کی خدمت کی ضرورت ہے تو ایسے آدمی کو اپنے گناہوں کی بخشش کروانا بہت ہی آسان ہے، کیونکہ والدین کا مرتبہ اللہ تعالیٰ نے ایسا رکھا ہے کہ اگر ان کو ایک مرتبہ پیار کی نگاہ سے دیکھا جائے تو حج وعمرہ کا ثواب ملتا ہے۔

پھر فرمایا: برباد ہو وہ شخص جس کے سامنے حضورِ اقدس، نبی کریم، سرورِ دوعالم ﷺ کا اسم گرامی لیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے۔

تیسرے نمبر پر فرمایا کہ برباد ہوجائے وہ شخص کہ جس کو رمضان کا مہینہ ملا، پورا رمضان گزر گیا اور وہ اپنے گناہوں کی بخشش نہ کرا سکا۔ رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ کی رحمت مغفرت کے بہانے ڈھونڈ رہی تھی، قدم قدم پر مغفرت کے سامان موجود تھے، شیطان کو قید کردیا گیا تھا، اس کے باوجود وہ اپنی مغفرت نہ کرا سکا۔

اندازہ لگائیے کہ جبرئیلِ امین علیہ الصلوٰۃ والسلام بددعا دے رہے ہیں اور حضور اکرم ﷺ آمین فرمارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس کا مصداق بننے سے محفوظ رکھے۔

## خلاصۂ کلام

رمضان المبارک کا پورا مہینہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور گناہوں سے بچ کر سلامتی کے ساتھ گذارنے کی کوشش کرنی چاہئے، ان شاء اللہ پورا سال سلامتی سے گزرے گا۔

رمضان المبارک کا آخری عشرہ پورے رمضان کا عطر ہے، اس عشرے کی پانچ راتوں کے بارے میں احتمال ہے کہ شاید وہ شب قدر ہو۔ اس عشرے میں اعتکاف کی کوشش کرنی چاہئے، اگر اعتکاف کا موقع نہ ہو تو اپنی دیگر مصروفیات کو کم سے کم تر کرکے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا اہتمام کریں۔

آج کل کے حالات میں ہم سب مسلمان پوری اُمت کی طرف سے استغفار کریں، ہم اس وقت جس گرداب میں مبتلا ہیں اور چاروں طرف مسائل کے پہاڑ کھڑے ہوئے ہیں، مصیبتیں اور آفات آرہی ہیں، یہ بظاہر ہماری شامت اعمال ہے، اس لئے پوری اُمت کی طرف سے مغفرت کی دعا مانگیں۔

اسی طرح یہ دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حکام وعوام کو اپنے حالات کی اصلاح کی توفیق عطا فرمائیں۔ رمضان کی راتوں میں خاص طور پر یہ دعائیں کرنے کی ضرورت ہے، پتہ نہیں! اللہ کے کس بندے کی دعا قبول ہوجائے اور ہم سب کا بیڑا پار ہوجائے۔

"وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"

# رمضان صبر کا مہینہ (۱)

۲۱ راگست ۲۰۱۱ء بروز اتوار
جامعہ دارالعلوم کراچی

# اقتباس

"انسان کا حقیقی امتحان یہ ہے کہ جب دل کسی گناہ کے لئے مچل رہا ہو، اس وقت اپنے نفس کی خواہش کو کچل کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاطر اپنے نفس کو قابو میں کرے اور اپنے آپ کو گناہ سے بچائے، یہ ﴿صبر عن المعصية﴾ ہے جس کو حضرت والا نے یہاں پر ﴿صبر عن الشهوة﴾ سے تعبیر فرمایا ہے، شہوت کے معنی ہیں: دل کی خواہش، خواہ کسی بھی قسم کی ہو۔"

# رمضان صبر کا مہینہ (۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَامُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. اَمَّابَعْدُ!

## حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ کا ایک اہم ملفوظ

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا کہ:

"﴿صبر عن الشهوة﴾ گوفی نفسہٖ دشوار ہے، مگر آدمی جب اس کا ارادہ کرتا ہے تو آسانی شروع ہوجاتی ہے، حتی کہ پھر کبھی دشواری نہیں رہتی۔ ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ شہوت عورتوں کے تعلق ہی میں منحصر نہیں، بلکہ لذیذ غذاؤں کی فکر میں رہنا بھی شہوت ہے، عمدہ لباس کی دھن میں رہنا بھی شہوت ہے، ہروقت باتیں بگھارنے کی عادت بھی شہوت ہے، ان باتوں سے نفس کو روکنا بھی ﴿صبر عن الشهوة﴾ میں داخل ہے، آج کل لوگوں کو باتیں بنانے کا مرض ہے، بس جہاں کام سے فارغ ہوئے، مجلس آرائی کرکے فضول باتیں کرنے لگے، میں صرف عوام کی شکایت نہیں کرتا بلکہ میں علماء اور مشائخ کو بھی مجلس آرائی سے منع کرتا ہوں، کیونکہ یہ مرض ان میں بھی بہت ہے"۔

حضرت والا کی مذکورہ بالا بات رمضان کے مہینے سے اس حوالے سے بہت زیادہ مناسبت رکھتی ہے کہ اس مہینے کو حضور اقدس، نبی کریم، سرورِ دوعالم ﷺ نے ﴿شهر الصبر﴾ قرار دیا ہے، یعنی اس ماہ کو صبر کی ٹریننگ دینے کے لئے منتخب فرمایا۔

## صبر کے عظیم الشان فوائد

قرآنِ کریم میں صبر کی جگہ جگہ تاکید کی گئی ہے، اس کے عظیم الشان فوائد اور عالیشان اجر و ثواب بھی بیان فرمایا ہے، فرمایا:

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (آل عمران:۲۰۰)

دوسری جگہ فرمایا:

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ. (البقرة:۱۵۳)

اسی طرح اہلِ جنت کو جنت کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا جائے گا، اس کی وجہ بھی صبر بیان فرمائی:

وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا. (الدهر:۱۲)

صبر ایک بنیادی صفت ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نیک بندوں میں دیکھنا چاہتے ہیں اور اسی پر اجر و ثواب کا ترتب ہوتا ہے، فرمایا:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ. (الزمر:۱۰)

”جو لوگ صبر کے عادی ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو ان کا اجر بے حساب عطا فرمائے گا“

## صبر کا مطلب

صبر کی کچھ تفصیل سمجھنے کی ضرورت ہے، جب ہم اُردو میں صبر کا لفظ بولتے ہیں تو عام طور پر اس کا یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ کسی کو کوئی تکلیف پہنچی تو اس نے اس پر جزع فزع نہیں

کیا اور صبر کیا، جبکہ شریعت نے جس صبر کا حکم فرمایا ہے وہ بڑی عظیم چیز ہے، صبر کے لفظی معنی ہیں: کسی چیز کو باندھ کر رکھنا۔ شریعت میں صبر کہا جاتا ہے:

حَبْسُ النَّفْسِ عَلٰی مَایَکْرَهُ

یعنی اپنے نفس کو قابو میں رکھنا کہ یہ اپنی حد سے تجاوز نہ کرے۔ اس میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اگر طاعات میں سستی ہو رہی ہے تو اس سستی کا مقابلہ کرکے اس عبادت کو انجام دیا جائے۔ رات کو نیند آرہی ہے یا صبح کے وقت نیند آرہی ہے، سردی کا موسم ہے، لحاف میں لیٹے ہوئے ہیں، اُٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کی خاطر اپنے نفس کی خواہش کو پامال کیا اور اپنے نفس کو قابو کیا، یہ صبر ہے۔

اس سے زیادہ اہم اور قدرے مشکل صبر یہ ہے کہ کسی گناہ سے اپنے آپ کو بچایا جائے، اس کو ﴿صبر عن المعصية﴾ کہتے ہیں، دل میں کسی گناہ کا شدید تقاضا پیدا ہو رہا ہے، اس وقت نفس کو قابو کرنا اور اس گناہ سے اپنے آپ کو بچانا بڑا زبردست صبر ہے۔

اور تیسری قسم وہی ہے جو عوام میں مشہور ہے یعنی ﴿صبر علی المصيبة﴾ کہ کسی مصیبت اور تکلیف پر انسان جزع اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے شکوہ نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر رضامندی کا اظہار کرے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر عقلاً راضی رہے۔

## گناہوں سے بچنا انسان کی فضیلت اور کمال کا درجہ

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ ﴿صبر عن المعصية﴾ کے بارے میں ہے، گناہوں سے بچنا درحقیقت انسان کی فضیلت اور کمال کا درجہ ہے۔ اس لئے کہ عبادات خواہ فرائض میں سے ہوں یا نوافل میں سے، الحمدللہ! مسلمانوں کو کچھ نہ کچھ اس کی توفیق ہو ہی جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ توفیق بھی حاصل ہو جاتی ہے کہ رمضان المبارک کے آنے سے عبادات میں اضافہ ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس توفیق میں برکت عطا فرمائے اور اس میں اور زیادہ ترقی عطا فرمائے۔

لیکن یہ کام نسبتاً آسان ہیں، کیونکہ اس میں آدمی تھوڑی مدت مثلاً ایک ماہ یا دس دن کے لئے اپنے نفس کو قائل کر لیتا ہے کہ کچھ ہی دن کی بات ہے، کوئی لمبا چوڑا معاملہ نہیں ہے، اس لئے نفس بھی خوش ہو جاتا ہے، اور اس مختصر مدت میں یہ کام کرنے میں کوئی لمبا چوڑا مجاہدہ نہیں کرنا پڑتا، لیکن انسان کا حقیقی امتحان یہ ہے کہ جب دل کسی گناہ کے لئے مچل رہا ہو، اس وقت اپنے نفس کی خواہش کو کچل کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاطر اپنے نفس کو قابو میں کرے اور اپنے آپ کو گناہ سے بچائے، یہ ﴿صبر عن المعصية﴾ ہے جس کو حضرت والا نے یہاں پر ﴿صبر عن الشوة﴾ سے تعبیر فرمایا ہے، شہوت کے معنی ہیں دل کی خواہش، خواہ وہ کسی بھی قسم کی ہو۔

اس ﴿صبر ع المعصية﴾ کی جزا کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا کہ:

وَجَزَآءُ هُمْ بِمَاصَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا. (الدہر:۱۲)

یعنی ان لوگوں کے گناہوں سے رُک جانے کی وجہ سے ہم نے ان کو جنت عطا کی۔

اپنے آپ کو غلط جگہ نظر ڈالنے سے بچانا، حسد، غیبت اور بغض سے بچانا، یہ ﴿صبر عن المعصية﴾ ہے، اصل چیز یہ ہے کہ رمضان ہو یا غیر رمضان، اپنے آنکھ، کان اور زبان کی حفاظت ضروری ہے کہ ان سے کوئی غلط بات صادر نہ ہو۔

## رمضان المبارک صبر کی تربیت کا مہینہ

حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ مہینہ ﴿شهر الصبر﴾ ہے، یعنی یہ مہینہ اللہ تعالیٰ نے صبر کی تربیت دینے کے لئے مقرر فرمایا ہے، اور انداز تربیت ایسا ہے کہ اگر اس کی حقیقت سمجھی جائے تو پوری زندگی کے لئے صبر کا راستہ آسان ہو جاتا ہے کہ بھوک لگے تو کھانا مت کھاؤ، پیاس لگے تو پانی مت پیو اور میاں بیوی کے تعلقات جو جائز اور حلال ہیں، ان کو بھی دن کے وقت میں ترک کر دو۔

نماز وغیرہ جیسی عبادات میں بھی صبر ہے کہ آدمی سب کام چھوڑ کر نماز میں لگا ہوا

ہے، لیکن یہ صبر پانچ، دس یا پندرہ منٹ کا ہے جبکہ روزہ میں صبح سے لے کر رات تک صبر کرنا ہے۔

جب آدمی ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق بھی ہو جاتی ہے، وہ کام آسان ہو جاتا ہے، دیکھئے! اگر کوئی روزے دار کو یہ کہے کہ مجھے تمہارے ہونٹ خشک دکھائی دے رہے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ تمہیں شدید پیاس لگی ہوئی ہے، یہ پانی کا ایک گلاس لو اور پی لو، کوئی شخص دیکھنے والا نہیں ہے، اس پانی کے پینے میں تمہیں ایک لاکھ روپے بھی دوں گا، کوئی مسلمان بھی اس کو پینا گوارا نہیں کرے گا۔

البانیہ، یورپ کا شاید واحد ملک ہے جس میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، ایک زمانے میں وہاں پر کمیونزم کا غلبہ تھا، یوں تو کمیونزم نے اہلِ دین کے ساتھ ہر جگہ ہی بڑی زیادتی کی، لیکن البانیہ میں مسلمانوں کے خلاف جس بربریت کا مظاہرہ ہوا ہے، شاید دنیا میں اور کہیں نہ ہوا ہوگا، جب میں وہاں گیا تو لوگوں نے بتایا کہ کمیونزم کے زمانے میں نماز پڑھنا جرم تھا اور اس کی سزا موت تھی، روزہ رکھنا جرم تھا، رمضان کی راتوں میں آخر شب میں وہاں کے پولیس والے یہ دیکھتے پھرتے تھے کہ کس گھر میں بتی جل رہی ہے، اگر کسی کے گھر میں بتی جل رہی ہوتی تو یہ سمجھا جاتا کہ وہ سحری کھانے کے لئے اُٹھا ہے اور روزہ رکھے گا، لہٰذا پورے کے پورے گھر کو تباہ کر دیا جاتا تھا اور اگر کسی کے بارے میں پتہ چل گیا کہ اس نے روزہ رکھا ہے تو پولیس اس کو گرفتار کر کے لے جاتی اور زبردستی شراب اور خنزیر سے اس کا روزہ تڑوایا جاتا، لیکن اس تمام تر ظلم و جبر کے باوجود مسلمانوں نے روزہ رکھنا نہیں چھوڑا اور ایسے لوگ بھی تھے کہ ان کے سامنے موت ناچ رہی تھی لیکن انہوں نے پھر بھی روزہ نہیں توڑا۔ بات وہی ہے کہ جب ایک مسلمان روزہ رکھ لیتا ہے تو کیسا ہی فاسق و فاجر ہو، وہ روزہ پورا کرتا ہے، یہی اپنے نفس کو روکنا ہے جس کو صبر کہتے ہیں اور روزے کے ذریعے روزانہ نفس کی خواہشات کو کچلا جا رہا ہے یہ درحقیقت صبر کی ٹریننگ دی جارہی ہے کہ اس صبر کو اپنی زندگی کی تگ ودو میں مشعلِ راہ بناؤ۔ فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرۃ:۱۸۳)

روزے رکھنے کا مقصد تقویٰ کا حصول ہے، اس لئے رمضان المبارک میں گھر سے نکلتے وقت انسان کو سوچنا چاہئے کہ میں نے صبر کیا ہوا ہے لہٰذا میں اپنے نفس کی خواہش کو بے مہار چھوڑ کر اس کے پیچھے نہیں چلوں گا، نفس کی ناجائز خواہش کو اللہ کی خاطر کچل دوں گا۔

## نفلی عبادات اور ترکِ گناہ

نفلی عبادات اپنی ذات میں بہت اچھی چیز ہیں، اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ ہیں اور ان سے انسان کے اندر ایک قسم کی طاقت بھی پیدا ہوتی ہے جو گناہوں سے بچنے میں مدد دیتی ہے لیکن اگر کوئی شخص ساری زندگی ایک بھی نفلی عبادت نہ کرے اور گناہ سے مکمل بچا رہے تو وہ کامیاب ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کا حقدار ہے، اس سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے تہجد اور اشراق کیوں نہیں پڑھے؟ چاشت اور اوّابین کیوں نہیں پڑھیں؟ اعتکاف کیوں نہیں کیا؟

دوسری طرف کوئی شخص خوب نفلیں پڑھے، تہجد اور اشراق کی پابندی کرے، چاشت اور اوّابین قضا نہ ہوتی ہو، عمرے اور اعتکاف بھی کرتا ہے، لیکن آنکھ کنٹرول میں نہیں ہے، کان اور زبان کنٹرول میں نہیں ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں قانون یہ ہے کہ نفلی عبادات اس پر فرض نہیں تھیں لیکن یہ فرض تھا کہ گناہوں سے بچا جائے، تم نے ضروری کام تو کیا نہیں اور نفلی کاموں میں بڑھ چڑھ کر لگا رہا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ برائیوں کا پلڑا بھاری ہوگا اور نفلی عبادات کا وزن ہلکا ہوگا، لہٰذا اس مہینے میں صبر کی ٹریننگ دی جارہی ہے کہ اپنے آپ کو ہر اس گناہ سے بچاؤ جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا ہے۔

## ارادہ اور ہمت سے کام آسان ہوجاتے ہیں

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ﴿صبر عن الشهوة﴾ شروع میں بہت

دُشوار ہوتا ہے، مثلاً کسی کو کسی ناجائز چیز سے لذت لینے کی عادت پڑی ہوئی ہے اور وہ کام کیے بغیر اس کو چین ہی نہیں آتا، ہزار کوشش کے باوجود وہ اس سے بچنے میں اپنے آپ کو کمزور پاتا ہے۔

یہ وہ بات ہے کہ ہم میں سے شاید کوئی اس سے مستثنیٰ ہوالا ماشاء اللہ، کسی نہ کسی گناہ میں آدمی کو ایسا ابتلاء ہو جاتا ہے کہ اس کے لئے اس سے بچنا بہت دُشوار ہو جاتا ہے، ایسا لگتا ہے جیسے بس سے باہر ہو۔ خوب سمجھ لو کہ بس سے باہر نہیں ہوتا، البتہ ہمت کمزور ہوتی ہے، اس کی وجہ سے ایسا لگتا ہے جیسے میرے بس سے باہر ہے، لیکن جب آدمی اس دُشواری پر اللہ تعالیٰ کی خاطر قابو پانے کے لئے اپنے نفس پر زبردستی کرتا ہے کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے، میں نفس کو اس گناہ کی لذت حاصل کرنے نہیں دوں گا، جب انسان ہمت سے اس چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو آسان سے آسان تر فرماتے چلے جاتے ہیں۔

یہ مت سمجھنا کہ حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام چونکہ ہر گناہ سے معصوم ہوتے ہیں، لہٰذا ان کے دلوں میں گناہ کا خیال بھی نہیں آتا، بلکہ بڑوں بڑوں کو خیالات آجاتے ہیں جیسے قرآن کریم میں فرمایا:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ. (یوسف:۲۴)

یوسف علیہ السلام کے دل میں کچھ خیال ہو چلا تھا لیکن اس کو اپنی ہمت اور حوصلے سے اور ساتھ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کے ذریعے اس کا مقابلہ کیا۔

وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ.
(یوسف:۳۳)

''اے اللہ! اگر آپ ان عورتوں کے مکر سے مجھے نہیں ہٹائیں گے تو میرا دل ان کی طرف مائل ہو جائیگا اور میں بھی نادان لوگوں میں سے ہو جاؤں گا''

## ارادہ اور ہمت کے ساتھ رجوع الی اللہ بھی ضروری ہے

ایک طرف تو ہمت کا مظاہرہ کر کے اپنے نفس کو روکا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے بچالیا، حضرت فرماتے ہیں کہ شروع میں ﴿صبر عن الشھوۃ﴾ دُشوار ہوتا ہے، لیکن جوں جوں آدمی اپنے اُوپر زبردستی کئے جاتا ہے تو اتنا ہی آسانی ہوتی چلی جاتی ہے، جب آدمی کوئی گناہ چھوڑنا چاہتا ہے تو شروع میں آدمی اور نفس کی کشتی ہوتی ہے، نفس کہتا ہے کہ یہ کام کرو، اس میں بڑی لذت ہے، بڑا مزہ ہے، جبکہ دین وشریعت اس سے روک رہے ہوتے ہیں، اس کشتی کے شروع میں نفس غالب آجاتا ہے، لیکن آدمی اگر ہمت نہ ہارے اور مایوس نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا رہے تو ایک نہ ایک دن ضرور نفس پر غلبہ حاصل ہو جائے گا۔

تو علاج یہی ہے کہ جتنا اپنے نفس پر زبردستی کرتے جاؤ گے، اس کے اندر اتنی ہی طاقت اور ہمت بڑھتی چلی جائے گی۔ ہمت چیز ہی ایسی ہے کہ انسان اسکو جتنا استعمال کرے اس میں اتنا ہی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ خواہشِ نفس کو اللہ کی خاطر کچلنا یہ بڑی لذت کی چیز ہے، جب آدمی یہ تصور کرتا ہے کہ میں اپنے نفس کو اپنے محبوبِ حقیقی کی وجہ سے کچل رہا ہوں۔

وَذَاکَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَشَأْ ☆ یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعٖ

تو انسان کے اندر ایک عجیب حلاوت اور لذت پیدا کرتا ہے، جس کے آگے گناہ کی لذت ہیچ در ہیچ ہے۔

خلاصہ یہ کہ کبھی کبھی انسان کو یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ میں فلاں فلاں گناہ کا عادی ہوں، جس کا چھوڑنا بالکل ناممکن نظر آرہا ہے، اس کی وجہ سے مایوسی پھیلتی ہے، یاد رکھئے کہ کسی مؤمن کی زندگی میں مایوسی کا کوئی گزر نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی کسی گناہ کو چھوڑنا ناممکن ہے۔ شروع میں کتنا ہی دُشواری اور پریشانی محسوس ہو رہی ہو لیکن جب دو چار مرتبہ

نفس کے خلاف کرو گے تو ان شاء اللہ اس ارادے اور ہمت میں قوت پیدا ہوتی چلی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت اور مدد آتی چلی جائے گی۔ اس ماہ کو اس تربیت کے نقطۂ نظر سے سوچنا اور سمجھنا چاہئے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسی طرح اس کو گزارنے کی توفیق عطا فرمائے اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خوشخبری بھی سنائی ہے کہ:

مَنْ سَلِمَ لَهُ رَمَضَانُ سَلِمَتْ لَهُ السَّنَةُ

"کہ جس کا رمضان سلامتی سے گزر جائے، اس کا سال سلامتی سے گزرے گا"

اور یہ اس وقت ہوگا کہ رمضان میں یہ نیت کرے کہ میں رمضان میں اپنے آپ کو گناہوں سے بچاؤں گا اور نیکیوں کو زیادہ سے زیادہ کرنے کی کوشش کروں گا تاکہ صبر کی عادت بن جائے اور وہ رمضان کے بعد کی زندگی میں بھی میرے لئے مشعلِ راہ ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم اور اپنی رحمت سے ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

"وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"

۞۞۞

# رمضان صبر کا مہینہ (۲)

۲۲ راگست ۲۰۱۱ء بروز پیر
جامعہ دار العلوم کراچی

# اقتباس

’’گناہوں سے صبر کرنے کا مقام ایسا ہے کہ جہاں آدمی کا اصل امتحان ہوتا ہے، بڑے سے بڑا عبادت گزار یہاں آکر ڈگمگا جاتا ہے، خواہشِ نفس اس کو گناہ کی طرف بلا رہی ہے اور وہ پھسل کر اس کی طرف چل پڑتا ہے، اس کا علاج ہمارے حضرت فرماتے ہیں کہ ایک ہی ہے اور وہ ’’اپنے نفس پر زبردستی کرنا‘‘۔

# رمضان صبر کا مہینہ (۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَامُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. اَمَّابَعْدُ!

## صبر پر جنت کا دارومدار ہے

حدیث مبارک میں رمضان کو ﴿شھر الصبر﴾ قرار دیا گیا ہے۔ صبر ایک ایسی صفت ہے جس پر جنت کا دارومدار ہے، اگر بندہ اپنے اندر صبر کی صفت پیدا نہ کرے تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے اور جنت میں داخل ہونے کا راستہ یہی ہے کہ انسان اپنے آپ کو صبر کا عادی بنائے۔

صبر کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی نفس کی خواہشات پر قابو پائے، ان کو اللہ کے لئے پامال کرے، اور اس بات کی عادت ڈالے کہ جو خواہش بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہوگی میں اس پر عمل نہیں کروں گا۔

جو شخص اپنی خواہشاتِ نفس کو بے لگام چھوڑ دیتا ہے کہ جو بھی دل میں آرہا ہے کر رہا، حلال وحرام اور جائز وناجائز کی فکر نہیں ہے، مناسب نامناسب کی فکر نہیں ہے، قرآن کریم میں اس کا ذکر یوں فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ○ وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ○ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی ○ (النّٰزعٰت:)

"جو شخص سرکشی اختیار کرے اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دے (کہ زیادہ سے زیادہ مال مل جائے، زیادہ عیش وعشرت حاصل ہو جائے، زیادہ لذت مل جائے) تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے"۔

اور دوسرے شخص کے بارے میں قرآنِ کریم میں فرمایا:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی ○ فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی ○ (النّٰزعٰت:)

"جو شخص اپنے رب کی بارگاہ میں جوابدہی کیلئے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس خوف کی وجہ سے اس نے اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے چلنے سے روکا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے"

خواہشاتِ نفس سے اپنے آپ کو روکنا ہی صبر ہے۔ اس صبر پر آمادہ کرنے والی چیز تقویٰ ہے۔

## خواہشات کی دو قسمیں

خواہشات دو قسم کی ہوتی ہیں: ایک خواہشات وہ ہیں جن پر عمل کرنا حرام ہے، مثلاً بدنظری، غیبت اور جھوٹ وغیرہ کی خواہش پیدا ہو رہی ہے تو ان پر عمل کرنا حرام ہے، جبکہ دوسری وہ خواہشات ہیں کہ جن پر عمل کرنا اگرچہ حرام نہیں ہے بلکہ اپنی ذات میں مباحات میں سے ہیں، لیکن جب آدمی ان کے پیچھے چلتا ہے اور ان میں منہمک ہوتا ہے تو اللہ بچائے! وہ کسی نہ کسی وقت حرام تک پہنچا دیتی ہیں، ان دونوں سے بچنے کی ضرورت ہے۔

نفس انسان کو کہتا ہے کہ بھئی! ابھی تم جوان ہو، تمہاری عمر ہی کیا ہے؟ اس جوانی کے مزے لے لو، جب بوڑھے ہو جاؤ گے تو توبہ کر کے اپنا حساب برابر کر لینا۔ شیطان اور نفس

یہ دھوکہ دیتے رہتے ہیں، اسی دھوکے میں آ کر آدمی خواہشات کی دلدل میں پھنستا چلا جاتا ہے، اس سے نکلنے کا راستہ نہیں ملتا، حالانکہ کسی کے پاس گارنٹی نہیں ہے کہ وہ کتنے دن زندہ رہے گا؟ جوانی کے بعد بڑھاپا آئے گا بھی یا نہیں؟ اور بڑھاپا آ بھی گیا تو کیا صحت باقی رہے گی یا نہیں؟

## کسی شخص کی تمام خواہشات پوری نہیں ہو سکتیں

ہم میں سے ہر شخص کو سوچنا چاہئے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ آدمی کی تمام خواہشات پوری ہو جائیں، پوری تاریخ انسانی میں یہ کبھی بھی نہیں ہوا، کوئی فردِ بشر دنیا میں ایسا نہیں گزرا کہ اس کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ اس کے دل میں جو آیا وہ کر گزرا یا جو خواہش بھی پیدا ہوئی وہ پوری ہو گئی، بڑے سے بڑا صاحبِ اقتدار اور بڑے سے بڑے صاحبِ منصب چاہے فرعون ہو یا نمرود، یہ نہیں کہہ سکتا کہ میری تمام خواہشات پوری ہو گئیں۔

بزرگوں نے ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ میں تمہیں لوگوں کی روح قبض کرنے کے لئے بھیجتا ہوں، اور تم نے لاکھوں، کروڑوں انسانوں کی روح قبض کی ہے، کیا تمہیں کسی انسان کی روح قبض کرتے وقت کچھ افسوس ہوا؟ عزرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ! آپ کے حکم سے ہی لوگوں کی روحیں قبض کرتا رہا ہوں، البتہ دو آدمی ایسے ہیں کہ جن کی روح قبض کرتے ہوئے میرا دل بڑا دکھا، پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ عزرائیل نے بتایا کہ ایک مرتبہ سمندر میں جہاز جا رہا تھا، اچانک طوفان آیا اور جہاز سمندر میں ڈوبنے لگا، لوگ ڈوب کر مرنے لگے، اُس پر ایک حاملہ عورت تھی، اس کو کہیں سے ایک تختہ ملا، وہ اس تختے کے اوپر آ گئی، وہ تختہ تیرتا ہوا اس کو بیچ سمندر میں لے جا رہا تھا، اسی حالت میں اس کے ہاں بچہ کی ولادت ہو گئی، جب بچہ پیدا ہو گیا تو آپ کا حکم آیا کہ اس کی ماں کی روح قبض کر لو، اس وقت مجھے اس بچے پر بڑا رحم آیا کہ یہ بچہ ابھی پیدا ہوا ہے، اس کی ماں ہی اس کا واحد سہارا ہے اور یہ

سمندر کے بیچوں بیچ تختے کے اوپر لیٹا ہوا ہے، ماں کے مرنے کے بعد اس بچے کا کیا بنے گا؟ لیکن آپ کا حکم تھا، اس لئے اس کی ماں کی روح میں نے قبض کرلی۔

اس کے بعد دوسرا شخص جس کی روح قبض کرتے ہوئے مجھے افسوس ہوا اور اس پر رحم آیا، ایک بہت بڑا بادشاہ تھا، اس نے ارادہ کیا کہ میں ایک جنت بناؤں، اور یہ ارادہ کرلیا کہ جب تک وہ جنت بن کر پوری نہیں ہوجاتی، میں اس میں داخل نہیں ہوں گا، چنانچہ سالہا سال اس پر خرچ ہوتا رہا، تعمیر ہوتی رہی، پھل پھول لگتے رہے، یہاں تک کہ جب وہ بالکل تیار ہوگئی تو بادشاہ کے کارندوں نے بادشاہ کو کہا کہ جنت تیار ہوگئی ہے، اب آپ چلئے! یہ بادشاہ بڑا خوش ہوکر اس جنت میں جانے کے لئے روانہ ہوا، جنت میں داخل ہوتے وقت ابھی ایک پاؤں اندر تھا اور ایک پاؤں باہر تھا، اس وقت آپ کا حکم آیا کہ اس کی روح قبض کرلو، اس وقت مجھے اس پر رحم آیا کہ اس نے اتنی محنت کی، اتنا پیسہ خرچ کیا، اتنا زیادہ انتظار کیا، کم از کم ایک مرتبہ دیکھ ہی لیتا، لیکن چونکہ آپ کا حکم، اس لئے میں نے اس کی روح قبض کرلی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ درحقیقت تم نے ایک ہی آدمی پر دومرتبہ ترس کھایا، درحقیقت یہ بادشاہ وہی بچہ تھا جو سمندر کے بیچوں بیچ اکیلا رہ گیا تھا۔

اس میں عبرت یہ ہے کہ اس جنت بنانے والے بادشاہ جس کو شداد کہا جاتا ہے، اسکی خواہش تھی کہ اس میں رہوں لیکن سب کچھ جتن کرنے کے باوجود اس خواہش پر عمل نہیں کرسکا۔ اسی طرح کسی بھی صاحب منصب اور صاحب اقتدار کی ہر خواہش پوری نہیں ہوسکتی، حتیٰ کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی بھی ہر خواہش پوری نہیں ہوسکتی، قرآن کریم میں صاف صاف فرمادیا گیا کہ

إِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ. (القصص:۵۶)

جب ہر خواہش پوری نہیں ہوسکتی تو اب دو صورتیں ہیں، یا تو اپنے آپ کو خواہشات سے مجبوری کی وجہ سے الگ کرو۔ اس صورت میں خواہش سے رُکنا نہ صبر کہلائے گا اور نہ

ہی اس پر کوئی اجر ہے۔ اور اگر یہی کام اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر جان بوجھ کر کرو تو یہ صبر ہے اور اس کا انجام جنت ہے۔

## اپنے اختیار سے گناہ سے رُک جانا

اس کو ایک مثال سے سمجھیں کہ آدمی اپنے گھر سے باہر نکلتا ہے تو اس کو چاروں طرف فتنے ہی فتنے نظر آتے ہیں، جابجا ناجائز تصویریں لگی ہوئی ہیں، بے پردگی کا عام رواج ہے، نظروں کو پناہ نہیں ملتی، اب کسی منظر کو دیکھنے کو جی چاہ رہا ہے، کوئی اگر یہ کہے کہ گناہ ہے مت دیکھنا، کیا کروں! میرا دل تو کسی طرح بھی مان نہیں رہا، میرے اختیار سے یہ معاملہ باہر ہو گیا ہے، شیطان اور انسان کا نفس بھی یہی سجھاتا ہے کہ یہ تیرے بس کا کام نہیں ہے، تو اس سے رُک نہیں سکتا، لہٰذا انسان اپنے آپ کو وہ ناجائز منظر دیکھنے پر مجبور پاتا ہے، دل میں یہ آرہا ہے کہ بعد میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے توبہ کرلوں گا، مثلاً یہ منظر ٹی وی میں سامنے تھا، ابھی دیکھنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ بجلی چلی گئی۔ اور دل کے مچلنے کی ساری کیفیت ایک آن میں ڈھیر ہو گئی، یہ مجبوری میں رُکنا ہوا، اس محرومی کا کوئی اجر اور کوئی ثواب نامۂ اعمال میں نہیں لکھا گیا بلکہ جو پکا ارادہ کرلیا تھا، اس کے گناہ ہونے کا بھی احتمال ہے۔

علماء کی ایک بڑی جماعت کا کہنا یہ ہے کہ اگر انسان کسی گناہ کا ایسا عزم کرلے کہ اگر کوئی غیر اختیاری سبب پیش نہ آئے تو وہ کر ہی گزرے تو اس عزم پر بھی گناہ ہوتا ہے۔

اور اگر اسی حالت میں یہ خیال آیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں، مجھے ان کے سامنے جوابدہی کے لئے کھڑا ہونا ہے، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ. (النور:۳۰)

جب اس خیال اور اس غرض کی وجہ سے اپنی نظروں کو بچائیں گے تو صبر بن جائیگا جو کہ جنت میں لے جانے والا ہے۔ اس لئے جب کسی گناہ کے لئے دل مچلے تو فوراً اس بات کا تصور کرلو کہ اگر فلاں واقعہ پیش آجائے تو میں اس خواہش کو پورا نہیں کرسکوں گا۔ لہٰذا

اپنے اختیار سے ہی رُک جاتا ہوں۔ میرے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نگاہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر نگاہ کو غلط استعمال کرنے کی خواہش پیدا ہورہی ہے تو اس وقت یہ سوچ لو کہ میں جو حرام اور ناجائز منظر دیکھنا چاہ رہا ہوں تو اس وقت میرے والد بھی مجھے دیکھ رہے ہیں، میری والدہ بھی مجھے دیکھ رہی ہے، میری بیوی بھی مجھے دیکھ رہی ہے اور میری اولاد بھی مجھے دیکھ رہی ہے، میں ان سب کی موجودگی میں یہ کام کر رہا ہوں، تو کیا اس وقت بھی نظر غلط جگہ اُٹھے گی؟ ہرگز نہیں! بلکہ ہمارے حضرت فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی یہ مراقبہ کیا کرو کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت میں ہم سے یہ فرمائیں کہ دیکھو تم نے زندگی بھر جو گناہ کئے وہ ہم تمہیں معاف کردیں گے، لیکن ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ ایک مرتبہ تمہارے سب گناہوں کی فلم سب کے سامنے چلائیں گے، تمہارے اُستاذ، تمہارے شیخ، تمہارے ماں باپ، تمہارے بہن بھائی، تمہاری بیوی، بچے سب کو دکھائیں گے تو کیا تم یہ بات مانو گے؟ تو یہی تصور اس گناہ کو کرتے وقت کرلو، اگر وہ نہیں دیکھ رہے تو ان سے بڑا رحیم وکریم، رب، پروردگار جس کی نعمتوں نے تمہیں نہال کیا ہوا ہے، وہ تو دیکھ رہا ہے، جب بندہ اس تصور سے کسی برے عمل سے رُکتا ہے تو اس کا نام صبر ہے اور یہ ﴿شهر الصبر﴾ اسی کی تربیت کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھیجا ہے۔

## نفس پر زبردستی کرنا

گناہوں سے صبر کرنے کا مقام ایسا ہے کہ جہاں آدمی کا اصل امتحان ہوتا ہے، بڑے سے بڑا عبادت گزار یہاں آکر ڈگمگا جاتا ہے، خواہشِ نفس اس کو گناہ کی طرف بلا رہی ہے اور وہ پھسل کر اس کی طرف چل پڑتا ہے، اسکا علاج ہمارے حضرت فرماتے ہیں کہ ایک ہی ہے اور وہ ”اپنے نفس پر زبردستی کرنا“۔ یہ طے کرلینا کہ چاہے کچھ ہوجائے، دل پر آرے چل جائیں یا کوئی بھی مصیبت اور مشقت معلوم ہو لیکن میں اس گناہ کے پاس نہیں جاؤں گا۔

ایک حالت وہ ہے جو غفلت کی حالت ہے کہ کسی چیز کی پروا نہیں ہے، حلال وحرام اور جائز وناجائز کا کوئی خیال نہیں، نہ مرنے کا خیال آتا ہے نہ جنت وجہنم کا خیال آتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے راضی اور ناراض ہونے کا خیال آتا ہے، لیکن اس غفلت کے عالم سے جب آدمی تنبہ کے عالم کی طرف بڑھتا ہے اور اپنی اصلاح کی کچھ فکر اس کو دامن گیر ہوئی تو شروع میں آدمی کو یہ نفس پر زبردستی بڑی دشوار محسوس ہوتی ہے، لیکن جب دل پر آرا چلادو گے تو ؎

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں برباد ہوں
اب تو اس دل کو بنانا ہے تیرے قابل مجھے

خواہشاتِ نفس کو پامال کرنے کے نتیجے میں مقامِ صبر حاصل ہو جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ ایمان کی حلاوت عطا فرماتے ہیں، جس کے آگے گناہ کی لذت ہیچ در ہیچ ہے اور انسان جتنا اس کو آگے بڑھاتا جائے گا اتنا ہی اللہ تبارک وتعالیٰ سے تعلق مضبوط ہوتا چلا جائے گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا چلا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت، اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں بیٹھے گا۔

ہمارے حضرت والا قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ یہ خواہشاتِ نفس تمہیں اس کام کے لئے دی گئی ہیں تاکہ ان کو جلا جلا کر تم ایمان اور تقویٰ کی شمع روشن کرو۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے ؎

شہوت دنیا مثالِ گلخن است
چوں ازو حمامِ تقویٰ روشن است

یعنی دنیا کی خواہشات کی مثال ایندھن کی سی ہے، تقویٰ کا حمام ان کو جلانے سے روشن ہوتا ہے۔ خواہشات کو جتنا زیادہ جلاؤ گے اتنا ہی زیادہ تقویٰ کا حمام روشن ہوگا، اتنا ہی نور پیدا ہوگا۔ اقبال کا بڑا خوبصورت شعر ہے ؎

نہ بچا بچا کر تو رکھ اسے کہ یہ آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

## دل چوٹیں کھانے کے لئے بنا ہے

دل تو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہی اس لئے ہے کہ اسکے اوپر چوٹیں پڑیں، یعنی خواہشاتِ نفس کو پامال کرنے کی چوٹیں پڑیں تو پھر یہ دل اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں زیادہ عزیز ہوتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ لِاَجْلِهٖ

یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جن کے دل اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ٹوٹے ہوئے ہوں۔ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنی خواہشاتِ نفس کو پامال کیا، جس کی وجہ سے ان کا دل ٹوٹا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں!

میں نے ایک شعر کہا تھا، جس کو حضرت حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑا پسند فرمایا اور وہ بار بار حوالہ بھی دیتے ہیں، وہ یہ ہے کہ ؎

درد دل دے کے مجھے اس نے یہ ارشاد کیا
ہم اسی گھر میں رہیں گے جسے برباد کیا

یعنی جب یہ دل خواہشات کو پامال کرنے سے برباد ہوگا تو ہم اسی برباد گھر میں آکر رہیں گے۔ یہ کوئی معمولی چیز نہیں۔ شروع میں آدمی یہ سمجھتا ہے کہ گناہوں سے بچنا میرے اختیار سے باہر ہے، حالانکہ بات اختیار کی نہیں بلکہ ہمت کی ہے کہ اپنے نفس پر زبردستی کرنے کی عادت ڈالیں۔ شروع میں ہوسکتا ہے کہ ایک دو مرتبہ عادت ڈالنے کے بعد پھر پھسل گئے تو مایوس ہونے کی بجائے پھر عزم تازہ کرلو، اگر پھر وہی کام ہوجائے تو پھر عزم تازہ کرلو، بعض اوقات یہ کشتی کافی عرصہ چلتی ہے، لیکن اگر ہمت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، مایوس نہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا نہ چھوڑا تو انشاء اللہ ثم انشاء اللہ آخر میں کامیابی تمہاری ہی ہے۔

یہی صبر ہے اور رمضان المبارک میں اسی کی تربیت دی جارہی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم اور اپنی رحمت سے ہمیں اس کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس راستے کی تمام رکاوٹوں کو اپنے فضل وکرم سے دور فرمائے۔

"وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"

# رمضان صبر کا مہینہ (۳)

۲۳؍اگست ۲۰۱۲ء بروز منگل
جامعہ دار العلوم کراچی

# اقتباس

''لوگوں کے دلوں میں چونکہ صبر کا ایک محدود مفہوم ہے کہ کوئی تکلیف اور مصیبت ہوگی، یا کوئی صدمہ ہوگا جس پر صبر ہوگا تو گویا صبر کی دعا کرنا مصیبت کی دعا کرنا ہے، یا جیسے کوئی آدمی دعا کرے کہ یا اللہ! مجھے صابر بنا دیجئے، تو لوگ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ وہ چاہ رہا ہے کہ اس پر کوئی مصیبتیں آئیں جن پر وہ صبر کرے، یہ بات درست نہیں''۔

# رمضان صبر کا مہینہ (۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

## دنیا وآخرت کی کامیابی کا مدار صبر پر ہے

کئی دن سے صبر کے موضوع پر بات چل رہی ہے اور اتفاق سے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ کے جو ملفوظات میں پڑھا کرتا ہوں، ان میں اس کا ذکر ایسے وقت آ گیا جبکہ رمضان المبارک چل رہا ہے جو کہ صبر کا مہینہ ہے، اس لئے گذشتہ بیانات میں اس کے متعلق چند گذارشات پیش کی تھیں اور آج ان ہی کی کچھ تکمیل کرنا مقصود ہے۔

صبر کی صفت ہماری زندگی کے لئے ناگزیر صفت ہے، اس کے بغیر ہم نہ دنیا میں ٹھیک زندگی گزار سکتے ہیں اور نہ آخرت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا کوئی راستہ ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

اَلْجَنَّۃُ حُفَّتْ بِالْمَکَارِہِ

یعنی جنت ان چیزوں سے گھری ہوئی ہے جن کو انسان کا نفس برا سمجھتا ہے۔ اس جنت

تک پہنچنے کے لئے وہ کام کرنے پڑیں گے جن کو نفس اچھا نہیں سمجھتا، کیونکہ نفس آرام اور لذت طلب ہے، اس لئے نفس کے خلاف کرنے میں صبر کرنا پڑے گا، نبی کریم ﷺ نے دعا مانگی:

رَبِّ اجْعَلْنِیْ صَبُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ شَکُوْرًا

''اے اللہ! مجھے صبر کرنے والا اور شکر کرنے والا بنا!''

## صبر کی دعا مصیبت کی دعا نہیں ہے

لوگوں کے دلوں میں چونکہ صبر کا ایک محدود مفہوم ہے کہ کوئی تکلیف اور مصیبت ہوگی، یا کوئی صدمہ ہوگا، جس پر صبر ہوگا تو گویا صبر کی دعا کرنا مصیبت کی دعا کرنا ہے، یا جیسے کوئی آدمی دعا کرے کہ یا اللہ! مجھے صابر بنا دیجئے، تو لوگ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ وہ چاہ رہا ہے کہ اس پر کوئی مصیبتیں آئیں جن پر وہ صبر کرے۔ یہ بات درست نہیں، بلکہ صبر کا بہت وسیع مفہوم ہے جس میں اصل صبر یہ ہے کہ اللہ کے لئے خواہشاتِ نفس کو دبا دیا جائے، اور دعا میں یہی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسا صابر بنا دے کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے نفس کی ناجائز خواہشات کو دبا سکوں اور ان پر قابو پا سکوں۔

ایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

مَآ اُوْتِیَ عَبْدٌ نِعْمَۃً اَوْسَعَ مِنْ صَبْرٍ

''کسی بندے کو کوئی نعمت صبر سے زیادہ وسیع عطا نہیں فرمائی گئی''

یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے حد و بے شمار ہیں لیکن فرمایا کہ صبر کے مقابلے میں کوئی نعمت زیادہ وسیع نہیں ہے۔ وسیع کا مطلب یہ ہے کہ جس کی ہر جگہ ضرورت ہے اور جس سے ہر جگہ فائدہ پہنچتا ہے، گناہوں سے یہ بچاتی ہے اور طاعات میں یہ معاون ہوتی ہے، تکلیفوں میں سہارا دیتی ہے۔

## صبر مشقت سے حاصل ہوتا ہے

صبر کی یہ نعمت مشق کرنے سے حاصل ہوتی ہے، یعنی چاہے کتنا ہی ناجائز کام کا دل

چاہ رہا ہو اور کتنا ہی انسان اس کا عادی ہو لیکن تہیہ کر لے کہ اب میں اپنے آپ کو اس گناہ سے بچاؤں گا چاہے مجھے اپنے اوپر کتنی ہی زبردستی کرنی پڑے۔

بعض اوقات آدمی کسی غلط کام کا اس قدر عادی ہو جاتا ہے کہ وہ یہ سوچنے لگتا ہے کہ اس گناہ کو چھوڑنا میرے بس میں نہیں ہے، لیکن اسکا علاج یہی ہے کہ اپنے نفس کے ساتھ زبردستی کرے۔ ایک مرتبہ زبردستی کر کے اگر اپنے آپ کو بچالیا تو پہلا مرحلہ سر کرلیا، دوسری مرتبہ پھر تقاضا ہوا تو پھر زبردستی کرلو، اس زبردستی کرنے اور مسلسل کرتے رہنے سے صبر کی یہ نعمت حاصل ہوتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ آسان ہو جاتی ہے۔

## صاحبِ قصیدہ بردہ، علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے بزرگانِ دین میں سے ہیں، انہوں نے نبی کریم ﷺ کی شان میں قصیدہ کہا ہے جو کہ ''قصیدۂ بردہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا ایک ایک شعر محبت میں ڈوبا ہوا ہے اور حکمتوں سے لبریز ہے۔ بردہ چادر کو کہتے ہیں، جب انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی شان میں یہ قصیدہ کہا تھا، ان کو خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی کہ آپ (علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ) نبی کریم ﷺ کو وہ قصیدہ سنا رہے ہیں۔ قصیدہ جب سنا چکے تو خواب میں حضور ﷺ نے ان کو ایک چادر انعام میں عطا فرمائی۔ اسلئے اس قصیدہ کو ''قصیدۂ بردہ'' کہا جاتا ہے۔

اور دیگر بعض روایات جن کی مجھے تحقیق نہیں کہ وہ کس درجہ کی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کو بطور کشف بیداری کی حالت میں زیارت ہوئی، اس وقت آپ ﷺ نے وہ چادر عطا فرمائی اور حقیقۃً وہ چادر ان کے پاس رہی۔

اس قصیدہ میں علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر کہا ہے، جو کہ ایک مسلمان کی پوری زندگی کا حاصل ہونا چاہئے، فرماتے ہیں۔

النفس کالطفل ان تہملہ شب علی حب الرضاع

وان تفطمہ حب الرضاع ینفطم

دل کی مثال بچے کی سی ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں کا دودھ پینا شروع کرتا ہے، ہر وقت ماں کے دودھ کا عادی بنا ہوا ہے، اگر ماں دودھ نہ دے تو چیختا اور چلاتا ہے، لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کو وہ دودھ چھڑانا پڑتا ہے۔ اس میں اس بچے کی خیر خواہی ہوتی ہے۔ چنانچہ بچہ چیختا چلاتا ہے، اس وقت خواتین یہ تہیہ کرتی ہیں کہ چاہے روئے یا چلائے، رات کو جاگے یا کچھ کرے لیکن دودھ چھڑانا ہے، چنانچہ خواتین اپنی چھاتیوں پر کچھ کڑوی چیز لگا کر بچے کے منہ میں دیتی ہیں، جس کو وہ کڑوا پا کر چھوڑ دیتا ہے، پھر دوبارہ خواہش ہوتی ہے، تو پھر کڑوا پا کر چھوڑ دیتا ہے، یہاں تک کہ بچہ دودھ بالکل ہی چھوڑ دیتا ہے۔

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرض کرو، اگر ماں دودھ نہ چھڑائے تو وہ بچہ ساری زندگی دودھ پینے کا عادی بنا رہے گا، اس میں کبھی بھی روٹی کھانے کی طاقت پیدا نہیں ہوگی۔ لہٰذا نفس کی مثال بھی بچے کی سی ہے، اگر اس کو گناہوں کی عادت ڈالے رکھوگے تو یہی عادت ساری زندگی کے لئے پختہ ہوجائے گی لیکن اگر گناہوں کی عادت چھڑانے کی کوشش کروگے تو چھوڑ بھی دے گا، پھر جیسے دو تین سال اگر بچہ ماں کا دودھ چھوڑ کر دوسری غذائیں استعمال کرے، پھر اس کو دوبارہ کوئی ماں کا دودھ پلانا چاہے تو اب اس کو ماں کے دودھ میں کراہیت محسوس ہوگی، اسی طرح نفس بھی اگر کچھ عرصہ زبردستی سے گناہ چھوڑ دے گا تو پھر اس کو گناہ کرتے ہوئے کراہیت محسوس ہوگی۔

## صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کا جائزہ لو، شراب ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، شراب سے اہلِ عرب کی محبت کا یہ عالم تھا کہ اس کے لئے دو سو لفظ استعمال ہوتے تھے، صبح کی شراب کا کوئی اور نام، رات کی شراب کا اور نام، تھوڑا سا پانی ملا دو تو نام اور ہے، کھجور سے بنائی ہوئی ہو تو اس کا نام دوسرا ہے، انگور کی شراب کا نام دوسرا ہے، جو کی

شراب کا نام الگ ہے۔ اگر پک کر کچھ حصہ اُڑ گیا تو اس کا نام کچھ اور ہے۔ کسی عرب کا شراب کے بغیر تصور تقریباً ناممکن تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کو شراب کا چھڑانا منظور تھا، اس لئے پہلے ذہن سازی فرمائی کہ اس کی برائی دل میں بٹھائی، اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات کا ذکر فرمایا کہ ہم نے تمہیں کھجور اور انگور کے باغات دیئے ہیں جن میں سے تم اچھا رزق بھی حاصل کرتے ہو اور نشہ بھی حاصل کرتے ہو، اس میں اشارہ کر دیا کہ نشہ اچھا رزق نہیں ہے۔

پھر فرمایا کہ شراب میں کچھ فائدے بھی ہیں، لیکن اس کا نقصان اس کے فائدے سے زیادہ ہے۔ اس کے بارے میں حکم فرمایا:

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ. (المائدۃ.۹۰)

یہ سب گندے کام اور شیطانی عمل ہیں، ان سے پرہیز کرو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی، میں اس وقت ایک مجلس میں تھا جس میں، میں دوسروں کو شراب پلا رہا تھا، اتنے میں حضور ﷺ کے منادی کی آواز آئی: ﴿اَلَا اِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ﴾ خوب اچھی طرح سن لو کہ شراب حرام کر دی گئی ہے۔ مجلس جمی ہوئی ہے، شراب کے پیالے گردش میں ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے ہاتھ میں پیالہ لیا ہوا تھا اور منہ کی طرف لے جا رہا تھا، اس نے یہ اعلان سن کر اتنا بھی گوارا نہ کیا کہ کم از کم یہ گھونٹ پی لے، بلکہ فوراً اس کو اُلٹ دیا۔ ذرا تصور کریں کہ جس چیز کی اتنی شدت کے ساتھ عادت پڑی ہوئی ہے، اس کو اس طرح زمین پر پھینکنے سے کیا کچھ دل پر قیامت گزری ہوگی، دل پر کیسے آرے چلے ہوں گے، لیکن چونکہ حضور ﷺ کی صحبت نے صبر کا عادی بنا دیا تھا اس لئے حرام ہونے کے بعد اب شراب کا کوئی قطرہ حلق میں نہیں جا سکتا۔ شراب کے بڑے قیمتی قیمتی مٹکے بھرے ہوئے تھے، ان کو انڈیلنے کا حکم آیا، وہ سب نالیوں میں بہا دیئے گئے، روایات میں آیا ہے کہ گلی

روز تک مدینہ منورہ کی نالیاں شراب سے بھری رہیں، جو برتن شراب میں استعمال ہوتے تھے، وہ حرام کر دیئے گئے، یعنی ان برتنوں میں کوئی جائز اور حلال مشروب پینا بھی جائز نہیں۔ بعد میں ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی گئی تھی۔

اس میں تعلیم یہ دی گئی ہے کہ کسی بھی گناہ کو چھوڑنے کے لئے سب سے پہلے ارادہ ہو، پھر اپنے نفس پر قابو پانا اور اس پر زبردستی کرنا ضروری ہے اور تیسرا یہ کہ جتنے بھی اس گناہ کی طرف لے جانے والے اسباب ہیں، ان کو بھی ختم کرنا ضروری ہے۔ جیسے کوئی آدمی کہیں جا کر گناہ کرتا ہے تو وہ وہاں جانا چھوڑ دے، وہاں سے تعلقات ختم کر دے، ان کے روابط منقطع کر دے۔ اسی طرح اگر کوئی کسی کی بری صحبت کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہوتا ہے تو اس سے تعلق ختم کرے اور اس سے رابطہ منقطع کر لے۔

## جنت اتنی سستی نہیں......

اپنے نفس پر زبردستی کرنا ہی اس کا علاج ہے، اس زبردستی کے نتیجے میں شروع میں وقت اور پریشانی ہوگی لیکن بعد میں آسانی ہو جاتی ہے، اسی کو حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا کہ ﴿صبر عن الشهوة﴾ گو فی نفسہٖ دشوار ہے، مگر آدمی جب اس کا ارادہ کر لیتا ہے تو آسانی شروع ہو جاتی ہے، جنت اتنی سستی نہیں ہے کہ اتنی آسانی سے مل جائے:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ.

(العنکبوت:۲)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بس اتنا کہہ دیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور اب سیدھا جنت میں چلے جائیں گے اور کوئی آزمائش بھی پیش نہیں آئے گی۔ انسان کی آزمائش یہی ہے کہ وہ نفسانی خواہشات کی پیروی کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ جنت کی اَبدی نعمتیں اور ابدی زندگی کہ جس میں تکلیف کا گزر نہیں ہے، جس میں غم کا شائبہ نہیں، اس میں خوشیاں ہی خوشیاں ہیں، لذتیں ہی لذتیں اور راحتیں ہی راحتیں ہیں،

جو کسی کے وہم وخیال اور گمان میں بھی ہو کر نہیں گزریں، ان کو حاصل کرنا اتنا آسان نہیں کہ اپنی خواہشاتِ نفس کے پیچھے چلتے رہو اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے رہو اور پھر سیدھے جنت میں بھی چلے جاؤ۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

حرام اور ناجائز کام بھی چاہو اور پھر خدا کو بھی چاہو، یہ محض ایک خیال ہے، ناممکن بات ہے اور پاگل پن ہے۔

بہر حال! یہ زبردستی تو کرنی پڑے گی، اس کے بعد ان شاء اللہ آسانی ہو جائے گی اور بعد میں بچنا مشکل نہیں ہوگا، اگرچہ بعد میں بھی کچھ خیال وگمان وغیرہ آجائیں، ان کا مقابلہ کرنا اتنا دشوار نہیں ہوگا۔

## خواہشاتِ انسانی کی دو قسمیں

انسان کے دل میں پیدا ہونے والی خواہشات دو قسم کی ہیں، ایک وہ ہیں کہ جن پر عمل کرنا بالکل ناجائز اور گناہ ہے، ان کو ہر حال میں ترک کرنا ضروری ہے۔ دوسری قسم کی خواہشات وہ ہیں جن کو شریعت نے حرام نہیں کہا لیکن اگر ان میں آدمی زیادہ منہمک ہو جائے تو رفتہ رفتہ یہ بھی اس کو کسی وقت گناہوں میں مبتلا کر سکتی ہیں، جب انسان اپنی اصلاح کا ارادہ کرے تو ان خواہشات کو بھی اعتدال میں لانا پڑتا ہے، ان کے بارے میں حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ شہوت صرف عورتوں کے تعلق ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ لذیذ غذاؤں کی فکر میں رہنا بھی شہوت ہے، عمدہ لباس کی دُھن میں رہنا بھی شہوت ہے، ہر وقت باتیں بگھارنے کی عادت ڈالنا بھی شہوت ہے، اور ان سب شہوتوں سے نفس کو روکنا ﴿صبر عَن الشَّهوَة﴾ میں داخل ہے۔

اگر کوئی غذا حلال اور جائز ہے تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں، لیکن صبح سے

شام تک اگر آدمی اسی چکر میں لگا رہے تو یہ بات صحیح نہیں ہے۔ ہمارے ایک بزرگ ایک صاحب کا قصہ سنایا کرتے تھے کہ وہ کھانے کے بہت شوقین تھے اور بہت کھاتے تھے، ان کا ایک باورچی تھا، جس سے پوچھ پوچھ کر کھانا پکواتے تھے، دوپہر کو اپنی مرضی کا کھانا پکوا کر خوب مزے لے کر کھانا کھا رہے ہیں، اسی حالت میں اپنے باورچی کو بلاتے اور پوچھتے کہ تم شام کو کیا کھلاؤ گے؟......

تو اس کا دماغ اسی اُدھیڑبن میں ہے کہ صبح کو کیا کھاؤں گا، دوپہر کو کیا کھانا ہے؟ اور رات کے کھانے میں کیا ہے؟ اگرچہ یہ حرام نہیں ہے لیکن اسی کی ذہن سوار کر لینا کسی وقت ناجائز لذت کی طرف بھی منتقل کر سکتا ہے، اسی لئے یہ فرمایا گیا کہ ﴿شبع﴾ یعنی پیٹ کو بہت بھر لینا، اس سے منع فرمایا گیا ہے، کیونکہ یہ انسان کے اندر غلط قسم کی خواہشات پیدا کرتا ہے، اس کو گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور آخرت سے غافل بناتا ہے، اتنا کھاؤ کہ سانس کی جگہ باقی رہے، کچھ پانی کی جگہ باقی رہے۔

## ایک لطیفہ

ایک لطیفہ مشہور ہے کہ کوئی مہمان کسی کے گھر کھانا کھانے کے لئے گیا، وہ کھانے کا بہت شوقین تھا، میزبان نے دیکھا کہ یہ کھائے جا رہا ہے، کوئی چیز بھی نہیں چھوڑ رہا، تو ایک مرحلے میں میزبان نے اس سے کہا کہ بھئی! ہم نے سنا ہے کہ کھانے کے درمیان میں پانی پی لینا بھی فائدہ مند ہوتا ہے، اس نے کہا کہ ہاں فائدہ مند ہوتا ہے، جب کھانے کا بیچ آئے گا تب پیوں گا۔

## ہر وقت اچھے کھانے کی فکر صحیح نہیں

اگر کھانے پینے ہی میں آدمی منہمک رہے کہ اسی میں دل و دماغ لگے ہوئے ہیں تو اس کو براہِ راست حرام تو نہیں کہہ سکتے لیکن یہ ﴿مفضی الی الشهوة﴾ ہے، جس سے صبر کرنا ضروری ہے، اسی لئے اصلاح کے مجاہدات میں ایک مجاہدہ "تقلیلِ طعام" کا ہے۔

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اگر آج کل اس پر عمل کرواؤ گے تو سب لوگ بھاگ جائیں گے اور صحت کمزور پڑ جائے گی تو اس کے لئے یہ کیا جائے کہ کھانے کے دوران ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ جب اس کے دل میں تردّد ہوتا ہے کہ آگے کھاؤں یا نہ کھاؤں؟ تو اس وقت کھانا چھوڑ دینا چاہئے۔

دوسرے یہ کہ ہر وقت اچھے کھانے کی فکر میں منہمک نہ رہو، بلکہ جب اللہ تعالیٰ توفیق دیں تو شکر ادا کر کے کھالو، کبھی قدرت کے باوجود چھوڑ بھی دو کہ آج فلاں چیز کو دل چاہ رہا ہے مگر آج نہیں کریں گے۔

## ہر وقت اچھے لباس کی فکر صحیح نہیں

اسی طرح لباس کے بارے میں فکر میں رہنا کہ اچھے سے اچھا لباس پہنوں، کہیں معمولی سی شکن بھی نہ آجائے، اگرچہ یہ ناجائز اور حرام نہیں، لیکن ان چیزوں کو اپنی دھن اور فکر بنالینا کہ دن رات اسی میں مبتلا ہے، یہ بات صحیح نہیں ہے۔

## ہر وقت باتیں بگھارنے کی عادت صحیح نہیں۔

اسی طرح باتیں بگھارنے کی عادت بنالینا۔ بعض لوگوں کی عادت ایسی ہوتی ہے کہ جہاں وہ کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں تو چاہتے ہیں وہی بولیں اور پھر بے تکان بولتے چلے جاتے ہیں، یہ بولنے کی شہوت ہے، ان کے بارے میں اگرچہ حرام اور ناجائز ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا، لیکن عین ممکن ہے کہ یہ بے تکان بولنا اس کو حرام کی طرف لے جائے کہ کبھی اس سے جھوٹ نکل جائے گا، کبھی اس سے غیبت نکلے گی، کبھی بہتان نکلے گا، کبھی دل آزاری کا کلمہ نکلے گا۔

ہمارے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جب لوگ اصلاح کے لئے آتے تو ان کے لئے ایک اہم کام "قلتِ کلام" ہوتا تھا، یعنی بات کم کرو، اور کرو تو اتنی بات کرو جتنی ضرورت ہے۔ یہ وہ شہوتیں ہیں جن سے رُکنا بھی ﴿صبر عن الشھوۃ﴾ میں داخل ہے۔

## خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ دین پر عمل اور جنت تک پہنچ بغیر صبر کے ممکن نہیں ہے، صبر کا مطلب اپنی خواہشاتِ نفس کو قابو میں رکھنا ہے، یہ نہ ہو کہ جس چیز کو دل چاہا کر گزرے، پہلے تو یہ دیکھو کہ اگر وہ ناجائز بات ہے تو ناجائز بات سے تو اپنے آپ کو زبردستی کر کے ہٹانا ضروری ہے، چاہے کتنی ہی تکلیف ہو اور اگر وہ ناجائز بات نہیں ہے لیکن وہ مباحات میں ضرورت سے زیادہ انہماک ہے تو اس سے بھی اپنے آپ کو بچانا، یہ پہلا قدم ہوگا گناہ سے بچنے کا۔

ان سب کے لئے توجہ اور فکر چاہئے اور پھر اس کام کی مشق چاہئے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ یا اللہ! میں نے اپنی حد تک ارادہ بھی کر لیا، توجہ بھی کر رہا ہوں اور صبر کی صفت اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے مشق بھی کر رہا ہوں، لیکن یا اللہ! آپ کی توفیق کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ جب تک آپ اس میں توفیق اور برکت عطا نہیں فرمائیں گے تو کچھ نہیں ہوسکتا، یا اللہ! آپ مجھے بھٹکنے اور بہکنے سے بچا لیجئے!

دو چیزیں اپنے پلے سے بندھ لو، ایک اپنی سی کوشش اور دوسری رجوع الی اللہ۔ انشاء اللہ، اللہ تبارک وتعالیٰ فضل فرمائیں گے۔

"وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"

# رمضان کا صبر کا مہینہ (۴)

۲۷/اگست ۲۰۱۲ء بروز ہفتہ
جامعہ دارالعلوم کراچی

# اقتباس

''اس سوچ کا رُخ صحیح اس طرح ہوگا کہ اس سوچ کو مرنے کے بعد کی زندگی کی طرف لے جاؤ۔ جنت و دوزخ کو سوچیں، اگر کسی کی سوچ آخرت کے بارے میں زیادہ ہے بہ نسبت دنیاوی زندگی کے عیش و آرام کے تو وہ شخص قابلِ مبارک باد ہے''۔

# رمضان کا صبر کا مہینہ (۴)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُ أَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ارشاد پڑھا گیا تھا، اس کے بارے میں بات چل رہی تھی، اس کو دوبارہ دُہرا دیتا ہوں، حضرت والا نے فرمایا کہ

"﴿صبر عن الشھوۃ﴾ گو فی نفسہٖ دُشوار ہے، مگر آدمی جب اس کا ارادہ کرتا ہے تو آسانی شروع ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ پھر کبھی دُشواری نہیں رہتی۔ ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ شہوت عورتوں کے تعلق ہی میں منحصر نہیں بلکہ لذیذ غذاؤں کی فکر میں رہنا بھی شہوت ہے، عمدہ لباس کی دُھن میں رہنا بھی شہوت ہے، ہر وقت باتیں بگھارنے کی عادت بھی شہوت ہے، ان سب شہوتوں سے نفس کو روکنا بھی ﴿صبر عن الشھوۃ﴾ میں داخل ہے۔ آج کل لوگوں کو باتیں بنانے کا مرض ہے، بس جہاں کام سے فارغ ہوئے، مجلس آرائی کر کے فضول باتیں کرنے لگے، میں صرف عوام کی شکایت نہیں کرتا، بلکہ میں علماء اور مشائخ کو بھی مجلس آرائی سے منع کرتا ہوں، کیونکہ یہ مرض ان میں بھی بہت ہے"۔

## رمضان المبارک کو "صبر کا مہینہ" قرار دینا معمولی بات نہیں

اسی ملفوظ کی بنیاد پر پچھلے دنوں یہ عرض کرتا رہا ہوں کہ حدیث میں رمضان المبارک کے مہینے کو ﴿شهر الصبر﴾ قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اس مہینے کو صبر کا مہینہ قرار دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے، بلکہ اسکے پیچھے کچھ مقصد ہے، وہ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مہینہ اس حکمت اور مصلحت کے ساتھ مقرر فرمایا ہے کہ اہلِ ایمان اس مہینے میں صبر کی عادت ڈالیں۔ اور بات صرف رمضان تک نہ رہے کہ رمضان تک ساری عبادات ہوتی رہیں اور گناہوں سے بچنے کا کسی درجے اہتمام رہا، اب رمضان گزرا اور شیطان آزاد ہوا تو ہم بھی آزاد ہو گئے، بلکہ حقیقت میں یہ مہینہ صبر کی تعلیم وتربیت کے لئے رکھا گیا ہے۔ کوئی بھی تعلیم وتربیت اس وقت تک فائدہ نہیں دیتی جب تک وہ تعلیم وتربیت لینے والا ارادہ نہ کرلے کہ مجھے فلاں چیز کی تربیت لینی ہے۔ اگر اس کے دل میں تربیت لینے کا ارادہ ہی نہیں ہے اور وہ کبھی اس مقصد سے آیا ہی نہیں کہ میری تربیت ہو تو پھر تربیت کیسے حاصل ہوگی؟ اگر کسی بچے کو کہیں داخل کرو تو بچے کے دل میں بھی نیت ہو کہ میں پڑھنے جا رہا ہوں، اسی طرح اگر کسی فن و ہنر کی تربیت گاہ ہے تو بھی تربیت لینے والے کو دل میں ارادہ کرنا ضروری ہے کہ میں فلاں چیز کی تربیت لینے جا رہا ہوں، اس کے بعد اس کام اور فن کی تربیت لینے کے ذرائع استعمال کرنا ہوں گے، اس ارادہ کے بعد تربیت کارآمد ہوتی ہے، لیکن اگر ارادہ، نیت اور شوق وغیرہ کچھ نہ ہو، کوئی فکر نہ ہو تو پھر کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔

## رمضان المبارک کی تیاری کی فکر

رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہونے والا تھا، اس وقت نبی کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ یہ ﴿شهر الصبر﴾ ہے، شعبان کا آخری دن تھا، اس وقت آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے وہ

خطبہ مروی ہے، اس میں آپ ﷺ نے رمضان المبارک کے فضائل بیان فرمائے کہ:

أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ.

یعنی تمہارے اوپر ایک ایسا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے جو بڑی عظمت اور بڑی برکتوں والا ہے، اس میں ایک رات ایک ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ اسی جگہ رمضان المبارک کو ﴿شهر الصبر﴾ قرار دیا کہ یہ صبر کا مہینہ ہے اور ایک دوسرے کی غمخواری کا مہینہ ہے۔ یہ اس لئے فرمایا تا کہ دلوں میں یہ نیتیں تازہ ہو جائیں اور اس بات کی فکر کی جائے گی کہ اس مہینے کو ہمیں صبر کی تربیت حاصل کرنے کے لئے استعمال کرنا ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو کہ ﴿سبّاق الی الخیرات﴾ تھے، ان کے لئے تو ایک اشارہ بھی کافی ہوتا تھا، لیکن آپ ﷺ نے ان کو پہلے ہی سے بتا دیا کہ یہ صبر کا مہینہ ہے، تا کہ ان کا ذہن پہلے ہی سے تیار ہو جائے۔

بات یہ ہے کہ میری طرف سے اتنا کہہ دینا اور سن لینا کافی نہیں کہ یہ صبر کا مہینہ ہے بلکہ یہ ارادہ اور نیت لے کر بیٹھنا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ صبر کا مہینہ بنایا ہے، اس میں ہمیں صبر کی تربیت لینی ہے اور انشاء اللہ ہم یہ تربیت حاصل کریں گے اور اپنے آپ کو صبر کا عادی بنانے کی کوشش کریں گے۔

اس بات سے گھبرانے کی بھی ضرورت نہیں کہ رمضان کا کافی حصہ گزر چکا، اب کیا تربیت لیں گے، اللہ جل جلالہٗ کا فضل وکرم ہو تو اس کو نہ تین دن کی حاجت ہے اور نہ ایک دن کی حاجت ہے، وہ تو آنِ واحد میں پلٹا دلا سکتے ہیں، اس لئے اس بات کی کوشش کریں کہ جب رمضان کا مہینہ ختم ہو تو ہمارے اندر صبر کی استعداد اور صلاحیت پیدا ہو چکی ہو اور اگر پوری استعداد نہ بھی ہوئی تو کم از کم اس کے قریب پہنچ گئے ہوں۔

## صبر ایک وسیع نعمت ہے

حدیث میں صبر کی نعمت کو سب سے زیادہ وسیع قرار دیا گیا ہے، اس کے بغیر جنت

میں داخلہ ممکن نہیں۔ جنت تو بڑی چیز ہے، اصل یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائے، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے قہر و غضب سے بچ جائے۔

اس صبر کے بغیر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے نہیں بچا جا سکتا۔ یہ اتنا اہم ہے، اس کو حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہئے، ان کو اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ کا فضل ہو جاتا ہے، رفتہ رفتہ یہ صبر کی صفت حاصل ہو جاتی ہے۔

## عظیم قوتِ ارادی اور ہمت سے صبر حاصل ہو سکتا ہے

ایک چیز تو پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اپنے نفس پر زبردستی کرنی پڑتی ہے کہ جس ناجائز چیز یا کام کی خواہش دل میں پیدا ہو تو اس کو کچل کر اور دبا کر اس سے بچا جائے۔

نفسانی خواہشات کا مقابلہ کرنے کی طاقت کہ خواہشات کا جنون سوار ہے، اس حالت میں آدمی بچنا چاہتا ہے، جب تک ہمت، ارادے اور حوصلے میں قوت نہیں ہوگی، اس وقت تک اس خواہش سے اور جنون سے بچنا بھی مشکل ہو جائے گا۔

میں نے آپ سے کہہ دیا اور آپ نے سن لیا کہ اپنے نفس پر زبردستی کرنی ہے، لیکن عملی طور پر جب اس ناجائز یا نامناسب خواہش کا موقع آتا ہے تو دل میں بہت زبردست داعیہ پیدا ہوا کہ وہ دل و دماغ پر چھا جاتا ہے، اب اس چھائے ہوئے تقاضے کو کیسے دفع کیا جائے گا؟ اس کو مضبوط قوتِ ارادی سے ہی رفع کیا جا سکتا ہے، اگر ارادے اور عزم میں قوت نہیں تو جنونی حالت کیسے ختم ہوگی؟

اس کی مثال یوں سمجھو کہ جیسے غصہ آ گیا، یہ بھی ایک جنون کی قسم ہے، جس پر غصہ آ رہا ہے، دل کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا منہ نوچ ڈالوں، اس کو اتنی گالیاں دوں اور اتنا برا بھلا کہوں کہ اس کو اس کی نانی یاد آ جائے۔ نماز، روزے میں جو مسکین لوگ نظر آتے ہیں جب ان کو اپنے چھوٹوں اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ معاملات پیش آتے ہیں، تب ان کی حقیقت کھلتی ہے، اس وقت ان کو خیال آتا ہے کہ نہیں کہ جو کچھ ہم اپنے ماتحتوں کے ساتھ کر رہے

ہیں، ہم اس میں حق بجانب بھی ہیں یا نہیں؟ اور دوسری بہت اہم [illegible] بھی ہے یا نہیں؟ عام طور پر اس کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، اگر پہلوان کا [illegible] تو بس اتنا [illegible] سے [illegible] کر سکے۔

## طاقتور کون؟

اس وقت صبر کا امتحان ہوتا ہے، اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ طاقتور اور پہلوان وہ نہیں ہے جو کشتی کے مقابلے میں دوسرے کو پچھاڑ دے گا۔ پہلوان وہ ہے کہ ﴿الذی یملک نفسہ عند الغضب﴾ جو غصہ آنے کے موقع پر اپنے آپ پر قابو پالے۔ اسی کو قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا:

وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ. (آل عمران:١٣٤)

حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو کوئی گھونٹ اتنا زیادہ محبوب نہیں ہے جو بندہ پیتا ہے، سوائے غصے کے گھونٹ کے۔

بعض جگہ غصہ کرنا شرعاً جائز ہوتا ہے، مثلاً ایک شخص نے تمہارے ساتھ کوئی برا سلوک کیا یا تمہیں تکلیف پہنچائی تو اس برائی اور تکلیف کا اتنا ہی بدلہ لینا جائز ہے۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ. (النحل:١٢٦)

لیکن

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ. (الشوریٰ:٤٣)

لیکن اگر کوئی اس جائز بدلے کو بھی چھوڑ دے اور معاف کر دے تو بڑی ہمت کا کام ہے۔ اس لئے یہ صبر کوئی معمولی چیز نہیں ہے، اس کے لئے مشق کی ضرورت ہے، روزے میں اس کی مشق کروائی جارہی ہے، حدیث میں آتا ہے:

اِنْ جَھِلَ عَلَیْکُمْ جَاھِلٌ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ

اگر روزے کی حالت میں تم سے کوئی لڑنا چاہے تو اس سے صاف کہہ دو کہ میرا روزہ ہے۔ جہالت کے صلہ میں جب علی آجائے تو اس کے معنی "لڑنا" کے آتے ہیں، لڑائی بھی

حقیقت میں جہالت کا کام ہے۔ اہل عرب بھی دور جاہلیت میں یہ بات جانتے تھے کہ لڑائی اصل میں جہالت ہے، لیکن مشکل یہ تھی کہ اس جہالت پر وہ فخر کیا کرتے تھے، حماسہ کا ایک شاعر کہتا ہے۔

الا لا یجهلن احد علینا ☆ فنجهل فوق جهل الجاهلینا

یعنی خبردار! ہمارے ساتھ کوئی بھی جہالت کا معاملہ نہ کرے یعنی لڑائی نہ کرے، اگر کرے گا تو ہم جاہلوں سے بڑھ کر جاہل ہیں۔

روزے کی حالت میں لڑائی سے بچا کر صبر کی ٹریننگ دی جا رہی ہے کہ لڑنے والے کا معقول حد تک جواب دینا تمہارے لئے جائز تھا، جتنی زور سے وہ بولا تھا تم بھی اس سے بول سکتے تھے، جتنی برائی اس نے کی، تمہارے لئے بھی اتنا ہی بدلہ لینا جائز تھا لیکن روزے کی حالت میں وہ نہ کرو اور کہہ دو کہ میرا روزہ ہے۔

مطلب یہ کہ میں تو صبر کی تربیت سے گزر رہا ہوں، میں غصے سے مغلوب تو کیا ہوتا، میں تو جائز غصہ بھی نہیں کر رہا ہوں۔ اس لئے اس نیت کے ساتھ روزے رکھنا ضروری ہے کہ ہم صبر کی صفت اور صبر کی نعمت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

## سوچ کا رُخ صحیح کریں

صبر حاصل کرنے کا پہلا طریقہ اور پہلا سبق یہ ہے کہ یہ جو ہم خواہشات کے غلام بن کر رہ گئے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری سوچ اور فکر صبح سے لے کر شام تک ہماری ان ہی خواہشات کے بھنور میں چکر لگاتی رہتی ہیں۔

ہر انسان ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتا رہتا ہے، اس سوچ پر فی الحال ہماری خواہشات کا غلبہ ہے کہ کیسے اچھی سے اچھی غذا کھالوں، کیسے اچھے سے اچھے لباس پہن لوں، کیسے زیادہ سے زیادہ راحت حاصل کرلوں۔ بس ہر وقت شیخ چلی والے منصوبے بن رہے ہیں، دل میں کوئی شوق پیدا ہوگا تو دنیا ہی کے فائدے کے لئے ہوگا، کوئی فکر پیدا ہوگی تو دنیا ہی کے نفع ونقصان

کے لئے ہوگی۔ اس سوچ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسی قسم کی خواہشات انسان کے اوپر قبضہ جمالیں گی۔

لیکن اگر سوچ کا رُخ بدل جائے کہ ٹھیک ہے دنیا کے سارے فائدے اللہ تعالیٰ نے میرے لئے حلال کئے ہیں، لیکن یہ میری منزل نہیں ہیں، یہ میری زندگی کا مطمح نظر نہیں ہے، کھاتا ہوں لیکن اس لئے کہ میرے نفس کا حق اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت دی ہے کہ میں اچھا کپڑا پہنوں، بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اپنے بندے پر اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں فرمائی ہیں، اس کا نشان اس بندے پر ظاہر ہو۔ لیکن ہر وقت اسی فکر کو اپنے سوچ کا محور بنالینا کہ کیسے اچھے سے اچھا کپڑا پہنوں، یہ سوچ صحیح نہیں ہے۔

اس سوچ کا رُخ صحیح اس طرح ہوگا کہ اس سوچ کو مرنے کے بعد کی زندگی کی طرف لے جاؤ۔ جنت و دوزخ کو سوچیں، اگر کسی کی سوچ آخرت کے بارے میں زیادہ ہے بہ نسبت دنیاوی زندگی کے عیش و آرام کے تو وہ شخص قابلِ مبارک باد ہے۔

## رسول اللہ ﷺ کا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سوچ کا رُخ بدلنا

رسولِ کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سوچ کا رُخ بدل دیا تھا کہ جہاں کہیں یہ خطرہ محسوس ہوا کہ اس عمل کے نتیجے میں ان حضرات کا ذہن اور دھیان دنیا کی طرف چلا جائے گا، سرورِ دو عالم ﷺ نے فوراً اس کا سدِّ باب فرمایا، حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ بہت اعلیٰ درجے کا ریشمی کپڑا آیا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کو دیکھ رہے تھے اور بڑا پسند کر رہے تھے، حضور ﷺ نے بھی منع نہیں فرمایا کیونکہ ایک جائز کام تھا، لیکن جب دیکھ چکے تو فرمایا:

لَمَنَادِيْلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ خَيْرٌ فِي الْجَنَّةِ مِنْ هٰذَا

”سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ (جن کا انتقال ہو چکا تھا) کے جنت کے رومال ان کپڑوں سے کہیں زیادہ بہتر ہیں“

یعنی جب دیکھا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں شوق اور رغبت پیدا ہورہی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ دل دنیا ہی کی طرف چل پڑے تو فوراً ان کی طرف سے سوچ کا رُخ آخرت کی طرف موڑ دیا۔ دنیا حاصل کرنا منع نہیں ہے، دنیا کی محبت کو دل میں جگہ دینا منع ہے۔

ایک مرتبہ ایک جگہ سے نبی کریم ﷺ گزرے تو دیکھا کہ ایک صحابی اپنی جھونپڑی کی کچھ مرمت کررہے تھے، حضور ﷺ نے ان کو منع نہیں فرمایا لیکن ایک جملہ فرمادیا کہ:

اَلْاَمْرُ عَاجِلٌ مِنْ ذٰلِکَ

''معاملہ تو اس سے زیادہ جلدی کا ہے''

بعض اوقات جب اس حدیث کو پڑھتے ہیں تو دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی ایسا عالیشان مکان نہیں تھا کہ اس کو بنانے میں وہ دن رات ایک کررہے ہوں، بلکہ ایک جھونپڑی ہے اور اس کی مرمت کررہے ہیں، اس سے بظاہر یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ مکان بنانا تو بڑی دور کی بات ہوگی، لیکن بات دراصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نہ تو منع کیا اور نہ ہی منع کرنا مقصود تھا، مقصد صرف سوچ کا رُخ کا بدلنا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری سوچ، فکر اور شوق وذوق کا محور یہ مکان یا جھونپڑی ہو کر رہ جائے۔ کیونکہ اگر کسی کے پاس ایک جھونپڑی ہے اور دن رات اسی میں اس کا دل ودماغ اُلجھا ہوا ہے تو وہ جھونپڑی اس کے لئے دنیا ہے۔ اگر کسی کا محل ہے اور وہ اس میں رہتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔ لیکن اس محل کے اندر اس کا دل اَٹکا ہوا نہیں ہے، سوچ اور فکر اس محل میں نہیں بھٹک رہی، بلکہ وہ اپنے کام میں لگا ہوا ہے تو وہ دنیا نہیں ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو محلات عطا ہوئے وہ دنیا میں کسی کو نہیں ملے، لیکن ان کے باوجود فرماتے ہیں:

اِنِّیْ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِکْرِ رَبِّیْ. (ص:۳۲)

یعنی جو کچھ بھی محبت ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی وجہ سے ہے۔ اصل بات سوچ کا رُخ بدلنے کی ہے جیسے حضور ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سوچ کا رُخ بدلا۔

## تمہاری چادر تمہاری دنیا ہے

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ نے ایک بزرگ کا واقعہ مواعظ میں بیان فرمایا ہے، ایک صاحب تھے، انہوں نے کسی بڑے شیخ کی بہت شہرت سنی، وہ ان کے ہاں ان سے مرید ہونے کے لئے گئے، جب پہنچے تو دیکھا کہ ان کا ایک بڑا کاروبار چل رہا ہے، کارخانے چل رہے ہیں، نوکر چاکر کام کر رہے ہیں، شام کو کچھ درس دیدیا، اس نے سوچا کہ رات کو کچھ عبادت بھی کر لیتے ہوں گے، لیکن دن بھر تجارت ہی میں ہیں، تو دل میں خیال آیا کہ یہ کیسے شیخ ہیں، لیکن کہا کہ چلو کچھ روز دیکھتے ہیں، چنانچہ ایک دو روز گزرے، شیخ شام کے وقت چہل قدمی کے لئے جایا کرتے تھے، یہ بھی ساتھ چل پڑے، چلتے چلتے کہا کہ حضرت! آپ کے ساتھ عمرہ یا حج کی سعادت حاصل ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو، شیخ نے کہا کہ اچھا تو چلو! یہ سڑک وہیں جا رہی ہے، اس نے کہا کہ ابھی! تو شیخ نے کہا کہ بس ابھی چل پڑو! اس نے کہا کہ حضرت! جہاں ٹھہرا ہوا ہوں وہاں میری چادر پڑی ہوئی ہے، وہ ذرا لے آؤں، شیخ نے کہا کہ تمہیں اپنی چادر نظر آ گئی لیکن میری تجارت اور نوکر چاکر کا خیال نہ آیا کہ ہم ان کا کچھ انتظام کروا کر آ جائیں۔

گو یہ بتلا دیا کہ یہ سب کارخانہ چل تو رہا ہے لیکن اس میں دل اُٹکا ہوا نہیں ہے تو یہ دنیا نہیں ہے اور تمہارا دل اس چادر میں اُٹکا ہوا ہے وہ چادر تمہاری دنیا ہے۔

## گھر اور باغ دل سے نکل گیا......!!

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ نے دیوبند میں شروع میں بہت مشکل کا وقت گزارا، پندرہ روپے ماہانہ سے کام شروع کیا، اس میں نو (۹) افراد پر مشتمل کنبہ کی کفالت کی، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے بعد میں وسعت عطا فرمائی، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دنیا کے کاموں میں سے اس چیز کا شوق تھا کہ گھر اپنا ہو اور دوسرا کوئی چھوٹا موٹا باغ ہو۔ چنانچہ الحمد للہ! ایک گھر بنایا اور یک باغ لگایا، جب پاکستان کی طرف ہجرت کرنے کا وقت آیا تو

اس وقت اس باغ پر آم کا پہلا پھل آرہا تھا، ہجرت کی وجہ سے وہ پہلا پھل بھی دیکھنے یا کھانے کی نوبت نہیں آئی تھی، لیکن اس کو چھوڑ کر آگئے، لیکن ایک جملہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ایک بات نعمت کی تحدیث کے طور پر کہتا ہوں کہ جس دن میں نے اس گھر سے اور اس باغ سے قدم نکالا، اس دن سے وہ گھر اور وہ باغ میرے دل سے نکل گیا۔

تو پہلا طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنی خواہشات کے بھنور میں پھنسی ہوئی سوچ کا رُخ بدلیں اور آخرت کی فکر اور سوچ کو غالب کریں، جنت وجہنم اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیشی کی سوچ بنائیں۔ کون سے کام جنت کی طرف لے جانے والے ہیں اور کون سے کام جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں، ان کی سوچ پیدا کریں۔

## سوچ کا رُخ بدلنے کے لئے دعا کریں!

اس چیز کے لئے دعا بھی کریں جو کہ حضور ﷺ نے تعلیم بھی فرمائی کہ:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ وَسَاوِسَ قَلْبِیْ خَشْیَتَکَ وَذِکْرَکَ

”اے اللہ! میرے دل کے خیالات کو بدل کر اپنی خشیت اور اپنی یاد کی طرف موڑ دیجئے“

رمضان المبارک کی قبولیت کی گھڑیوں میں یہ دعا بھی کثرت سے کریں کہ یا اللہ! میرے دل کی سوچ کا رُخ بدل دیں کہ میرے دل میں خیالات بھی آپ کی خشیت اور آپ کے خوف کے آئیں اور فرمایا:

وَاجْعَلْ ھِمَّتِیْ وَھَوَایَ فِیْمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی

”اور اے اللہ! میرے خیالات اور میری خواہشات ان چیزوں کی طرف متوجہ فرما دیجئے جو آپ کو پسند ہوں اور آپ کو محبوب ہوں“

اللہ تعالیٰ ہی ہمارے دل ودماغ کے مالک ہیں، ان کے قبضے میں ہمارے خیالات ہیں۔ اسی لئے کثرت سے یہ دعا کریں، اور فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّ قُلُوْبَنَا وَنَوَاصِیْنَا وَجَوَارِحَنَا بِیَدِکَ لَمْ تُمَلِّکْنَا مِنْھَا شَیْئًا فَاِذَا فَعَلْتَ ذٰلِکَ بِنَا فَکُنْ اَنْتَ وَلِیَّنَا وَاھْدِنَا اِلٰی سَوَاءِ السَّبِیْلِ.

''یا اللہ! ہمارے دل آپ کے قبضے میں ہیں، ہماری پیشانیاں آپ کے قبضے میں ہیں، ہمارے سارے اعضاء و جوارح آپ کے قبضے میں ہیں، ان میں سے کسی چیز کا بھی آپ نے ہمیں مالک نہیں بنایا، جب آپ نے ہمارے ساتھ یہ معاملہ فرمایا ہے تو آپ ہی ہمارے کارساز بن جائیے (کہ ہمارے دلوں کا رُخ بھی آپ ہی طے فرمائیے کہ کہاں ہونا چاہئے؟) اور ہمیں سیدھے راستے پر لا کھڑا کیجئے۔

## حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ ''شوقِ وطن'' کا مطالعہ کریں

روزانہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے آخرت کی باتیں کرنا طے کر لیجئے، ہمارے حضرت والا حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ کا رسالہ ہے ''شوقِ وطن'' یعنی ہر مؤمن کا اصل وطن جنت ہے، دنیا میں کسی کا کوئی وطن ہوتا ہے تو اس کو اس کی طرف شوق ہوتا ہے، اس کی یاد آتی ہے، اس کے حالات سنتا رہتا ہے، لیکن ہم اپنے اصلی وطن سے ایسے غافل ہیں کہ ہمیں کبھی خیال بھی نہیں آتا، کبھی اس کی طرف شوق بھی نہیں ہوتا۔ حالانکہ قرآنِ کریم جنت کی نعمتوں سے بھرا ہوا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالہ میں وہ آیات و احادیث جمع فرمائیں ہیں جن کو پڑھ کر آدمی کے دل میں آخرت کا شوق پیدا ہو۔ جب دل میں شوق پیدا ہو جاتا ہے تو یہ خواہشات پر غالب آجاتا ہے اور خواہشات مغلوب ہو جاتی ہیں، جس کے نتیجے میں صبر کی نعمت حاصل ہو جاتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں صبر کی یہ نعمت عطا فرمادے، آمین۔

''وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ''

# رمضان صبر کا مہینہ (۵)

۲۸/اگست ۲۰۱۲ء بروز اتوار
جامعہ دارالعلوم کراچی

# اقتباس

''صبر کی نعمت حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ جو پہلے طریقے کے مقابلے میں نہ صرف آسان ہے بلکہ وہ پہلے طریقے کو بھی آسان بنانے والا ہے، وہ ہے صحبت۔ حقیقت میں فکر کا رُخ اس وقت مڑے گا جب کسی ایسے شخص کی صحبت میں رہو گے یا اس کی صحبت حاصل کرو گے جس کا رُخ اُدھر کو مڑا ہوا ہو''۔

# رمضان صبر کا مہینہ (۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَامُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. اَمَّابَعْدُ!

بات یہ چل رہی تھی کہ یہ رمضان المبارک کا مہینہ صبر کا مہینہ ہے، حدیث میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کو ﴿شهر الصبر﴾ قرار دیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ مہینہ اس کام کے لئے عطا فرمایا ہے کہ ہم صبر کی تربیت حاصل کریں۔

صبر کے معنی ہیں: اپنی خواہشاتِ نفس کو قابو میں کرنا، ان کے بے مہار چھوڑنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے احکامات کے تابع بنا دینا۔ اسی طرح خواہشات میں تمیز کرنا کہ کون سی خواہش ایسی ہے جو پوری کرنی چاہئے اور کون سی خواہش ایسی ہے کہ جس کو پورا نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اس کو دبانا اور کچلنا چاہئے اور اس کے تقاضے پر عمل سے پرہیز کرنا چاہئے۔

## جائز خواہشات بھی ضرورت کے درجے تک پوری کریں

درحقیقت یہ چیز سارے دین کی بنیاد ہے کہ انسان اپنے نفس کو قابو کرے اور اچھی بری خواہشات میں تمیز کر کے صرف ان ہی خواہشات کو بقدرِ ضرورت پورا کرے جن کو اللہ

تبارک وتعالیٰ نے جائز اور مباح قرار دیا ہے، درحقیقت یہی چیز انسان کی عقلمندی کی علامت ہے، حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَہٗ وَعَمِلَ لِمَابَعْدَ الْمَوْتِ

"عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور مرنے کے بعد آنے والی زندگی کے لئے عمل کرے"

یہ دنیاوی خواہشات ویسے بھی عارضی ہیں اور دنیاوی تاریخ میں بھی ایسا کوئی شخص نہیں گزرا کہ جس کی ساری خواہشات پوری ہوگئی ہوں، اگر فرض کرو کہ کسی کی ساری خواہشات پوری ہو بھی گئیں تو جتنی اسکی عمر ہے بس اسی حد تک خواہشات ہیں اور اس کے قبر میں جاتے ہی خواہشات بھی دفن ہوگئیں، جبکہ مرنے کے بعد آنے والی زندگی لامتناہی ہے، دنیاوی خواہشات کے مزے اُڑا کر اگر آخرت میں سزا ہوئی تو یہ کون سی عقلمندی ہوئی؟ یہ تو بیوقوفی ہے جیسے فرض کرو کہ کسی نے چوری کرکے لاکھ، دس لاکھ روپے حاصل کرلئے اور چند دن بڑے مزے اُڑائے کہ اِدھر اُدھر گھوما، ہوائی جہازوں میں سفر کیا، فائیو اسٹار ہوٹلوں میں ٹھہرا، پھر گرفتار ہوگیا، اس پر مقدمہ چلا، شریعت کے قانون کے مطابق ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے، اگر دنیاوی قانون ہیں تب بھی سات آٹھ سال کی جیل ہوگئی، اب اس کو کون عقلمندی کہے گا کہ چند دن کے مزے اُڑائے اور آخر میں جاکر سزا کاٹ رہا ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ عقلمند وہ شخص ہے جو اپنی نفسانی خواہشات کو قابو میں رکھے اور مرنے کے بعد جو اَبدی زندگی آنے والی ہے، جو کہ ہمیشہ رہنے والی ہے، کبھی ختم نہیں ہوگی، اس کے لئے کچھ کام کرے۔

ایک شخص وہ ہے جس کے ہاں تنگی تھی لیکن اس نے قانون کی پابندی کے ساتھ زندگی بسر کی، پھر قانون کی پاسداری کرنے کی وجہ سے بادشاہ نے اس کو لاکھوں، کروڑں روپے انعام دیدیا تو تکلیف اس نے اُٹھائی لیکن وہ عارضی تکلیف تھی، پھر جو انعام ملا تو وہ ساری زندگی کے لئے کافی ہوگیا۔

اس کے بعد فرمایا:

وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ

"اور بیوقوف شخص ہے کہ جس نے اپنے نفس کو اپنی خواہشات کے پیچھے لگا دیا (جو دل میں آرہا ہے وہ کر رہا ہے، حلال وحرام کی فکر نہیں، جائز و ناجائز کی فکر نہیں، مناسب نامناسب کی فکر نہیں، بس اپنی خواہشات کا قیدی بنا ہوا ہے) اور اللہ میاں پر آرزوئیں باندھے بیٹھا ہے"۔

## اللہ تعالیٰ کے غفور ورحیم ہونے کا مطلب

یعنی خواہشات کی مکمل تابعداری کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے آرزوئیں لگائے بیٹھا کہ اللہ تعالیٰ تو بڑے غفور ورحیم ہیں، میرے سب گناہ معاف فرمادیں گے، میرے دل میں جو آئے وہ تو میں کرتا رہوں، کچھ پرواہ نہ کروں کیونکہ اللہ بڑا غفور رحیم ہے۔

اکثر وبیشتر یہ صورت حال ہم لوگوں کے دماغوں میں پیدا ہوتی ہے کہ جب دل میں کسی گناہ کا داعیہ پیدا ہو رہا ہے کہ فلاں گناہ کر گزروں تو بہت سے وہ لوگ ہیں کہ جن کو حلال وحرام کی سرے سے کچھ فکر ہی نہیں۔ اللہ بچائے! یہ تو انتہاء درجے کی غفلت ہے، لیکن جن لوگوں کو کچھ حلال وحرام کی فکر ہے تو ان کو شیطان اور نفس اس طرح بہکاتے ہیں کہ یہ ہیں تو گناہ کے کام لیکن اللہ بڑا غفور رحیم ہے، ابھی تو کر گزرو بعد میں اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لینا۔ اس کو نبی کریم ﷺ نے عاجز اور بیوقوف فرمایا۔

یہ وہی بات ہے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کی کہ جب انہوں نے آپس میں یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کا مشورہ کیا تو ان کے بڑے بھائی نے کہا کہ اس وقت ایسا کر گزرو، اس کے بعد ﴿وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ﴾ (یوسف:۹) اس کے بعد بڑے نیک بن جانا، یعنی توبہ، استغفار کر کے نیک بن جانا۔ گناہ کے داعیہ اور تقاضا کے وقت شیطان اور نفس ہمیں یہی ترکیب سجھاتے ہیں۔

آج کل لوگوں نے یہ وطیرہ اپنار کھا ہے کہ جب کوئی انہیں کسی غلط کام پر سمجھانے بجھانے کی کوشش کرے تو وہ کہتے ہیں کہ میاں! کیا بات کرتے ہو؟ اللہ بخشنے والا ہے، ان مولویوں نے اللہ تعالیٰ کا ڈر ہی دلوں میں بٹھار کھا ہے، ہم تو بس یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے، اللہ تعالیٰ جہاں غفور رحیم ہیں وہیں شدید العقاب بھی ہیں، فرمایا:

نَبِّیْٔ عِبَادِیْ اَنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ O وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ O (الحجر:۵۰)

"میرے بندوں کو یہ بتادو کہ میں واقعی بہت بخشنے والا ہوں، لیکن ساتھ یہ بھی بتادو کہ میرا عذاب بھی بہت دردناک ہے"

ایک پہلو کو لے کر بیٹھ جانا اور دوسرے سے قطع نظر کر لینا یہ بیوقوفی ہے۔

بات یہ ہو رہی تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ مہینہ اس بات کی تربیت کے لئے بنایا ہے کہ آدمی اس مہینے کے ساتھ ساتھ اپنی عام زندگی میں بھی اپنی خواہشات کو قابو میں لائے۔ پھر اس کو حاصل کرنے کا طریقہ عرض کیا تھا کہ سب سے پہلے اپنی سوچ کا رُخ تبدیل کیا جائے، اس وقت سوچ بچار کا سارا رُخ دنیا کی لذتوں اور دنیاوی راحتوں کی طرف ہے، اس کا رُخ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کی طرف کرو اور آخرت کی طرف کرو۔ ساری کائنات کی مشینری ہماری خدمت میں لگائی ہوئی ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا. (البقرة:۲۹)

ان باتوں میں اپنی سوچ کا رُخ پھیرنے کی کوشش کرو۔ اس کے لئے پہلے تو اپنے اختیار سے یہ باتیں سوچنے کی کوشش کرو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (آل عمران:۱۹۱)

## کائنات کو پیدا کرنے کا مقصد

یہ ساری کائنات کیوں پیدا کی گئی؟ ہمارے جسم میں سر سے لے کر پاؤں تک اللہ تعالیٰ نے کیا کیا نعمتیں دی ہوئی ہیں؟ پھر مرنے کے بعد کیا حالات پیش آنے والے ہیں، جنت

کیسی ہوگی اور جہنم کیسی ہوگی؟ اور کیا کام مجھے کرنے چاہئیں اور کیا نہیں کرنے چاہئیں؟

ایک حدیث میں نبی کریم، سرورِ دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

اِعْمَلْ لِدُنْیَاکَ بِقَدْرِ بَقَآئِکَ فِیْهَا وَاعْمَلْ لِاٰخِرَتِکَ بِقَدْرِ بَقَآئِکَ فِیْهَا.

"اپنی دنیا کے لئے اتنا کام کرو جتنا اس دنیا میں رہنا ہے اور آخرت کے لئے اتنا کام کرو جتنا آخرت میں رہنا ہے"

دنیا کی زندگی کے بارے میں کسی کو نہیں پتہ کہ وہ کتنی دیر کی ہے؟ جبکہ آخرت کے بارے میں اس کا لامتناہی ہونا یقینی ہے، اس لئے سوچ کا رُخ بدلنے کی ضرورت ہے۔ یہ بات محض کہنے کی حد تک میں نے کہہ دی اور سننے کی حد تک آپ نے سن لی، لیکن جب اس پر عمل کرنا چاہیں گے تو یہ آسان معلوم نہیں ہوگا، کیونکہ ہمارے دماغ میں خیالات کی ایک رَو ہے جو چل رہی ہے، اگر شروع میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نعمتوں، رحمتوں اور اس سے دعائیں مانگنے کی طرف کچھ دھیان دینا شروع کیا تو کچھ دیر یہ کیفیت رہے گی، اس کے بعد پھر وہی خیالات اور سوچ دماغ میں آجائے گی، جس کے ہم عادی ہیں، لیکن جیسے ہی متنبہ ہو پھر اپنے دھیان کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف لیجاؤ، پھر کچھ دیر چلے، پھر خیالات بھٹک گئے تو پھر واپس آجاؤ، یہ مشق کرتے رہنا ہے، اس کے بعد انشاء اللہ ایک وقت ایسا آجائے گا کہ وہ خیالات غالب ہوں گے اور وہ خیالات مغلوب ہوں گے۔

## صبر حاصل کرنے کے لئے صحبت ضروری ہے

صبر کی نعمت حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ جو پہلے طریقے کے مقابلے میں نہ صرف آسان ہے بلکہ وہ پہلے طریقے کو بھی آسان بنانے والا ہے، وہ ہے صحبت۔ حقیقت میں فکر کا رُخ اس وقت مڑے گا جب کسی ایسے شخص کی صحبت میں رہوگے یا اس کی صحبت حاصل کروگے جس کا رُخ اُدھر کو مڑا ہوا ہو۔ کسی اللہ والے کی صحبت میں جا کر پڑو، اس کی مجلسوں میں جا کر بیٹھو، اس کی باتیں سنو، اس کے طرزِ عمل کو دیکھو، اس کے ذریعے اللہ

تبارک وتعالیٰ خیالات اور فکر میں انشاء اللہ تعالیٰ تبدیلی پیدا فرمائیں گے، اسی لئے فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ٥

(التوبہ: ۱۱۹)

''اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں کے ساتھی بن جاؤ''

ہمارے حضرت نے اس کا ترجمہ یوں بھی کیا ہے کہ'' سچے لوگوں کے ساتھ رہ پڑو''۔ یعنی اپنے فارغ اوقات کو زیادہ سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والوں اور خوفِ خدا رکھنے والوں کی خدمت وصحبت میں گزارا کرو، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ان کے دلوں کی خواہشات اور انکی سوچ تمہاری طرف بھی منتقل ہو جائے گی، انسان جس قسم کی صحبت میں رہتا ہے، اسی قسم کے خیالات اور جذبات اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔

## صحبت کی نعمت

یہ صحبت ایسی نعمت ہے کہ رفتہ رفتہ انسان کو کچھ سے کچھ بنا دیتی ہے، شیخ سعدیؒ نے گلستاں کے شروع میں بڑے خوبصورت شعر لکھے ہیں، جن کا مفہوم یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک محبوب کے ہاتھ سے میرے ہاتھ میں ایک مٹی آگئی جو کہ بڑی خوشبودار تھی، میں نے اس مٹی سے پوچھا کہ تم مشک ہو یا عنبر؟ کہ میں تمہاری دل آویز خوشبو سے مست ہو رہا ہوں، اس نے کہا کہ میں تو وہی ناچیز مٹی ہوں، لیکن ایک عرصے تک میں ایک پھول کے ساتھ پڑی رہی، تو اس ہم نشین کے جمال اور خوشبو نے مجھ پر اثر کر دیا کہ مجھ میں سے بھی خوشبو آنے لگی۔

ان اشعار کا مقصد یہ ہے کہ صحبت ایسی چیز ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تعلق مع اللہ کی جو خوشبو اس کے اندر پیدا فرمائی ہے اور طاعات کی جو خوشبو عطا فرمائی ہے، وہ تمہیں دل میں بھی منتقل ہونے لگے گی، پھر تمہاری خواہشات کا رُخ بھی بدلے گا، پہلے تم دنیا کے لئے منصوبے سوچا کرتے تھے اور اب آخرت کے لئے منصوبے بناؤ گے کہ آخرت میں میرے لئے کون سی چیز فائدہ مند ہوگی؟

میرے ایک دوست نے ایک مرتبہ بڑا اچھا جملہ کہا جو مجھے بہت پسند بھی آیا اور اس نے دل میں عبرت بھی پیدا کی، کہنے لگے کہ لوگ آج کل اس فکر میں ہوتے ہیں کہ میرے مرنے کے بعد میری اولاد کا کیا ہوگا؟ لیکن یہ فکر نہیں ہوتی کہ خود اولاد کے مرنے کے بعد اولاد کا کیا ہوگا؟ ٹھیک ہے کہ اپنے بیوی بچوں کو اس طرح چھوڑ کر جانے کہ وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائیں لیکن اس بات کی فکر زیادہ ہونی چاہئے کہ اولاد کے مرنے کے بعد ان کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیشی ہوگی تو اس وقت یہ کیا کریں گے؟ اس بات کی فکر زیادہ ہونی چاہئے، اس کے لئے ان کی صحیح تربیت کی جائے اور ان کو دین کے راستے پر لگایا جائے، ان میں حلال وحرام کی فکر پیدا کی جائے اور جائز و ناجائز کی فکر پیدا کی جائے۔

کفر و فسق میں ڈوبے لوگوں کو جب حضور ﷺ کی صحبت ملی تو صحبت کی برکت سے وہ صحابی رضی اللہ عنہ بن گئے، دین اسی طرح پھیلا ہے کہ ؎

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

جب آدمی کسی کی صحبت میں بیٹھتا ہے اور آتا جاتا ہے تو اس کی خوشبو اس کے اندر بھی منتقل ہو جاتی ہے۔

جس آدمی کو اس کا موقع نہ ملے یا کم ملے۔ ہمارے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ اس طرح کے لوگوں اور خاص طور پر خواتین کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ایسے لوگ ان بزرگوں کے حالات، ملفوظات اور واقعات کا مطالعہ کریں۔

میں ہر وقت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا حوالہ دیتا رہتا ہوں تو لوگ سمجھتے ہوں گے کہ شخصیت پرستی کی وجہ سے ایسا کرتا ہے یا کچھ زیادہ ہی عقیدت ہوگئی ہے، حقیقت یہ ہے کہ الحمد للہ! کوئی شخصیت پرستی نہیں، کوئی مبالغہ نہیں، لیکن خود اپنی سمجھ اور اپنے تجربے کی حد تک بات یہ ہے کہ اس آخری دور میں اصلاحِ نفس کا جیسا کام اللہ تعالیٰ نے

حضرت والا سے لیا ہے اور ان کے مواعظ و ملفوظات ہم جیسے لوگوں کے لئے جس طرح اصلاح میں مفید ہیں، اتنا اور کہیں نظر نہیں آتا، اس لئے میں ان کا حوالہ زیادہ دیتا ہوں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے شروع کریں، کیونکہ وہ ہمارے لئے اُسوہ ہیں، اس کے بعد نیچے کے بزرگوں کے حالات پڑھیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات سن کر اور پڑھ کر بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ تو بہت دور کی بات ہے، اب نہ وہ قوی ہیں اور نہ وہ حالات ہیں، قریبی زمانے کے بزرگوں کے حالات پڑھنے سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ خیال نہیں آتا کہ یہ کوئی بہت پرانے زمانے کے لوگ تھے، بلکہ یہی خیال آتا ہے کہ جس طرح کے حالات سے ہمیں سابقہ پڑتا ہے اسی طرح کے حالات ان کو بھی درپیش تھے، اس کے باوجود انہوں نے یہ کام کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، انشاء اللہ تعالیٰ ان دونوں طریقوں پر عمل کرنے کے بعد سوچ کا رُخ بدل جائے گا، جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی خواہشات کو قابو رکھنے کا حکم فرمایا ہے تو اسی پروردگار نے یہ بھی فرمایا کہ:

لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّاوُسْعَھَا. (البقرة:۲۸۶)

مایوسی اور پریشانی کی کوئی ضرورت نہیں، بس اتنا ارادہ کرلو کہ اپنی خواہشات کے رُخ کو تبدیل کریں گے اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں کہ:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ وَسَاوِسَ قَلْبِیْ خَشْیَتَکَ وَذِکْرَکَ وَاجْعَلْ ھِمَّتِیْ وَھَوَایَ فِیْمَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی.

"کہ اے اللہ! میرے دل کے وسوسوں کو اپنی خشیت اور اپنے ذکر میں تبدیل کرے اور میرے ارادے اور میری خواہشات ان چیزوں کی طرف موڑ دیجئے جو آپ کی رضا کے مطابق ہیں"

اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

"وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"

❁❁❁

# رمضان صبر کا مہینہ (۶)

۲۹ ر اگست ۲۰۱۲ء بروز پیر
جامعہ دار العلوم کراچی

# اقتباس

''اللہ تعالیٰ نے خواہشات پر مکمل پابندی نہیں لگائی، لیکن یہ فرمادیا کہ چند چیزیں ایسی ہیں جن کی طرف تمہارا دل مائل ہوگا، بس ان سے اپنے آپ کو بچالینا، اس کا نام ''صبر'' ہے، اسی کا نام ''تقویٰ'' ہے۔ اور اس کا اُلٹ ہے ''اتباعِ ہویٰ'' یعنی خواہشاتِ نفس کے پیچھے چل پڑنا''۔

# رمضان صبر کا مہینہ (٦)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّابَعْدُ!

## اللہ تعالیٰ نے جائز خواہشات سے منع نہیں فرمایا

رمضان المبارک ﴿شہر الصبر﴾ ہونے کے حوالے سے گذشتہ کئی روز سے حضرت والا حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ کے ایک ملفوظ کی تشریح کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ اسے صحیح طور پر سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، حاصل اس کا یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات پر قابو پائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات کا مکلف نہیں بنایا کہ تم اپنی ہر خواہش کو دبادو، بھوک لگ رہی ہے تو کھانا نہ کھاؤ، پیاس لگ رہی ہے تو پانی نہ پیو، جنسی خواہش ہے تو جائز طریقے سے بھی پوری نہ کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَایُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ. (البقرۃ:۱۸۵)

''اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتے ہیں مشکل کرنا نہیں چاہتے''

وَمَاجَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ. (الحج:۷۸)

''اللہ نے تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی''

لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّاوُسْعَھَا. (البقرۃ:۲۶۸)

''اللہ تعالیٰ کسی نفس کو ایسی بات کا مکلف نہیں فرماتے جو اس کی وسعت سے باہر ہو''

اللہ تعالیٰ نے خواہشات پر مکمل پابندی نہیں لگائی، لیکن یہ فرمادیا کہ چند چیزیں ایسی ہیں جن کی طرف تمہارا دل مائل ہوگا، بس ان سے اپنے آپ کو بچالینا، اس کا نام ''صبر'' ہے، اسی کا نام ''تقویٰ'' ہے۔ اور اسکا اُلٹ ہے ''اتباعِ ہویٰ'' یعنی خواہشات نفس کے پیچھے چل پڑنا، حلال وحرام، جائز وناجائز اور مناسب ونامناسب دیکھے بغیر جو کچھ دل میں آرہا ہے آدمی وہ کرتا جارہا ہے، سارا قرآنِ کریم اتباعِ ہویٰ کی مذمت سے بھرا ہوا ہے، فرمایا:

وَلَاتَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ. (ص:۲۶)

''تم خواہشاتِ نفس کے پیچھے مت چلنا کہ وہ تم کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی''

اور ایک جگہ فرمایا:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰیO فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰیO (النّٰزعٰت:۴۰-۴۱)

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہا السلام کے بارے میں فرمایا کہ:

وَکُلَا مِنْھَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَاتَقْرَبَا ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ. (البقرۃ:۳۵)

یعنی جنت میں سے جہاں سے چاہو، جو چاہو تم کھاؤ اور پیو، لیکن اس درخت کے قریب مت جانا۔ تو جائز خواہشات کی چھوٹ بھی دیدی اور کچھ چیزوں کی ممانعت بھی کردی۔ شیطان نے آکر بہکا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائی دور میں یہ پابندی لگائی تھی، اس وقت تمہارا معدہ اس کے قابل نہیں تھا، اس لئے تمہیں روک دیا گیا تھا، اب تم جوان ہو، جنت کی نعمتوں سے سرفراز کئے جاچکے ہو، اب تمہاری قویٰ بھی متحمل ہیں، اس کو کھالو، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ کبھی بھی تم جنت سے نکلو گے نہیں۔

چنانچہ آدم علیہ السلام کے دل میں اس کو کھانے کی خواہش پیدا ہوئی اور پھر کھا بھی لیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین پر بھیج دیا اور تمام انسانوں کے لئے پیغام دے دیا کہ اب تم دنیا میں رہو تو یہ تمیز کر کے رہو کہ کون سی خواہش جائز ہے اور کون سی خواہش ناجائز ہے؟ سارا دین اسی میں سمٹا ہوا ہے، فرمایا:

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَ هُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ.

(المؤمنون:۷۱)

''اگر حق ان کی خواہشات کے پیچھے چل پڑے تو آسمان و زمین میں فساد پھیل جائے''

## نصوص کے مقابلے میں عقل استعمال کرنا بھی ''اتباعِ ہویٰ'' ہے

قرآنِ کریم میں جہاں بھی لفظ ﴿هــــوىٰ﴾ استعمال ہوا، وہ جہاں نفس کی ناجائز خواہشات پر دلالت کرتا ہے، وہیں اس کے معنی یہ بھی ہوتے ہیں کہ یہ جو لوگ آج کل اپنی عقلِ مجرد کے پیچھے وحی کی راہنمائی کے بغیر چلتے ہیں، آج کل بہت سے روشن خیال کہلانے والے اور ہر چیز کی Logic تلاش کرنیوالے جب نصوص کے مقابلے میں عقل چلاتے ہیں تو یہ طرزِ عمل بھی درحقیقت ﴿هــوىٰ﴾ ہے، عقل تو وہ ہے جو شریعت کے تابع ہو۔ اس لئے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ پیغمبر کو بھیجتے ہیں تو جہاں وہ کتاب کی تعلیم دیتا ہے وہیں حکمت کی تعلیم بھی دیتا ہے، اگر حکمت عقل سے سمجھ میں آسکتی تو پیغمبر کو سکھانے اور تعلیم دینے کی کیا ضرورت تھی؟ معلوم ہوا کہ حکمت اور عقل کی بات وہ ہے جو اللہ اور اس کا رسول بتائے۔ اگر تم نے اپنی عقل کے گھوڑے کو بے لگام چھوڑ دیا کہ یہ چیز ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، اسکی کوئی Logic ہی نہیں ہے، سود اور میوزک کو حرام قرار دینے کا کوئی Reason سمجھ میں نہیں آتا، یہ طرزِ عمل انسان کو گمراہی کے ایسے راستے پر ڈال دیتا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔

## عقل پرست اہلِ مغرب کا حال

اہلِ مغرب کو یہ Logic اس بات کی طرف لے گئی کہ اگر کوئی مرد وعورت اپنی رضامندی سے ایک دوسرے سے لذت حاصل کریں تو اس میں کیا حرج ہے؟ یہ دروازہ چوپٹ کھلا تو اب ہم جنس پرستی تک پہنچ گئے، پہلے تو اگر کوئی یہ خبیث جرم کرتا بھی تو چھپ کر اور دوسروں سے شرمندہ ہوکر کرتا تھا، اب تو ڈنکے کی چوٹ پر اور جلوس نکال کر، انجمنیں بنا کر، مطالبے کرکے، پالیمنٹ میں اسکے حق میں بل پاس کروا کر یہ گناہ کیا جارہا ہے۔ اسی کو قرآنِ کریم میں فرمایا کہ:

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ.

(المومنون:۷۱)

"اگر حق ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے چل پڑے تو زمین وآسمان میں فساد برپا ہوجائے"

یہ درحقیقت گندی اور ذلیل خواہشات ہیں جس کو انہوں نے دھوکے سے عقل سمجھ لیا ہے۔ اس لئے اگر سارے دین کا خلاصہ نکالنا چاہو تو وہ یہی ہے کہ خواہشات قابو میں آجائیں، شریعت کے تابع بن جائیں۔

ان خواہشات کو دبانے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی سوچ کا رُخ بدلیں اور دوسرے یہ کہ کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کریں۔ بعض لوگوں کو پرواہ ہی نہیں ہے، بس جو جی میں آرہا ہے وہ کررہے ہیں، جب ہم کسی اللہ والے کے پاس عقیدت اور محبت کے ساتھ یہ سوچ کر جاتے ہیں کہ ان کی فکر اور سوچ اور عمل کی نقل اُتارنے کی ہم اپنی زندگی میں کوشش کریں گے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ واقعۃً سوچ کی سمت بدلنی شروع ہوجاتی ہے، جس اللہ والے کے پاس ہم گئے ہیں وہ اپنی باتوں، اپنی اداؤں، اپنے انداز سے اور کبھی ڈانٹ ڈپٹ سے وہ ہماری سوچ کا رُخ تبدیل کرتا ہے۔

## زمانہ جاہلیت میں اہلِ عرب کی تمام برائیوں کی جڑ

زمانہ جاہلیت میں جتنی خرابیاں پائی جاتی تھیں، ان سب کا خلاصہ بھی یہی تھا کہ سب لوگ اپنی خواہش کے پیچھے چل رہے تھے، دل چاہا تو شراب پی لی، دل چاہا تو زنا کرلیا، دل چاہا تو کسی کو قتل کردیا، کوئی پوچھنے والا نہیں۔ حضورِ اقدس، نبی کریم ﷺ تشریف لائے، حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے، اس صحبت کی برکت سے ان کی خواہشات اس طرح قابو میں آئیں کہ اس سے ایک انقلاب پیدا ہوگیا، کئی سال کی مدت میں پورے جزیرۂ عرب پر جو حیرت انگیز تبدیلی رونما ہوئی، اسکو دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ جہاں پر فحاشی کا ایسا بازار گرم تھا...... جس کی ایک جھلک امرؤالقیس کا قصیدہ ہے جو کعبہ میں لٹکا ہوا تھا، اس کو فحاشی کا شاہکار ہی کہا جاسکتا ہے......

## حضرت مرثد ابن ابی مرثد رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت مرثد ابن ابی مرثد رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، اسلام لانے سے پہلے ان کے ایک عورت سے ناجائز تعلقات تھے جس کا نام "عناق" تھا، جاہلیت کے اس دور میں زناکاری، بدکاری کوئی بڑی بات نہیں سمجھی جاتی تھی، اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کی توفیق دیدی، حضورِ اقدس ﷺ کی صحبت عطا فرمائی، ایک دن کہیں جارہے تھے کہ وہ عورت مل گئی......

عورت سے تعلقات کا فتنہ سب سے بڑا فتنہ ہے، رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا:

مَاتَرَكْتُ بَعْدِيْ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَآءِ

"اپنے بعد میں نے مردوں کے لئے کوئی فتنہ عورتوں سے زیادہ نقصان دہ نہیں چھوڑا"

یعنی مرد کی عورت کی طرف طبیعت جو مائل ہوتی ہے اور اس میں خواہش پیدا ہوتی

ہے، مردوں کے لئے اس سے زیادہ خطرناک فتنہ میں نہیں چھوڑا۔ اس سے بچنا بہت مشکل اور صبر آزما کام ہے......

اندازہ لگائیے کہ ایک عورت سے مدتوں کے محبت وعشق کے تعلقات ہیں، وہ آکر حسب معمول گناہ کی دعوت دیتی ہے، مگر مرثد رضی اللہ عنہ اب مسلمان بھی ہو چکے اور سرکار دوعالم جناب رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیضیاب بھی ہو چکے، وہ جواب میں کہتے ہیں کہ اے عناق! اب میں مسلمان ہو چکا ہوں، اب مجھ سے اس قسم کے تعلقات کی توقع مت رکھنا! عناق کہتی ہے کہ تمہیں کیا ہوگیا؟ تم وہی مرثد ہو، لیکن حضرت مرثد رضی اللہ عنہ نے صاف طور پر انکار فرمادیا، آخرکار عناق نے کہا کہ میں تو تمہارے بغیر زندگی نہیں گزار سکتی، اس لئے اگر تم مجھ سے ویسے تعلقات نہیں رکھ سکتے تو مجھ سے نکاح کرلو، حضرت مرثد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! یہ ہوسکتا ہے، لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ ابھی تک تم مسلمان نہیں ہو، کیا اس حالت میں میرا تمہارے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ میں حضورِ اقدس ﷺ کے پاس جاؤں گا، آپ سے پوچھوں گا، اگر آپ نے اجازت دیدی تو پھر نکاح کرلوں گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے دل میں خواہش موجود تھی، اگر خواہش ہی نہ ہوتی تو نکاح کی پیشکش کو قبول ہی نہ فرماتے، بلکہ دل میں خواہش تھی، پرانے تعلقات کی یادیں بھی ہیں، اسکی وجہ سے دل مائل بھی ہے، لیکن پھر بھی اس خواہش کو دبایا اور کہا کہ حضور ﷺ سے پوچھ کر بتاؤں گا، چنانچہ یہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! اس طرح قصہ ہے، میں اب کیا کروں؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس بارے میں ابھی کوئی صریح حکم نہیں آیا، وحی کا انتظار کرنا پڑے گا، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آیت لے کر نازل ہوئے کہ:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ. (البقرۃ:۲۲۱)

''یعنی مشرک اور بت پرست عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ اور ایک مسلمان باندی بہت بہتر ہے کسی مشرک بت پرست عورت کے مقابلے میں چاہے وہ مشرک عورت تمہیں کتنی ہی پسند آرہی ہو''

اس خواہش کے پورا ہونے کا جو ایک امکان پیدا ہوا تھا وہ بھی ختم ہو گیا، ادھر آیت نازل ہوئی اور اُدھر مرثد رضی اللہ عنہ اور عناق کے درمیان دیوار حائل ہو گئی، پھر دونوں کے درمیان کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔

تو عرض یہ کر رہا تھا کہ صحبت کے نتیجے میں سوچ کا رُخ اس طرح بدلتا ہے کہ پہلے تو خواہشات کے پیچھے بگٹٹ دوڑے جا رہے تھے، اور اب سوچ کا زاویہ ہی کچھ اور ہے، وہی متکبر لوگ جو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے تھے، کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتے تھے، وہ ایسے پست ہوئے کہ تواضع کی حد ہوگئی۔

## حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ قبیلۂ دوس کے فرد تھے، روایت میں آتا ہے کہ ایک دن ناک میں ریزش آگئی تو ہاتھ میں ایک کتان (سوت) کا کپڑا تھا، اس سے ناک صاف کرلیا، لوگوں کی مجلس بیٹھی ہے، فرماتے ہیں:

بخ بخ یا اباھریرۃ

واہ واہ ابوہریرہ! اب تم یہاں تک پہنچ گئے کہ اب تم اس کتان کے کپڑے سے ناک صاف کر رہے ہو، ذرا وہ وقت یاد کرو جب تم مسجد نبوی کے دروازے پر لیٹے ہوئے ہوتے تھے، بھوک کے عالم میں تمہارے اوپر دورہ پڑا ہوا ہوتا تھا اور لوگ تمہاری گردن پہ پاؤں رکھ رکھ کر جاتے تھے کہ اس کو مرگی کا دورہ پڑا ہے، حالانکہ مرگی نہیں تھی بلکہ بھوک کی وجہ سے اس طرح بیہوش ہو جاتے تھے۔

کتان کے کپڑے سے ناک صاف کرتے وقت اپنا پرانا وقت یاد کر رہے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو اس حالت میں میرے اندر تکبر پیدا ہو جائے۔

## حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جن کا جلال مشہور تھا، ان کی شوکت وہیبت لوگوں کے دلوں پر طاری تھی، انہیں جب حضور ﷺ کی صحبت ملی تو انہوں نے اپنے آپ کو ایسا مٹایا کہ ایک بڑھیا کھڑے ہو کر کہہ رہی ہے کہ اے خطاب کے بیٹے! تمہاری بات مانیں یا قرآن کی بات مانیں؟ اندازہ لگایئے کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ امیر المومنین ہیں، خلیفۂ ثانی ہیں، عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، آدھی دنیا سے زیادہ پر ان کی حکومت ہے، ان کے سامنے بڑھیا یہ الفاظ کہہ رہی ہے، پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ آپ نے کہا تھا کہ عورتوں کے زیادہ مہر نہ باندھا کرو، آئندہ اگر کوئی زیادہ مہر باندھے گا تو میں ضبط کرلوں گا، جبکہ قرآنِ کریم نے مہر کو قنطار (ڈھیر) سے تعبیر کیا ہے تو آپ کون ہیں جو زیادہ مہر سے روک رہے ہیں؟

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دل میں نہ تو یہ خیال آیا کہ اس بڑھیا نے میری توہین کردی، میرے علم کو چیلنج کردیا، بلکہ فرمایا کہ ہائے! بوڑھی عورتیں بھی خطاب کے بیٹے سے زیادہ عالم اور فقیہ ہیں، یہ بڑھیا ٹھیک کہتی ہے۔

اندازہ لگایئے، وہ ابنِ خطاب رضی اللہ عنہ جس کا نام سن کر لوگ لرزتے تھے، جب غصہ قابو میں آیا تو ایسا آیا کہ اپنے آپ کو مٹا کر رکھ دیا۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ جارہے ہیں، ایک پہاڑ کے نیچے سے گزرتے ہیں، وہاں جا کر رُکتے ہیں، خود اپنے نفس سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

**قف یا ابن الخطاب**

اے خطاب کے بیٹے! ذرا ٹھہر! یہ وہ پہاڑ ہے جس کے نیچے تو اونٹ چرایا کرتا تھا اور تیرے پاؤں گھٹنوں تک اونٹ کے پیشاب میں لت پت ہوا کرتے تھے اور آج تو آدھی

سے زیادہ دنیا کا حکمران بنا ہوا ہے۔ یہ انقلاب نبی کریم، سرورِ دوعالم ﷺ کی چند دنوں کی صحبت کا صدقہ ہے۔

اس لئے ہمارے بزرگ یہی کہتے چلے آئے ہیں کہ حقیقت میں اپنے آپ پر کنٹرول کرنے کا طریقہ ہے کہ ٹھیک ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کی صحبت کو کون پا سکتا ہے؟ لیکن دین اللہ تعالیٰ نے ہم جیسے لوگوں کے لئے بھی رکھا ہے، ہم جیسوں کے لئے ہم جیسوں کی صحبت درکار ہے، ہمارے اندر وہ ظرف نہیں تھا کہ ہم سرکارِ دوعالم ﷺ کی صحبت کے حق کا کوئی پاسنگ بھی ادا کر پاتے، بعض اوقات بیوقوفی اور حماقت کا خیال آنے لگتا ہے کہ کاش! ہم حضور ﷺ کے زمانے میں ہوتے! پتہ نہیں ہم اس وقت کس صف و قطار میں ہوتے؟ وہ تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ظرف تھا کہ انہوں نے نہ صرف حضور ﷺ کی صحبت کا فیض اُٹھایا بلکہ اس کے لئے قربانیاں بھی دیں۔

ہمارے لئے موجودہ دور کے اللہ والوں کی صحبت سے بھی سوچ کا رُخ بدلتا ہے اور خیالات کی رُو میں انقلاب آتا ہے، یہ محض قصہ کہانی اور دلاسہ نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے۔

## ذاتی تجربے کی بات

میں آپ کو اپنے ذاتی تجربے کی بات بتاتا ہوں، الحمدللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے دارالعلوم میں پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امتحانات میں اچھی کامیابی حاصل ہوتی رہی، اساتذہ ممتاز طلبہ میں شمار کرتے رہے، فارغ ہونے کے بعد پڑھانا شروع کردیا۔ الحمدللہ! تدریس کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے کامیاب فرمایا، طلبہ فائدہ محسوس کرتے تھے اور خوش رہتے تھے، کتابوں کے مطالعہ کا بہت شوق تھا، اس وقت تک مختلف اعمال کے جو فضائل ہوتے ہیں، ان کے بارے میں احادیث کو یاد رکھنے یا ان کی طرف التفات کی فکر ہی نہیں ہوتی تھی، اگر ہوئی تو بس اتنی کہ الحمدللہ! ایک اچھی حدیث علم میں آگئی، کہیں وعظ کہیں گے تو اس میں لوگوں کو سنائیں گے تو وعظ میں جان پڑجائے گی،

لیکن یہ بات کہ یہ چیز خود میرے عمل کرنے سے بھی متعلق ہے، اس کی طرف دھیان شاذ و نادر ہی جاتا تھا، اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں پیدا ہونے کی برکت سے کچھ چیزیں تو گھٹی میں پڑی ہوئی تھیں، وہ ایک گھر کا سلسلہ چلا آرہا تھا تو ہم بھی اس میں شامل ہوگئے، لیکن اپنے اختیار سے کوئی چیز معلوم ہوئی کہ اس کا یہ ثواب ہے چلو کر لیتا ہوں، تو اس طرف کوئی خاص التفات نہیں تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں حاضری کی توفیق عطا فرمادی، وہاں پر وہی احادیث، وہی بشارتیں، وہی فضائل سننے کو ملے، لیکن پہلے جب خود پڑھا کرتے تھے تو دماغ میں آکر گزر جاتے تھے، شوق پیدا نہیں ہوتا تھا، لیکن اس صحبت کی برکت سے کچھ شوق پیدا ہونے لگا کہ یہ فضائل تو ہمارے لئے بھی ہیں، یہ عجیب بات ہے کہ ہم دوسروں کو سنائیں اور خود اس سے محروم رہیں۔ چنانچہ اب شوق پیدا ہوا تو کبھی نہ کبھی ان شاء اللہ تعالیٰ عمل کی بھی توفیق ہوگی۔ صحبت کی وجہ سے جو بے رغبتی سی تھی وہ شوق میں بدل گئی۔

## حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ایک مرتبہ ہم حضرت والا، حضرت عارفی قدس اللہ سرہٗ کے ساتھ ایک دعوت میں تھے، کھانا سامنے آیا تو ہم نے بسم اللہ کی اور کھانا شروع کردیا، حضرت نے فرمایا کہ کھاؤ تو ضرور، لیکن ذرا توجہ کرو کہ اس ایک کھانے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتنی نعمتیں جمع ہیں؟ کتنے لوگ ہیں جن کو کھانا بھی میسر نہیں آتا، ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے کھانا عطا فرمایا تو اس پر شکر ادا کرو ﴿اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ﴾

پھر کھانا مزیدار بھی ہے، بعض دفعہ بھوک ہوتی ہے لیکن کھانا مزیدار نہیں لگتا، بس بھوک کے مارے کھالیتے ہیں، تو کھانے کا مزیدار ہونا دوسری نعمت ہے تو کہو ﴿اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ﴾

لذیذ کھانا موجود ہے، اللہ تعالی نے بھوک بھی عطا کی، اگر بھوک نہ ہوتی کھانے کی طرف رغبت ہی نہ ہوتی، یہ بھی اللہ کی نعمت ہے، کہو ﴿اللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ﴾

پھر کھانا لذیذ بھی موجود ہے، بھوک بھی ہے لیکن کوئی بیماری ایسی ہے کہ ڈاکٹر نے اس کھانے سے منع کر رکھا ہے،

.....حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں فرمایا کہ میں نے ایک نواب کو دیکھا کہ ساری دنیا کی نعمتیں اس کے گھر میں جمع ہیں، لیکن بیماری ایسی تھی کہ طبیب نے کہہ رکھا تھا کہ اور کچھ نہیں کھا سکتے سوائے اس کے کہ آدھا پاؤ گوشت کا قیمہ لے کر اس کو ململ کے کپڑے میں رکھیں اور پھر اسکا جوس نکلے تو اس کو پی لو......

تو اگر کوئی بیماری ایسی ہوتی کہ اس میں پرہیز ہوتا تو یہ کھانا اچھا، لذیذ ہونے کے باوجود اور بھوک ہونے کے باوجود نہیں کھا سکتے، یہ بھی اللہ کی نعمت ہے، کہو ﴿اللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ﴾

پھر کھانا اچھا اور لذیذ، بھوک بھی ہے اور کوئی پرہیز بھی نہیں، لیکن اچانک کوئی خبر ایسی سنی کہ دماغ اسی کی فکر میں لگ گیا، اب یا تو کھانا چھوڑ کر جلدی سے جائیں گے یا جلدی جلدی کھا کر جائیں گے، دونوں صورتوں میں کھانے کا مزہ نہ رہا، تو اللہ تعالی نے اطمینان کی حالت عطا فرمائی، یہ بھی اللہ تعالی کی نعمت ہے، اس پر کہو ﴿اللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ﴾

اب کھانا بھی اچھا ہے، بھوک بھی ہے، پرہیز بھی نہیں، حالت اطمینان بھی ہے، لیکن کھلانے والا ذلیل کر کے کھلا رہا ہے، احسان جتلا کر کھلا رہا ہے، اب بتائیے ایسا کھانے میں کیا مزہ رہ گیا؟ اب کھانا کھلانے والا محبت سے کھلا رہا ہے، عزت سے کھلا رہا ہے، یہ بھی اللہ تعالی کی نعمت ہے، اس پر بھی کہو ﴿اللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ﴾

غور کرو کہ اس ایک کھانے میں اللہ تعالی نے کتنی نعمتیں جمع کر رکھی ہیں، اب یہ کھانا کھاؤ، اس کی لذت لو اور ہر ایک نعمت کی الگ الگ لذت لو۔ جب تک حضرت والا رحمۃ

اللہ علیہ نے اس طرف متوجہ نہیں کیا تھا، اس وقت تو صرف بسم اللہ پڑھ کر کھا پی کر ہاتھ دھو کر چلے آتے، لیکن صحبت کی وجہ سے فکر کا زاویہ بدل گیا۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے سخت گرمی میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں کہہ دیا کہ بڑی سخت گرمی پڑ رہی ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واقعی گرمی تو ہو رہی ہے، لیکن یہ سوچو کہ اس گرمی سے کیا کیا فائدے مل رہے ہیں؟ فاسد جراثیم مر رہے ہیں، جسم کی فاسد رطوبتیں خشک ہو رہی ہیں، غرض گرمی کے بہت سے مثبت پہلو کی طرف ذہن کو متوجہ کروا دیا۔

میری ایک عزیزہ کے دانتوں میں تکلیف تھی، اسکی وجہ سے کبھی ایک دانت نکل جاتا تو کبھی دوسرا۔ ایک دن وہ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگیں کہ اباجی! دانت بھی عجیب چیز ہیں کہ یہ آتے وقت بھی تکلیف دیتے ہیں اور جاتے وقت بھی تکلیف دیتے ہیں، یعنی بچے کے دانت نکلتے ہیں تو اس وقت اس کو مختلف بیماریاں لاحق ہوتی ہیں، کبھی دست لگ گئے، کبھی بخار آ گیا، اسی طرح جب دانت بڑی عمر میں جا کر ٹوٹنے لگتے ہیں تو بھی کبھی مسوڑہ پھول گیا، کبھی وَرم آ گیا، کبھی کوئی تکلیف تو کبھی کوئی تکلیف۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ کی بندی تمہیں ان دانتوں کی یہی دو تکلیفیں یاد رہیں کہ انہوں نے آتے ہوئے بھی تکلیف دی اور جاتے ہوئے بھی تکلیف دی اور جو چالیس پچاس سال تم نے اس چکی کو استعمال کر کے جو لذتیں حاصل کیں، وہ سب بھول گئیں؟

یہ ہے سوچ کا رُخ تبدیل کرنا۔ ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے میرے بڑے بھائی مولانا محمود اشرف صاحب کے والد کے انتقال کے وقت جب اپنے پوتے پوتیوں کو خط لکھا تو......جن حالات میں ان کا انتقال ہوا، اس کا تصور کرنا بھی آسان نہیں،......اس وقت حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ اصل میں ہمیں جو پریشانی اور تکلیف ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم واقعات کو اُلٹا پڑھتے ہیں، یعنی ان کے منفی پہلوؤں کی طرف دھیان جاتا ہے، اگر ان کو سیدھا پڑھیں یعنی اس کے جو مثبت پہلو ہیں وہ سامنے لائیں تو

اللہ تبارک وتعالیٰ کے شکر کے سوا کوئی بات دل میں نہیں آئے گی۔ یہ سوچ اللہ والوں کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔

## لوگوں کے ساتھ بھلائی کرتے وقت بدلے کی نیت نہ رکھو

لوگوں کو آج کل شکایتیں ہوتی ہیں، لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں، حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ جب کسی انسان کے ساتھ کسی بھلائی کا کام کرو تو وہ اللہ کے لئے کرو، بدلے کیلئے نہ کرو:

لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا. (الدہر:۹)

جب یہ نیت کرلی تو سامنے والا اگر بدلہ نہیں دے رہا یا برا بدلہ دے رہا ہے تو اس سے کوئی سروکار ہی نہیں۔

## "خادم" کا عہدہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور بات یاد آئی، فرماتے تھے کہ آج کل لوگ عہدوں، منصبوں اور اعزازات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، حالانکہ دنیا کے جتنے بھی عہدے اور منصب ہیں، ان کو اختیار کرنا انسان کے بس اور اختیار سے باہر ہے، اگر کوئی اختیار بھی کرلے تو اس پر حسد کرنے والے بھی بہت ہیں، بہت سے ٹانگیں کھینچنے کی فکر میں رہتے ہیں، دنیا کے تمام عہدوں کا یہی حال ہے، میں تمہیں ایک ایسا عہدہ بتاتا ہوں جس کو حاصل کرنا اپنے اختیار میں ہے اور اس کو لینے کے بعد اس پر کوئی حسد کرنے والا بھی نہیں ہے اور کوئی اس کو چھیننے والا بھی نہیں، وہ ہے "خادم" کا عہدہ۔

یہ عہدہ ایسا ہے کہ اس کے لئے کوئی مقابلہ اور کوئی الیکشن نہیں ہوتا، اس پر کوئی حسد بھی نہیں کرتا اور کوئی چھیننے کی کوشش بھی نہیں کرے گا، بس یوں سمجھو کہ میں خادم ہوں، اپنے گھر والوں کا خادم ہوں، اپنے ملنے جلنے والوں کا خادم ہوں، اپنے دوست احباب کا خادم ہوں، اپنے عزیز واقارب کا خادم ہوں، البتہ خدمت کے عنوان مختلف ہوتے ہیں،

جسمانی خدمت بھی ہوتی ہے، کسی کی ضرورت پوری کرنا بھی خدمت ہے، اولاد وغیرہ کی تعلیم وتربیت کا انتظام بھی خدمت ہے، دوست احباب اور عزیز واقرباء کو ان کی خیر خواہی اور ہمدردی کرتے ہوئے اچھا مشورہ دینا بھی خدمت ہے۔ اس خدمت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کبھی تکبر نہیں آئے گا، کبھی اپنی بڑائی دل میں نہیں آئے گی، اور جو کچھ ہو رہا ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہونے کی وجہ سے عبادت شمار ہوگا۔

اللہ والوں کی صحبت سے سوچ کا رُخ اس طرح سے تبدیل ہوتا ہے، جب ان کی صحبت سے بات سمجھ میں آنے لگتی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ دل کے دریچے بھی کھول دیتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نگاہوں کو بھی وسعت عطا فرما دیتے ہیں، ان کے فیض وبرکت سے اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں بھی ایسی باتیں ڈال دیتے ہیں جس سے سوچ کا رُخ بدلتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری خواہشات کے رُخ کو موڑ کر اپنی رضا کی طرف کردے، یہی صبر ہے اور یہی سارے رمضان کا حاصل ہے۔

"وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"

۞۞۞

# رمضان صبر کا مہینہ (۷)

۲۹/اگست ۲۰۱۲ء بروز منگل
جامعہ دارالعلوم کراچی

# اقتباس

''نظام الاوقات ایسی چیز ہے جس کی بدولت تھوڑے سے وقت میں بہت زیادہ کام ہوجایا کرتے ہیں، اور وقت میں برکت ہوجاتی ہے اور سارے کام اپنے اپنے نظم کے ساتھ انجام پاجاتے ہیں، لیکن کسی کام میں نظم الاوقات نہ ہوتو اس سے وقت ضائع ہوجاتا ہے، اس لئے اوقات کا ایک نظم بنانا چاہئے''۔

# رمضان صبر کا مہینہ (۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا. اَمَّابَعْدُ!

## صبر پورے دین کا خلاصہ ہے

گزشتہ بیانات میں یہ بات عرض کی تھی کہ صبر پورے دین کا خلاصہ ہے اور سارا دین، شریعت اور طریقت صبر میں سمٹا ہوا ہے، انسان درحقیقت وہی ہے جو خواہشات کا غلام نہ بنے بلکہ خواہشات کو اپنے قابو میں رکھے، اور اس بات کی پہچان رکھے کہ کونسی خواہش ایسی ہے جسے پورا کیا جائے اور کونسی خواہش ایسی ہے جسے پورا نہ کیا جائے، اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ عطا فرمایا جو ﴿شھر الصبر﴾ ہے، اور اس میں ہمیں صبر کی تربیت دی جا رہی ہے۔

## صبر کی کیفیت حاصل کرنے کے لئے اللہ والوں کی صحبت ضروری ہے

لیکن یہ ساری باتیں اور وعظ اس وقت کارآمد ہوگا جب کہ صبر کی کیفیت دل میں رچ اور بس جائے، اور اس کے لئے کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کرنا ضروری ہے، جس کے اندر یہ صفت موجود ہو، عام طور سے کسی انسان کے اندر یہ صفت نہیں ہوتی بلکہ کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کر کے اسے حاصل کرنا پڑتا ہے۔

## ایک نصیحت آموز واقعہ

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کا عجیب سا قصہ لکھا ہے، ایک شخص کے پاس ایک بولنے والا طوطا تھا جس کو اس نے ذکر کے الفاظ سکھا رکھے تھے، جیسے اللہ، اللہ اور سبحان اللہ وغیرہ، جب اس طوطے کا انتقال ہوا تو ایک شخص نے جو نہ معلوم اس کا مالک ہی تھا یا کوئی اور تھا، دو شعر کہے اور اس میں اس طوطے کی تاریخِ وفات لکھی، وہ شعر یہ تھے:

میاں مٹھو جو ذاکرِ حق تھے
رات دن ذکرِ حق رٹا کرتے
گربۂ موت نے جو آ دابا
کچھ نہ بولے سوائے ٹیں ٹیں

یعنی اس کے مالک نے اسے ذکر کے کلمات سکھا رکھے تھے، اور سارا دن وہ یہی الفاظ کہتا تھا، لیکن جب موت کا وقت آیا اور بلی نے دبوچ لیا تو ذکرِ حق کے کلمات سب بھول گیا اور جیسے پہلے ٹیں ٹیں کرتا تھا اسی طرح چلانے لگا، کہتے ہیں کہ اس شعر سے اسکی تاریخِ وفات نکلتی ہے، واللہ اعلم۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ قصہ بظاہر ایک مذاق کی سی بات ہے لیکن اس میں بڑی حکمت کی بات ہے، اور وہ بات یہ ہے کہ:

”جس تعلیم کا دل پر اثر نہیں ہوتا وہ مصیبت کے وقت کچھ کام نہیں آتی“۔

اس لئے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اگر حافظِ قرآن کے دل میں بھی قرآن کی محبت نہ ہو تو وہ بھی دل میں آنے والی کا بھاؤ لے کر مرے گا، اور قرآنِ کریم کے انوار و برکات اس کو حاصل نہیں ہوں گے، کیونکہ اس نے قرآن کو رَٹ رکھا تھا لیکن اپنے دل میں اس کو رچایا نہیں تھا۔

## نفس پر زبردستی کرنے سے نفس کسی کام کا عادی ہوتا ہے

میں یہی عرض کر رہا تھا کہ اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ نے صبر کی تربیت ہمیں دی، یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن اس نعمت کو باقی رکھنے کے لئے دل میں رچانا اور بسانا پڑے گا، جس کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے تو اپنے نفس پر زبردستی کوئی طاعت کرنے کی عادت ڈالیں، اور اگر دل میں کوئی غلط خواہش یا جذبہ پیدا ہو تو زبردستی اس کو روکیں، کیونکہ جب تک زبردستی نفس کو کسی طاعت میں نہیں لگائیں گے یا اس کو کسی معصیت سے نہیں روکیں گے تو اس کے سامنے موم کی طرح ہو جائیں گے، اور نفس کی خواہشات جس طرف چاہیں گی آپ کو لے جائیں گی۔

## شیطان اور نفس کے سامنے کمزور پڑنے سے یہ حاوی ہو جاتے ہیں

یہاں ایک بات سمجھ لیں کہ انسان کے دو دشمن ہیں، شیطان اور خواہشات نفس کے فریب، یہ دونوں بظاہر تو بہت خوفناک دشمن ہیں اور انسان کو ڈھانے اور چت کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں بہت ہی ذلیل اور کمینی چیزیں ہیں، کمینے کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ اگر اس کے سامنے ذرا بھی کمزوری دکھائی جائے تو وہ شیر ہو جاتا ہے، اور اگر کوئی اس کے سامنے ڈٹ جائے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائے تو وہ چھوئی موئی ہو جاتا ہے، کسی شاعر کا شعر ہے کہ:

إذا أنتَ أكرمتَ الكريمَ ملكتَه

وإنْ أنتَ أكرمتَ اللئيمَ تمرّدا

"اگر تم کسی شریف کا اکرام کرو گے تو وہ تمہارا غلام ہو جائے گا، اور اگر کسی کمینے کا اکرام کرو گے تو وہ سرکش ہو جائے گا"

ایسا ہی کچھ حال شیطان اور نفسانی خواہشات کا ہے کہ اگر آپ ان کے آگے بے بس اور کمزور پڑ گئے تو یہ آپ پر چھا جائیں گے، لیکن جس دن آپ نے یہ عزم کر لیا کہ میں انکی

بات نہیں مانوں گا اور ان کے سامنے ڈٹ گئے تو یہ کمزور پڑجائیں گے، اسی لئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا. (النساء:۷۶)

"بلاشبہ شیطان کا مکر کمزور ہے۔

یعنی جب ایک مرتبہ شیطان کے سامنے ڈٹ جائیں گے تو وہ کمزور پڑ جائے گا۔

## اپنی سوچ کا رُخ بدلیں

دوسری بات یہ کہ اپنی سوچ کا رُخ بدلیں، کیونکہ انسان ہر وقت کسی نہ کسی خیال میں تو رہتا ہی ہے، تو اس خیال کو اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ دیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کے انعامات کی طرف اپنی سوچ کا رُخ موڑ لیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی طرف موڑ لیں، آخرت کے بارے میں سوچیں، مرنے کے بعد کیا ہوگا، جنت، جہنم کیسی ہوگی، اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنے کے بارے میں سوچیں، لیکن خیالات کا رُخ بدلنے کے لئے بھی اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنی پڑتی ہے۔

## ایک شیطانی دھوکہ

ہمارے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اس معاملے میں شیطان یہ دھوکہ بھی دیتا ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنے کے لئے اللہ والوں کو کہاں تلاش کریں، کوئی ملتا ہی نہیں، ہر ایک میں کوئی نہ کوئی کمی کوتاہی نظر آتی ہے، کسی پر اطمینان ہی نہیں ہوتا، حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی یہ سوچے کہ آج کے زمانے میں اسے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ یا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میسر ہو جائے تو ایسا ہونا تو ممکن ہی نہیں ہے، لوگوں کے دلوں میں یہ خناس بیٹھ جاتا ہے کہ ان کی تربیت و اصلاح کے لئے ان حضرات سے کم کوئی نہیں ہونا چاہئے، لیکن جیسی روح ویسے فرشتے، اس لئے جیسے تم ہو ایسا ہی تمہارا مصلح ہوگا، لوگ خود تو گویا اصلاح سے بالکل کورے ہوتے

ہیں لیکن ان کو اپنی اصلاح کے لئے جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ یا شیخ عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے کم کوئی منظور ہی نہیں ہوتا، یہ حماقت کی بات ہے۔

## صادقین قیامت تک ہر زمانے میں رہیں گے

یہ اللہ تعالیٰ کا نظام چلا آرہا ہے کہ جو چلا گیا سو چلا گیا، کوئی دوسرا اس کی جگہ نہیں لے سکتا، لیکن ہر زمانے میں اس زمانے کے اعتبار سے اصلاح کرنے والے موجود ہوتے ہیں اور قیامت تک رہیں گے، حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہٗ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی بات نقل فرماتے تھے جو انہوں نے تفسیرِ کبیر میں اس آیت کے ذیل میں لکھی ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ○

(التوبۃ:۱۱۹)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو''

فرماتے ہیں کہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ سچے لوگ قیامت تک رہیں گے، کیونکہ قرآنِ کریم کا حکم قیامت تک باقی رہے گا، اس لئے اگر سچے لوگ نہ ہوں تو قرآن کا یہ حکم کہ سچے لوگوں کے ساتھ رہو "تکلیف مالایطاق" ہوگی، گویا اللہ تعالیٰ نے انسان کو کسی ایسی چیز کا مکلف کردیا جو اسے میسر ہی نہیں، اور ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی بات پر عمل کرنے کو کہیں جو ناممکن ہو، اس لئے اس آیت میں اس بات کی خوشخبری ہے کہ صادقین قیامت تک رہیں گے، البتہ تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی مثال یہ دیتے تھے کہ آج کل ملاوٹ کا دور ہے، گندم، آٹا، گھی، چینی وغیرہ کچھ بھی خالص نہیں ملتا، لیکن کیا کسی نے آٹا خالص نہ ملنے کی وجہ سے آٹا کھانا چھوڑ کر اس کی جگہ بھس کھانا شروع کردیا، یا گھی کے خالص نہ ملنے کی وجہ سے اس کا کھانا چھوڑ کر گریس کا استعمال شروع کردیا، کسی نے ایسا نہیں کیا، بلکہ جب بھی ایسا موقع آتا ہے تو لوگ تلاش اور جستجو کرتے ہیں، اور مختلف دوکانوں پر جا کر دیکھتے ہیں

کہ خالص چیز کہاں ملے گی، جہاں سے خالص چیز ملتی ہے تو وہاں سے لے آتے ہیں۔

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح ملاوٹ ہونے کی وجہ سے کسی چیز کا کھانا نہیں چھوڑا جاتا بلکہ خالص چیز تلاش کر لی جاتی ہے، اسی طرح تلاش کرنے والے کو اس کی حیثیت کے مطابق صادقین آج بھی مل جاتے ہیں، اس لئے نیک لوگوں کو تلاش کر کے اپنی صحبت کو بدلنا چاہئے تاکہ صبر کی کیفیت دل کے اندر رچ بس جائے۔

## اپنی صحبت کا جائزہ لیں۔

ہر انسان کو اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینا چاہئے کہ اس کی صحبت اور زیادہ میل جول کس قسم کے لوگوں کے ساتھ ہے، اگر ایسے لوگوں کے ساتھ ہے جو اس کو بے فکری، غفلت، دین سے دوری، آخرت سے لاپرواہی کی طرف لے جارہے ہیں، اور دنیا کی محبت دل میں پیدا کر رہے ہیں تو ایسی صحبت سے کنارہ رہنا چاہئے، اور ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہئے جو دل میں آخرت کی فکر پیدا کریں، اگر ایسا کر لو گے تو ان شاء اللہ یہ کیفیت دل میں رچنے بسنے لگے گی۔

آج کے بیان میں مزید دو باتیں عرض کرنی ہیں، ابھی میں نے عرض کیا تھا کہ ہر انسان کو اپنی سوچ بدلنی چاہئے، جس کا ایک طریقہ اہل اللہ کی صحبت ہے، اور ایک طریقہ ذکر ہے۔

## ذکر کی تین قسمیں

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ ذکر تین قسم کا ہوتا ہے؟

(۱)......ذکر کی ایک قسم وہ ہوتی ہے جس میں صرف زبان ہلتی ہے، دل متوجہ نہیں ہوتا، مثلاً کسی نے ہاتھ میں تسبیح لی ہوئی ہے اور ذکر میں مشغول ہے لیکن دل و دماغ کسی اور طرف متوجہ ہے، اس کو ذکرِ لسانی کہتے ہیں، یعنی زبان کے ذریعہ ذکر کرنا۔

(۲)......ذکر کی دوسری قسم وہ ہوتی ہے جس میں زبان کے ساتھ ساتھ دل بھی متوجہ

ہوتا ہے، مثلاً کوئی زبان سے سبحان اللہ کہہ رہا ہے تو اس وقت اسے یہ پتہ ہے کہ وہ سبحان اللہ کہہ رہا ہے، اور اس کا دھیان ذکر کے الفاظ یا معانی کی طرف لگا ہوا ہے۔

(۳)......تیسری قسم وہ ہے کہ زبان سے تو ذکر نہیں ہو رہا لیکن دل اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہے، دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال اور اس کی حیثیت موجود ہے، اور دل میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استحضار ہو رہا ہے، اس کو درحقیقت قرآن کی اصطلاح میں فکر کہتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ عقلمندوں کی خوبی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. (آل عمران:۱۹۱)

''اور یہ لوگ آسمان وزمین کی تخلیق میں غور وفکر کرتے ہیں''

## زبان سے کیا ہوا ذکر بھی بے فائدہ نہیں ہے

حضرت والا فرماتے ہیں کہ ذکر کی پہلی قسم میں بھی کئی فوائد ہیں:

(۱)......ذکر کی یہ قسم درحقیقت مقصود تک پہنچنے کے لئے سیڑھی ہے اس لئے اس کو بھی بے کار نہ سمجھنا چاہئے، بعض لوگ جو حقیقت ناشناس ہوتے ہیں یہ کہہ دیتے ہیں کہ زبان سے طوطے کی طرح رٹنے کا کیا فائدہ ہے، جب کہ دل ہی متوجہ نہ ہو، لیکن حضرت فرماتے ہیں کہ ایسی بات نہیں ہے بلکہ اسکا بھی بہت فائدہ ہے، لوگوں کے درمیان یہ شعر مشہور تھا کہ:

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر
ایں چنیں تسبیح چہ دارد اثر

یعنی زبان پر تسبیح ہے لیکن دل میں گائے اور گدھے کا خیال آرہا ہے تو ایسی تسبیح کا کیا فائدہ ہے؟ حضرت فرماتے تھے کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ:

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر
ایں چنیں تسبیح ہم دارد اثر

یعنی یہ تسبیح بھی کچھ نہ کچھ فائدہ دیتی ہے، کیونکہ ذکر کے جو الفاظ زبان سے رٹے جارہے ہیں یہ کوئی معمولی الفاظ نہیں ہیں، ان الفاظ کی اپنی ایک تاثیر اور فائدہ ہے، اگرچہ ذکر کرتے وقت ہمیں اندازہ نہیں ہوتا کہ سُبْحَانَ اللّٰہ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کے کلمات میں کونسی کائنات پوشیدہ ہے، اس کے اسرار و معارف کو ہم نہیں جانتے، لیکن ہمارے نہ جاننے کے باوجود اس میں بہت کچھ موجود ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ذکر کے کلمات میں سے کسی کے بارے میں فرمایا کہ اس سے میزانِ عمل کا آدھا پلڑا ابھر جاتا ہے اور کسی کے بارے میں فرمایا کہ اس سے پورا پلڑا ابھر جاتا ہے، ہمیں آج اس کا ادراک نہیں ہے اور ہو بھی نہیں سکتا، لیکن جب اللہ کے حضور پہنچیں گے تو پتہ چلے گا کہ ان کلمات کا کیا فائدہ تھا، اور ان میں کیا اسرار پوشیدہ تھے۔

## جنت کی ایک عظیم لذت

امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جنت کی عظیم لذتوں میں سے ایک لذت یہ بھی ہوگی کہ ان کلمات کے اسرار کھل کر سامنے آجائیں گے، اس لئے اگر محض زبان سے بھی ذکر کی توفیق ہورہی ہے تو اسے بے کار نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ زبان سے ادا کرنے کی بھی اپنی ایک تاثیر ہے۔

(۲)......اس کے بعد حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ ذکرِ لسانی کا دوسرا فائدہ یہ بیان فرماتے تھے کہ اس کا کوئی اور فائدہ نہ سہی لیکن کم از کم جسم کا ایک عضو تو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہے، یعنی زبان۔

(۳)......تیسرا فائدہ یہ کہ جب تک انسان ذکر میں مشغول رہتا ہے اس کی زبان کسی غلط کام سے رُکی رہتی ہے، اس لئے کہ اگر کوئی ذکر نہ کررہا ہو تو اس کی زبان سے جھوٹ، غیبت یا کسی کی دل آزاری کی بات نکل سکتی ہے، لیکن ذکر نے ان سب چیزوں سے حفاظت کی ہوئی ہے، یہ فائدہ بھی کیا کم ہے؟

(۴)......ذکرِ لسانی کا چوتھا فائدہ یہ ہے کہ جب زبان سے ذکر ہو رہا ہو تو اگر چہ دل متوجہ نہیں ہوتا، لیکن اس کی کثرت کی وجہ سے ایک نہ ایک دن دل بھی متوجہ ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ زبان سے ذکر کرنے کی وجہ سے یہ نعمت بھی عطا فرما دیتے ہیں۔

## حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ایک واقعہ میں نے اپنے والدِ ماجد قدس اللہ سرہٗ سے سنا، ان کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا، اور نہ جانے کس حالت و کیفیت میں سنایا تھا، فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدین کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے، ان سے فرمانے لگے کہ تم لوگ میرے پاس کہاں آگئے! میرے پاس کچھ نہیں رکھا، کسی اللہ والے کے پاس جاؤ، میں تو کچھ بھی نہیں، اور پھر ایک قصہ سنایا کہ ایک شخص ڈاکو تھا اس کا پیشہ ہی ڈاکے ڈالنا تھا، اس کا ایک مرتبہ کسی پیر صاحب کی خانقاہ کے پاس سے گزر ہوا تو اس نے دیکھا کہ پیر صاحب تسبیح ہاتھ میں لئے بیٹھے ہیں، مریدین کا حلقہ ہے، کوئی ان کے ہاتھ چوم رہا ہے، کوئی ان کے پاؤں دبا رہا ہے، اور ہدیے نذرانے آرہے ہیں، ان کے قدموں میں لا کر رکھے جا رہے ہیں، ڈاکو نے سوچا کہ میں نے خواہ مخواہ ڈاکے مارنے کا پیشہ اختیار کر لیا ہے، اس میں محنت بھی زیادہ ہے اور جان بھی ہر وقت خطرے میں رہتی ہے، اس سے اچھا تو پیری مریدی کا پیشہ ہے، بس پیر بن کر بیٹھ جاؤ اور اپنے ذکر وغیرہ سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لو تو دنیا کی سب نعمتیں قدموں میں ڈھیر ہو جائیں گی۔

چنانچہ وہ ڈاکے مارنے کا پیشہ چھوڑ کر کسی جنگل میں جا بیٹھا، ایک تسبیح ہاتھ میں لے لی، اور درویشوں والا حلیہ بنا کر بیٹھ گیا، جیسا کہ لوگوں کا حال ہے کہ جب بھی ایسے حلیے میں کسی کو دیکھتے ہیں تو اس کو بہت بڑا ولی اللہ سمجھنے لگتے ہیں اور تحقیق نہیں کرتے کہ حقیقت کیا ہے، اس لئے اس کے پاس بھی پہلے ایک آدمی آیا، پھر دو آئے اور رفتہ رفتہ اس کے مریدین میں اضافہ ہونے لگا، اور ہدیے نذرانے آنے لگے اور اس کا مقصد حاصل ہونے لگا، اور یہ اپنے ذکر میں مشغول رہا۔

اس کے پاس آنے والے لوگوں میں بہت سے لوگ اخلاص کے ساتھ بھی آئے تھے، چونکہ یہ ذکر کرتا تھا اس لئے سب کو اس نے ذکر پر لگا دیا کہ تم بھی یہ کام کرو، اب جو لوگ اخلاص کے ساتھ ذکر کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص کی بدولت ان کو بلند مقام تک پہنچا دیا، جب ان کو اللہ کی طرف سے کچھ مقام عطا ہو گیا تو انہوں نے سوچا کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے تھوڑا بہت عطا فرما دیا ہے، ہمیں اپنے شیخ کا حال بھی معلوم کرنا چاہئے کہ وہ ولایت کے کس مقام پر ہے، چنانچہ انہوں نے مراقبہ کیا اور اپنے شیخ کا مقام معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن اس کا مقام ملتا ہی نہیں تھا، کیونکہ کوئی مقام تھا ہی نہیں بلکہ شیخ کی طرف سے تو دھوکہ بازی ہو رہی تھی، مریدین بڑے حیران ہوئے کہ کیا معاملہ ہے، لیکن انہوں نے یہ خیال کیا کہ ہمارا شیخ ولایت کے اس مقام پر ہے جہاں تک ہماری پہنچ ہی نہیں ہے۔

ایک دن انہوں نے اپنے شیخ سے کہا کہ حضرت! خدا کے لئے ایک بات بتا دیجئے، ہم نے جتنے بھی طریقے پڑھے ہیں ان کے مطابق بہت کوشش کر لی لیکن آپ کے مقام کا پتہ ہی نہیں چلتا کہ آپ کہاں پہنچے ہوئے ہیں، آپ کا بہت اونچا مقام ہے ہمیں بھی اس کے بارے میں کچھ بتائیے، یہ سن کر اس ڈاکو کے دل پر چوٹ لگی، اور مریدین سے کہا کہ بھائیو! مجھے معاف کر دینا میں نے تمہیں ساری زندگی دھوکہ دیا، میں نہ تو کوئی پیر ہوں اور نہ ہی کوئی عابد و زاہد ہوں، میں تو ایک ڈاکو ہوں، اور دنیا حاصل کرنے کے لئے مجھے ڈاکے سے بہتر یہ طریقہ نظر آیا تھا اس لئے اس کو اختیار کر لیا، مجھے معاف کر دو کہ میں نے تمہیں دھوکے سے گھیر لیا اور اپنا مرید بنا لیا، تم میرے پاس سے چلے جاؤ اور کسی اللہ والے کو تلاش کر لو، میں جانوں اور میرا اللہ جانے، میں اس حرکت سے توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔

یہ سن کر سب مریدین بھونچکے رہ گئے کہ یہ کیا ماجرا ہے، لیکن چونکہ مخلص تھے اور اخلاص کے ساتھ کام کر رہے تھے اس لئے سب جمع ہو گئے اور کہا کہ آپس میں مل کر اللہ

تعالیٰ کے حضور یہ دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! ہمیں جو بھی ذکر ملا وہ ان ہی کے راستے سے ملا، اب آپ ان کی حالت بھی ایسی کر دے کہ یہ اس چکر سے نکل آئیں، چنانچہ انہوں نے دعا کی اور چونکہ مخلص لوگ تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اس ڈاکو کی زندگی میں بھی انقلاب آگیا۔

دیکھئے! یہ ڈاکو صرف اتنا ہی نہیں کہ زبان سے ذکر کر رہا تھا بلکہ اس کا مقصود بھی اس ذکر سے لوگوں کو دھوکا دے کر دنیا کمانا تھا، لیکن اس کے مسلسل ذکر کے نتیجے میں بالآخر اللہ تعالیٰ نے نیت بھی درست فرمادی اور طریقہ بھی درست فرمادیا اور اس کے ذکر کو قبول بھی فرمالیا۔

اس لئے وہ لوگ جو زبان سے ذکر کرتے ہیں لیکن ان کا دل و دماغ متوجہ نہیں ہوتا، اس پریشانی اور فکر میں نہ پڑیں کہ دل متوجہ نہیں ہو رہا تو زبان سے ذکر کا کیا فائدہ ہے، بلکہ اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے غنیمت سمجھ کر لگے رہیں اور اس کو چھوڑیں نہیں، دل کو متوجہ کرنے کی اپنی سی کوشش کرتے رہیں، اگر دل متوجہ ہو جائے تو اللہ کی نعمت ہے اور اگر نہ بھی ہو تو یہ ذکر بے فائدہ نہیں ہے۔

## نظام الاوقات بنائیں

اس لئے رمضان کے بعد بھی ہر شخص اپنا نظام الاوقات بنائے، حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ نظام الاوقات ایسی چیز ہے جس کی بدولت تھوڑے سے وقت میں بہت زیادہ کام ہو جایا کرتے ہیں، اور وقت میں برکت ہو جاتی ہے اور سارے کام اپنے اپنے نظم کے ساتھ انجام پا جاتے ہیں، لیکن کسی کام میں نظم الاوقات نہ ہو تو اس سے وقت ضائع ہو جاتا ہے، اس لئے اوقات کا ایک نظم بنانا چاہئے۔

اس نظام الاوقات میں مثلاً فجر کی نماز کے بعد کچھ نہ کچھ تلاوت کا معمول بنائیں، خواہ تھوڑی کی تلاوت ہی کیوں نہ ہو لیکن اس کی پابندی کریں، اور کچھ نہیں تو آدھا پارہ ایک ایک پاؤ کی تلاوت تو ہر شخص اپنا معمول بنالے، ہمارے حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ اور کچھ نہ بھی

ہو سکے تو کم از کم ہر شخص یہ طے کر لے کہ روزانہ فجر کی نماز کے بعد دو رکوع پڑھ کر اٹھوں گا۔

اسی طرح ذکر کا بھی معمول بنائیں، اور ابتداء میں یہ چار چیزیں تو اہتمام کے ساتھ کریں:

(۱)......سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ.

(۲)...... سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ.

(۳)......استغفار۔

(۴)......درود شریف۔

اگر کسی کو اپنے حالات کے مطابق فجر کی نماز کے بعد اس کا موقع نہیں ملتا، مثلاً صبح کام پر جانا پڑتا ہے تو وہ شام کے کسی وقت میں ان کلمات کے ذکر کو اپنا معمول بنا لے، لیکن اس کام کے لئے ایک وقت ضرور مقرر کرے، اس میں بڑا فائدہ ہے۔

یہ تو معمول کا ذکر ہے، لیکن اگر چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے بھی زبان پر کوئی ذکر آ جائے، جیسے: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وغیرہ، کرتے رہنا چاہئے۔

## ذکر سے روحانی طاقت حاصل ہوتی ہے

حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ یہ ذکر ایک انرجی ہے، اس کے ذریعہ دل میں ایک طاقت وہمت پیدا ہوتی ہے جس سے شیطان اور نفس کا مقابلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے، فرمایا کرتے تھے کہ آدمی جب صبح کے وقت کام پر جانے کے لئے نکلتا ہے تو ناشتہ کر کے جاتا ہے تاکہ جسم میں کچھ قوت آ جائے اور کام کو چستی کے ساتھ انجام دیا جا سکے، اسی طرح ذکر بھی روحانی ناشتہ ہے، اور صبح کے وقت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کر کے ایک روحانی قوت حاصل ہو جاتی ہے، اور سارا دن کاروبارِ زندگی میں نفس اور شیطان سے ہونے والے مقابلے کے لئے انسان تیار ہو جاتا ہے۔

یہ تو ذکر لسانی کی بات ہے لیکن اصل ذکر وہی ہے جو دوسری قسم میں بیان ہوا، یعنی زبان سے بھی ذکر ہو اور دل بھی اس کی طرف متوجہ ہو۔

## ذکر کی سب سے زیادہ نفع بخش صورت

لیکن ذکر کی تیسری قسم اپنی فضیلت کے اعتبار سے اگرچہ درمیانی ہے، لیکن اپنے نفع کے اعتبار سے یہ ذکر کی دونوں قسموں پر حاوی ہے، یعنی ہر وقت چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے انسان اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے، کبھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ لے، کبھی اس کی نعمتوں پر دل میں شکر ادا کرے، کبھی جہنم سے پناہ مانگ لے، کبھی اپنی کوئی حاجت اللہ تعالیٰ سے مانگ لے، غرض یہ کہ اس کے سامنے جو بھی حاجت آتی ہے وہ دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھ دیتا ہے۔

مثلاً گھر سے نکلیں تو دل میں دعا کرلیں کہ یا اللہ! سواری آسانی سے مل جائے۔ سواری میں بیٹھ جائیں تو دل میں دعا کرلیں کہ یا اللہ! آسانی کے ساتھ منزل پر پہنچ جاؤں، یا اللہ! مجھے سفر میں اچھا ہم سفر ملے، یا اللہ! ان کو بھی دین و دنیا کی بھلائی عطا فرمادے، ہسپتال کے قریب سے گزریں تو دل میں تمام مریضوں کی صحت یابی کے لئے دعا کرلیں، کسی غریب آدمی کو دیکھیں تو دل میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ لیں کہ یا اللہ! گرمی کی تکلیف سے نجات عطا فرمادے، سردی لگے تو دل میں اسی طرح دعا مانگ لیں، اچھی ہوا چلے تو دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، بارش آئے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ آپ نے بارش عطا فرمائی، ہمیں اس کی تباہ کاریوں سے بچائے رکھنا۔

الغرض ہر وقت کوئی نہ کوئی حاجت اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہیں، حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ یہ کر کے دیکھو، پھر دیکھنا کہ کیا سے کیا ہوتا ہے۔

## ہدایت ملنے کی دعا کا معمول بنائیں

آخری بات یہ کہ ہر شخص رات کا ایک وقت مقرر کرلے، مثلاً عشاء کے بعد رات کو سونے سے پہلے کا وقت مقرر کرلے، اور اس وقت میں چند منٹ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ یا اللہ! میں آپ کے راستے پر چلنا چاہتا ہوں، میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے تمام خیالات، خواہشات اور

جذبات آپ کے تابع ہو جائیں، آپ نے اپنے کلامِ مجید میں مجھے جگہ جگہ صبر کی تلقین فرمائی ہے، اور اپنی خواہشوں کو قابو کرنے کا حکم دیا ہے، یا اللہ! میں ناتواں اور کمزور ہوں، میری طاقت اور ہمت وحوصلہ کمزور ہے، اے اللہ! آپ ہی اپنے فضل وکرم سے مجھے یہ قوت اور ہمت عطا فرمادیجئے کہ میں اپنی خواہشات پر قابو پاسکوں اور ان کو آپ کی مرضی کے تابع بنا سکوں، اور کوئی بھی دن اس دعا کے مانگنے سے خالی نہ جائے اس کا معمول بنالیں، یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی انسان اس طرح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرے اور اللہ تعالیٰ اس کو رد فرمادیں۔

## اللہ تعالیٰ سے باتیں کیا کرو

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے باتیں کیا کرو اور یہ دعا کیا کرو کہ یا اللہ! یا تو مجھے وہ کیفیت اور طاقت عطا فرمادے کہ جس کے ذریعہ میں شیطان اور نفس کا مقابلہ کرسکوں یا پھر مجھ سے مواخذہ نہ فرمایئے گا (اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ) میں نے اپنا معاملہ آپ کے حوالے کردیا ہے، حضرت فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح باتیں کیا کرو، وہ ہمارے ہی اللہ میاں ہیں، انہوں نے ہی ہمیں پیدا کیا، پرورش کی، پالا پوسا اور ہماری سب حاجتیں بھی پوری کی ہیں، تو ان سے نہیں مانگوگے تو اور کس سے مانگوگے؟ اللہ سے دعا کرو کہ یا اللہ مجھے ٹھیک فرمادیجئے، یہی مطلب ہے اُس دعا کا جو آپ ﷺ نے سکھائی ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّ قُلُوْبَنَا وَجَوَارِحَنَا بِیَدِکَ، لَمْ تُمَلِّکْنَا مِنْھَا شَیْئًا، فَاِذَا فَعَلْتَ ذٰلِکَ بِھِمَا فَکُنْ اَنْتَ وَلِیَّھُمَا وَاھْدِنَا اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ.

"یا اللہ! ہمارے دل اور ہمارے اعضاء آپ کے قبضہ میں ہیں، ہم ان میں سے کسی بھی چیز کے مالک نہیں ہیں، جب آپ نے ہمارے ساتھ یہ معاملہ فرمادیا ہے تو آپ ہی ہمارے دل اور اعضاء کے کارساز ہوجائیں اور ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت فرمادیں"

اور:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ سَاَلْتَنَا مِنْ اَنْفُسِنَا مَالَا نَمْلِکُہٗ اِلَّا بِکَ، اَللّٰھُمَّ فَاَعْطِنَا مِنْھَا مَایُرْضِیْکَ عَنَّا.

''اے اللہ! آپ نے ہم سے ان کاموں کا مطالبہ کیا ہے جو ہم آپ کی توفیق کے بغیر نہیں کر سکتے، اس لئے ہمیں ان کاموں کی توفیق عطا فرمادیجئے جو آپ کی مرضی کے مطابق ہوں''

لہٰذا اللہ تعالیٰ سے یہ کہہ دو کہ یا اللہ! یا تو ان کاموں کے کرنے کی ہمت عطا فرمادے یا پھر ہماری پکڑ نہ فرما، جب اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کرنے کا معمول بنائیں گے تو حالات بدلیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرم ہوگا، اور وہ کیفیت جو اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہو حاصل ہوجائے گی، اور اگر کبھی بھول چوک ہو بھی گئی تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے توبہ کی توفیق بھی ہوجائے گی، جو شخص بھی اللہ تعالیٰ سے اس طرح مانگے گا وہ کبھی بھی محروم نہیں رہے گا، یہ دعا کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے، دعا ایسی چیز ہے جو لمحے میں انسان کی کایا پلٹ دیتی ہے۔

## دعا مانگنے کا ایک عجیب قصہ

آج سے تقریباً پچیس تیس سال پہلے کی بات ہے کہ جرمنی سے ایک صاحب کا خط میرے پاس آیا، اور انہوں نے اپنا مسئلہ مجھے لکھا کہ میں جرمنی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آیا تھا، اور اس تعلیم کے دوران نہ مجھے دین کی فکر تھی اور نہ آخرت کی بس پیسے کمانے کا شوق تھا، تعلیم حاصل کرنے کے دوران وہاں کی کسی لڑکی سے میرا تعلق ہوگیا اور میں نے اس سے شادی کرلی، اور بچے بھی ہوگئے۔

جب بچے بڑے ہوگئے اور پڑھنے لکھنے کی عمر کو پہنچ گئے تو میں نے ایک دن دیکھا کہ میری بیوی میرے بچوں کو عیسائی مذہب کی تعلیم دے رہی ہے، یہ دیکھ کر میرے اندر کا سویا ہوا مسلمان جاگ اُٹھا، اور میرے دل میں یہ غیرت آئی کہ یہ عورت میرے بچوں کو عیسائی بنا

رہی ہے، میں نے اس کو منع کیا کہ یہ مسلمان بیٹا ہے، مسلمان ہی رہے گا، لیکن اس نے میری بات نہ مانی اور کہنے لگی کہ میں جس بات کو حق سمجھتی ہوں اپنی اولاد کو بھی سکھاؤں گی، میں نے کہا کہ تم جو سکھا رہی ہو وہ حق نہیں ہے بلکہ اسلام حق ہے، میری بیوی نے کہا کہ اچھا بتاؤ! اسلام کیسے حق ہے؟ جب اس نے یہ بات کی تو میں لاجواب ہوگیا، کیونکہ میرے پاس نہ تو دین کا کوئی علم تھا اور نہ ہی اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے کوئی دلیل تھی، جبکہ میری بیوی اپنے مذہب کی عالمہ تھی اس لئے جب اس نے مجھ سے بحث کی تو میرے پاس کوئی جواب نہ تھا، اور اب میں اس مصیبت میں گرفتار ہوں، آپ خدا کے لئے میری مدد کریں۔

میں نے دل میں سوچا کہ یا اللہ! یہ مسلمان بندہ مصیبت میں ہے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! اس کی مدد کا کوئی طریقہ میرے دل میں ڈال دیجئے، میں نے اس کو جواب لکھا کہ آپ اس سے بحث و مباحثہ کرنا بند کردیں، کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا، اور ساتھ ہی میں نے اس کو اپنی ایک کتاب جو عیسائیت کے موضوع پر تھی، وہ بھی بھیج دی اور لکھا کہ اس عورت کو دو باتوں پر آمادہ کرلو:

ایک تو یہ کہ وہ اس کتاب کو پڑھے، اور دوسرا اس سے یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ کو تم بھی مانتی ہو اور میں بھی مانتا ہوں، ہم دونوں رات کو بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کریں گے کہ یا اللہ! عیسائیت اور اسلام میں جو بھی دینِ برحق ہے اس پر ہمیں جمادیجئے۔

کچھ دن بعد اس کا جواب آیا کہ آپ نے جو طریقہ لکھا تھا میں نے اس پر عمل کیا ہے، اس کو کتاب بھی دے دی ہے اور اس کو دعا کرنے پر بھی آمادہ کرلیا ہے، اب وہ اس کتاب کا مطالعہ بھی کرتی ہے اور ہر روز دعا بھی مانگتی ہے، لیکن ابھی تک کوئی فرق نہیں پڑا، میں نے اس کی بات پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس کو لکھا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے مایوس نہ ہوں اور کچھ دن مزید صبر کریں اور اس کو کہیں کہ دعا نہ چھوڑے۔

اس کے بعد اس کا تیسرا خط آیا، جس میں کچھ اس طرح کا مضمون تھا کہ:

"مولانا! آپ نے خدا کو دلیل سے پہچانا ہوگا، میں نے خدا کو آنکھ سے دیکھ لیا ہے"

اور پھر اس نے اپنا قصہ لکھا کہ میری بیوی کسی یونیورسٹی میں پڑھتی تھی، وہاں سے اس کو کوئی سرٹیفکیٹ لینا تھا، وہ مجھے ساتھ لے گئی، وہ گاڑی چلا رہی تھی اور میں برابر والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا، جب ہم وہاں سے واپس آنے لگے تو اچانک اس نے گاڑی ایک کنارے پر کھڑی کی اور اسٹیرنگ پر جھک گئی، میں گھبرا گیا کہ شاید اس کو کوئی دورہ پڑا ہے، میں نے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ قریب جا کر دیکھا تو وہ رو رہی تھی، وہ بولنا چاہ رہی تھی لیکن رونے کی شدت کی وجہ سے اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے، جب میں نے اس سے بار بار پوچھا کہ تمہیں کیا تکلیف ہوئی ہے اور کیوں رو رہی ہو؟ تو اس نے کہا کہ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے، بس مجھے مسلمان بنالو، میں نے کہا کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟ کہنے لگی کہ ہاں! سچ کہہ رہی ہوں، میں نے گاڑی ڈرائیو کرنا شروع کی اور سیدھا اسلامک سینٹر پہنچا اور اسکو مسلمان کیا، اور آج پہلی مرتبہ رمضان کا موقع ہے کہ ہم دونوں نے سحری کھا کر روزہ رکھا ہے، اور سحری کھانے کے بعد پہلا کام آپ کو خط لکھنے کا کر رہے ہیں، اور دوسرا خط میری بیوی کا ہے جو اس نے آپ کے نام لکھا ہے۔

اس میں اس نے لکھا تھا کہ میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے یہ طریقہ لکھا، جس کے نتیجہ میں مجھے اللہ تعالیٰ نے ایمان سے نواز دیا، اس کے علاوہ اس نے کچھ اور بھی دین کی باتیں مجھ سے پوچھی تھیں۔

یہ میرے اپنے ساتھ بیتا ہوا واقعہ ہے، خلاصہ یہ کہ دین حق پر چلنے کی دعا جب بھی کی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کبھی رائیگاں نہیں جاتی، اس لئے اس دعا کو اپنے روزانہ کے معمول میں شامل کرلیں۔

اگر ہم نے مذکورہ سب کام کر لئے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے اُمید ہے کہ رمضان ہمارے لئے (شهر الصبر) بن کر ہماری زندگی میں انقلاب اور تبدیلی کا پیش خیمہ بنے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

"وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"

# رمضان اور حقیقتِ صبر (۱)

۱۲؍ اگست ۲۰۱۲ء بروز جمعۃ المبارک
جامعہ دار العلوم کراچی

# اقتباس

"رمضان المبارک کو رسول اللہ ﷺ نے (شہر الصبر) قرار دیا ہے تو ہمیں چاہئے کہ اس کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھیں، اور اس میں پیش آنے والے ہر خلافِ طبیعت کام کو برداشت کریں، کیونکہ جب بندہ یہ تصور کرلے کہ میں ہر خلافِ طبیعت کام اور ہر ناگوار چیز اللہ تعالیٰ کی خاطر برداشت کررہا ہوں تو بندے کو اس میں لطف بھی آنے لگتا ہے"۔

# رمضان اور حقیقتِ صبر (۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَامُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. أَمَّابَعْدُ!

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے ہمیں ایک اور رمضان عطا فرمایا، یہ ایسا مہینہ ہے کہ جس کے اشتیاق اور انتظار میں سرکارِ دوعالم ﷺ رجب کے چاند دیکھنے کے وقت سے دعا فرمایا کرتے تھے کہ یا اللہ! ہمیں رمضان تک پہنچا دیجئے۔

## رمضان المبارک کے انوار و برکات کا ادراک نہیں کیا جاسکتا

اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ نے کیا انوار و برکات رکھے ہیں اور اس کا تقدس کیا ہے؟ ہم اپنے محدود اور ناقص حواس کے ذریعہ اس کا ادراک نہیں کرسکتے، اللہ جل جلالہٗ نے اس مہینہ کی ایک ایک گھڑی اور ایک ایک ساعت میں رحمتوں کے کیا کچھ سامان رکھے ہیں؟ اس کا ادراک واحساس ہمیں پوری طرح نہیں ہوسکتا، البتہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی کچھ توفیق ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس کی کچھ جھلک دکھا دیتے ہیں۔

## روزہ کی جزا اللہ تعالیٰ ہی دیں گے

اس کا صحیح ادراک اسی وقت ہوگا جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ہوگی

اور نوازشوں کا سلسلہ شروع ہوگا، روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ

''روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا''

یہ فرما کر اللہ تعالیٰ ہمیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ روزہ کا انعام اور اس کی جزا تمہاری سمجھ سے بالاتر ہے، کیونکہ تمہارے پاس جو محدود الفاظ ہیں اور جو محدود اسالیب ہیں وہ ان انعامات کا احاطہ کر ہی نہیں سکتے جو روزہ کے بدلے میں ملنے والے ہیں، اس انعام کا نام یا اس کی مقدار تو تمہیں سمجھ میں نہیں آئے گی لہٰذا اتنا ہی سمجھ لو کہ بس میں ہی تمہیں اپنے پاس سے اور اپنے رحم وکرم سے دوں گا، درحقیقت اس وقت ہمیں پتہ چلے گا کہ اس ماہِ مقدس کے کیا انوار وبرکات تھے۔

## رمضان صبر کا مہینہ ہے

سرکارِ دوعالم ﷺ نے رمضان شروع ہونے سے پہلے شعبان کے آخری دن ایک خطبہ دیا، جس میں رمضان المبارک کے فضائل بیان فرمائے اور ان اعمال کا ذکر فرمایا جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس مہینہ میں خاص طور سے پسند ہیں، اس خطبہ میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ رمضان کا مہینہ: (شَھْرُ الصَّبْرِ) اور (شَھْرُ الْمُوَاسَاۃِ) ہے۔

## شَھْرُ الصَّبْرِ اور شَھْرُ الْمُوَاسَاۃِ کا مطلب

(شَھْرُ الصَّبْرِ) اور (شَھْرُ الْمُوَاسَاۃِ) کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں اس مہینہ میں صبر کی تربیت دی جارہی ہے، اور صبر کی مشق کرائی جارہی ہے، چنانچہ اگر اس مہینہ کو صحیح طریقہ سے گزار لیا اور جن اعمال کو اس ماہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کرنے کا حکم فرمایا ہے، ان کو اسی طریقہ پر کرلیا جس طریقے سے کرنے کا حکم کیا گیا ہے، تو انشاء اللہ صبر کی صفت حاصل ہوجائے گی۔

## صبر سارے دین کا خلاصہ ہے

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سارے دین کا خلاصہ اور نچوڑ صبر ہی ہے، شریعت میں جو کچھ مطلوب ہے وہ صبر ہی سے حاصل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کا حصول بھی درحقیقت صبر کی جزا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں جنت کے نوازنے کا سبب بھی یہاں بیان فرمایا کہ انہوں نے صبر کیا تھا:

جَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝ (الدہر:۱۲)

''ان کو اللہ تعالیٰ نے جنت عطا فرمائی کیونکہ انہوں نے صبر کیا تھا''

اور جب جنت میں داخلہ ہوگا تو وہاں فرشتے جنتیوں سے کہیں گے کہ:

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ

''تم پر سلامتی ہو کہ تم نے صبر کیا، پس کیا ہی اچھا آخرت کا گھر ہے''

قرآن کریم نے جنت کی نعمتوں کا سبب صبر کو قرار دیا ہے، اور جگہ جگہ صبر کا حکم بھی فرمایا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا. (آل عمران:۲۰۰)

''اے ایمان والو! صبر کرو.........''

حضور اقدس ﷺ کے ارشاد کا مطلب ہے کہ اس مہینہ میں صبر کی تربیت حاصل کی جائے، کیونکہ یہی صبر ہے جو جنت میں لے جائے گا، اور صبر کے ذریعہ ہی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا، خلاصہ یہ کہ سارا دین دراصل صبر ہی میں سمٹا ہوا ہے، اور جنت کی ساری نعمتیں بھی اللہ تعالیٰ صبر کے سبب سے عطا فرما رہے ہیں۔

## صبر کی حقیقت

ہمارے یہاں صبر کا مفہوم یہ سمجھا جاتا ہے کہ جب کسی پر کوئی مصیبت آجائے تو وہ اس پر جزع فزع اور واویلا نہ کرے، لیکن یہ صبر کی ایک قسم ہے، صبر کا مطلب ہے ناگوار

چیز کو برداشت کرنا، اور قرآن کریم نے صبر کا لفظ وسیع معنی میں استعمال کیا ہے، جسکا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ناگوار چیز کو برداشت کرنا، یعنی اللہ کی بندگی کرتے ہوئے اور اس کی اطاعت میں جو ناگوار چیزیں پیش آرہی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے لئے برداشت کیا جائے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی طاعت کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن طبیعت اس طاعت کو کرنے پر آمادہ نہیں ہورہی، لیکن اللہ کی خاطر، طبیعت کے خلاف اس ناگواری کو برداشت کرتے ہوئے اس کام کو انجام دینے کا نام صبر ہے، جیسے نماز کے وقت آدمی نیند کی لذت میں ہے، سونے کے اسباب بھی میسر ہیں، اور سونے پر طبیعت کا اصرار بھی ہے، لیکن دل میں یہ خیال کرلے کہ نماز کا وقت ہے اور میرے اللہ نے نماز کا حکم دیا ہے، اور طبیعت کے تقاضے کو چھوڑ کر نماز کے لئے کھڑا ہوجائے تو یہ صبر ہے اور اسی صبر پر جزا ملے گی۔

اسی طرح طبیعت میں گناہ کا تقاضا پیدا ہورہا ہے اور دل کسی گناہ کے کرنے پر آمادہ ہے، جیسے کسی نامحرم پر نظر ڈالنے کے لئے طبیعت مچل رہی ہے، اور اس وقت طبیعت کو نامحرم پر نظر ڈالنے سے روکنا طبیعت پر بہت ہی دُشوار اور شاق ہے، لیکن اس ناگوار کام کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے برداشت کرلیا اور نامحرم پر نظر نہ ڈالی تو اس کا نام صبر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ

''جنت ناگوار چیزوں سے گھری ہوئی ہے''

یعنی جنت تک پہنچنے کے لئے ان ناگوار اور خلاف طبیعت چیزوں سے گزرنا پڑے گا، اور ان سے گزرے بغیر جنت حاصل نہیں ہوگی، لہٰذا ان کو برداشت کرنا پڑے گا جس کے لئے صبر کرنا ضروری ہے، چنانچہ مسلمان صبر کئے بغیر جنت میں نہیں پہنچ سکتا، صبر ہی جنت تک پہنچنے کی کنجی اور راستہ ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ:

حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ

''جہنم پر لذتوں کا پردہ پڑا ہوا ہے''

یعنی اگر کوئی خواہشوں اور لذتوں کے پیچھے چلے گا تو جہنم کے راستے پر چلے گا، کیونکہ گناہ دیکھنے میں تو بڑا خوش کن اور لذت والا ہوتا ہے اور اس کرنے میں اس وقت تو بڑا مزہ آتا ہے، لیکن جب گناہ کر کے اللہ کی بارگاہ میں پہنچیں گے تو اس وقت پتہ چلے گا کہ یہ سب جہنم والے اعمال تھے۔

حاصل یہ کہ دو ہی راستے ہیں، ایک تو یہ کہ انسان اپنے آپ کو ان خواہشات اور لذتوں کا تابع بنالے اور جو کچھ دل میں آئے کرتا چلا جائے، اگر ایسی زندگی گزار کر اللہ کی بارگاہ میں پہنچے گا تو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ ان خواہشات کو کچل کر اور دبا کر اللہ تعالیٰ کے لئے ان ناگوار اُمور کو برداشت کیا جائے، اگر ایسا کر لیا تو جنت کے اِردگرد کی فصیل کو طے کر لیا اور اب جنت میں داخلہ ہوگا اور فرشتوں کا سلام بھی ہوگا:

سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ. (الرعد:۲۴)

''تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر سے کام لیا تھا''

لہٰذا ہر شخص کو اپنے آپ کو خلافِ طبیعت اُمور پر صبر کرنے کا عادی بنانا چاہئے۔

## صبر کرنے سے ہر کام آسان ہو جاتا ہے

آج کل لوگ یہ شکوہ کرتے ہیں اور مجھے بھی خطوط میں یہ لکھتے ہیں کہ ہم کیا کریں؟ ارادہ کرتے ہیں لیکن سستی ہو جاتی ہے، کوئی کام بن نہیں پڑتا، کوئی علاج بتائیں کہ جس سے سستی ختم ہو جائے اور نماز پڑھیں تو اس میں مزہ آنے لگے۔

میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ شریعت نام ہی اس بات کا ہے کہ کسی طاعت میں مزہ آئے یا نہ آئے، اس میں دل لگے یا نہ لگے، اللہ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے اس طاعت کو کرو اور اپنے اوپر زبردستی کر کے اس طاعت کو انجام دو، اسی کا نام صبر ہے۔

## دنیا کمانے کے لئے بھی صبر کرنا ضروری ہے

یہ کوئی مشکل کام نہیں کہ آدمی سوچے کہ یہ کام میرے بس سے باہر ہے اور میں اس کو نہیں کرسکتا، یاد رکھئے! یہ محض شیطان کا دھوکہ ہے، کیونکہ یہ بات صرف جنت کے ساتھ مختص نہیں ہے کہ صبر کریں گے تو جنت ملے گی، بلکہ اگر غور کیا جائے تو دنیا میں کسی بھی چیز کو حاصل کرنے کے لئے صبر کرنا ہی پڑتا ہے۔

مثلاً دنیا کمانے کے لئے کاروبار، ملازمت یا تجارت وغیرہ کو اختیار کیا جاتا ہے، بالفرض اگر کسی نے ملازمت کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آٹھ گھنٹے روزانہ ڈیوٹی دے گا، یہاں بھی صبر کرنا پڑے گا، کیونکہ صبح اُٹھتے وقت نیند آرہی ہے اور دل یہ چاہتا ہے کہ ابھی تھوڑی دیر مزید آرام کرلیا جائے، لیکن ساتھ ہی یہ خیال آتا ہے کہ اگر سوگیا تو دفتر میں غیر حاضری لگ جائے گی اور تنخواہ کٹ جائے گی، اور اگر میں نے اس کی عادت بنالی تو ملازمت سے نکال دیا جاؤں گا، چنانچہ اس خوف نے طبیعت کے خلاف کام پر آمادہ کردیا، نینداور آرام کو چھوڑ کر طبیعت کے خلاف ملازمت کے لئے نکل پڑے۔

مغربی ممالک میں لوگوں کو دیکھا کہ ملازمت کے قواعد کی سختی کی وجہ سے ان کی اپنے بچوں سے ایک ہفتہ بعد ملاقات ہوتی ہے، کیونکہ ملازمت کی جگہ بہت دور ہے اس لئے صبح سویرے اُٹھنا پڑتا ہے، لہٰذا صبح سویرے ملازمت کے لئے نکلتے ہیں تو بچے سوئے ہوئے ہوتے ہیں اور رات کو جب واپسی ہوتی ہے تو طویل فاصلے کی وجہ سے دیر سے آتے ہیں اور بچے اس وقت بھی سوئے ہوئے ہوتے ہیں، کیا خیال ہے کہ ایسے لوگوں کا دل اپنے بچوں کے ساتھ کھیلنے اور ان سے باتیں کرنے کو نہیں چاہتا ہوگا؟ لیکن چونکہ تنخواہ ملنے کا شوق ہے اس لئے اس شوق میں نیند بھی قربان کی، بچوں کی محبت بھی قربان کی اور مشقت بھی اُٹھائی، بالفرض اگر ایسے کسی شخص کی ملازمت چھوٹ جائے اور کوئی اس کو مبارک باد دے کہ چلو تمہاری اس مصیبت سے جان چھوٹ گئی، رات کو دیر سے سونا اور صبح جلدی اُٹھنا

بھی نہیں پڑے گا اور اب تمہیں آسانی ہو جائے گی، تو وہ شخص یہی سمجھے گا کہ مبارکباد دینے والا میرے ساتھ دشمنی کر رہا ہے اور اس سے یہی کہے گا کہ خدا کے لئے میرے لئے دعا کرو کہ میری ملازمت دوبارہ لگ جائے، مجھے یہ سویرے اٹھنا اور بچوں سے دور رہنا اور مشقت اُٹھانا منظور ہے، یہ شخص اپنی طبیعت کے خلاف اتنی باتیں کیوں گوارا کر رہا ہے؟ اس لئے کہ اس کو تنخواہ حاصل کرنے کا شوق ہے اور اس کی طلب ہے، اس سے معلوم ہوا کہ صبر جنت کے لئے تو ضروری ہے ہی، لیکن دنیا کا کوئی کام بھی صبر کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

## دنیا میں تمام خواہشات کا پورا ہونا ناممکن ہے

دنیا پر نظر دوڑائیں اور بڑے بڑے لوگوں کے حالات دیکھیں تو ایسا کوئی شخص نہیں ملے گا جس کی ہر خواہش اور ہر چاہت پوری ہوئی ہو، خواہ کوئی بادشاہ وقت ہو یا بڑا سرمایہ دار ہو، کوئی بھی ایسا شخص نہیں جس کی ہر خواہش پوری ہوئی ہو اور اس کو کوئی ناگوار معاملہ پیش نہ آیا ہو، لہٰذا جب ہر خواہش کا پورا ہونا ممکن ہی نہیں اور ہر شخص کو کوئی نہ کوئی ناگوار بات پیش آ کر ہی رہتی ہے تو یہ ناگواری اللہ کے لئے کیوں نہ ہو؟ جب خواہشوں کا توڑنا اور لذتوں کا چھوڑنا اللہ کے لئے ہو جائے گا تو پھر جنت میں فرشتوں کی طرف سے بھی سلام آئے گا:

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (الرعد:۲۴)

"تم پر سلام ہو کہ تم نے صبر کیا، پس کیا ہی اچھا آخرت کا گھر ہے"

## روزہ میں صبر کی مشق کروائی جاتی ہے

رسول اللہ ﷺ کا اس مہینہ کو "شَهْرُ الصَّبْرِ" کہنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ ہم صبر کی مشق کریں، کیونکہ روزے میں کھانے سے رکنا پڑتا ہے، اور یہ رُکنا لامحالہ طبیعت پر ناگوار بھی ہوتا ہے، لیکن روزے کے ذریعہ اس بات کی عادت ڈلوائی جا رہی ہے کہ بھوک لگ رہی ہو اور کھانا بھی سامنے ہو، لیکن اللہ جل جلالہ کے لئے کھانا چھوڑ دیا جائے اور طبیعت کے خلاف جو امر تھا اس کو برداشت کیا جائے۔

اسی طرح روزے میں سخت پیاس لگ رہی ہے، سخت گرمی ہے، بہت سے ممالک میں تو اس قدر زیادہ گرمی ہوتی ہے کہ آسمان سے آگ برستی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور زمین شعلے اُگلتی دکھائی دیتی ہے، خاص طور سے حجاز کے علاقوں میں تو بہت سخت گرمی پڑتی ہے، اب تو ایئر کنڈیشنر کی وجہ سے گرمی کی حدت محسوس نہیں ہوتی، لیکن جس وقت اس کا رواج عام نہیں تھا اس وقت ہم نے ایسے رمضان بھی دیکھے ہیں کہ ظہر کے وقت میں پتھر پر پاؤں رکھ دیں تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ انگارے پر پاؤں رکھ دیا، اور اشراق سے پہلے ہی لوگوں کے حلق میں پیاس کی وجہ سے کانٹے پڑ جاتے تھے، اس لئے جس وقت روزے میں ایسی پیاس لگ رہی ہے اور روزہ دار کمرے میں اندر بیٹھا ہوا ہے، کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے، تو کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں ملے گا جو روزہ رکھنے کے بعد پیاس کی شدت کی وجہ سے روزہ توڑ دے۔

چنانچہ (شَهْرُ الصَّبْرِ) میں اس بات کی تربیت دی جارہی ہے کہ اپنی لذتوں اور خواہشات کے پیچھے مت بھاگو، طبیعت کے غلام مت بنو، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے غلام بنو، کسی بھی کام سے رُکنے کے لئے جب اللہ کا حکم آجائے تو رُک جاؤ۔

## رمضان کا پورا مہینہ صبر کا مہینہ ہے

رسول اللہ ﷺ نے اس مہینہ کو (شَهْرُ الصَّبْرِ) فرما کر ہماری توجہ اس طرف دلائی ہے کہ صبر صرف روزہ کی حد تک محدود نہیں رہنا چاہئے، بلکہ یہ پورا مہینہ ہی صبر کا ہے، اس کا ہر لمحہ اور ہر گھڑی صبر کی ہے، لہٰذا اگر اس مہینہ میں طبیعت کے خلاف اُمور پیش آئیں تو ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاطر برداشت کرو، اس لئے اس مہینہ میں نگاہ کی بھی حفاظت کرو کہ غلط جگہ نہ پڑے، زبان کی بھی حفاظت کرو کہ کوئی غلط اور جھوٹ بات زبان سے نہ نکلے، کسی کی غیبت نہ ہو، کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکلے جس سے کسی کی دل آزاری ہو، لڑائی جھگڑے اور غصہ سے بچو۔

## صبر کے ذریعہ غصہ کا علاج

جب انسان کو غصہ آتا ہے تو اس کو غصہ کی تسکین میں بہت مزہ آتا ہے، اور دل یہ چاہتا ہے کہ جس پر غصہ آرہا ہے اس کا منہ نوچ لے، اور اس کو ایسی سنائے کہ اس کی پشتیں بھی یاد رکھیں، لیکن اس موقع پر بھی صبر کرنا چاہئے، لہٰذا جب کسی پر غصہ آئے اور کسی سے لڑائی کرنے کو دل چاہے تو اللہ کی خاطر اپنے آپ کو روک لینا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو متقین میں شمار کیا ہے، جو اپنے غصہ کو پی جاتے ہیں اور قرآنِ مجید میں ان کی تعریف فرمائی ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ. (آلِ عمران:۱۳۴)

"جو غصے کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں"

اسی لئے فرمایا کہ جب روزہ کی حالت میں ہو تو غصہ پینے کی مشق کرنی چاہئے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

فَإِنْ جَهِلَ عَلَيْكُمْ أَحَدٌ فَلْيَقُلْ إِنِّيْ صَائِمٌ

"اگر کوئی تمہارے خلاف جہالت کی بات (لڑائی) کرنے لگے تو اس سے کہہ دو کہ میرا روزہ ہے"

یعنی جھگڑا کرنے والے سے یہ کہہ دو کہ میں لڑائی جھگڑا نہیں کرنا چاہتا کیونکہ میرا روزہ ہے، اور روزہ کا تقاضا یہ ہے کہ نہ تو غصہ کا مظاہرہ ہو، اور نہ ہی لڑائی جھگڑا ہو، لہٰذا تم مجھ سے جتنا بھی جھگڑا کرلو میں تمہیں اس کا جواب نہیں دوں گا، اس سے معلوم ہوا کہ روزہ صرف کھانے پینے سے رُکنے کا نام نہیں ہے، بلکہ غصہ سمیت ہر معصیت سے رُکنے کا نام ہے، کیونکہ یہ (شَهْرُ الصَّبْرِ) ہے، اور اس مہینہ میں ہر گناہ سے رُکنے کی تربیت ہو رہی ہے۔

## صبر کی مشق کرنے سے صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے

اگر دیکھا جائے تو صبر کرنا بڑا مشکل کام ہے، کیونکہ کوئی انسان ایسا نہیں جس کے

دل میں خواہشات پیدا نہ ہوتی ہوں، اور بسا اوقات ان خواہشات کا تقاضا اس قدر شدید ہو جاتا ہے کہ آدمی ان سے مغلوب ہونے لگتا ہے، اس لئے ابتداء میں ان خواہشات کو دبانا اور ان کو طبیعت کے خلاف کچلنا بظاہر بہت ہی مشکل محسوس ہوتا ہے، لیکن جوں جوں آدمی طبیعت کے خلاف ان پر صبر کرتا جائے تو اس کے لئے صبر کرنا آسان ہوتا چلا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعت، اس کے مزاج اور اس کی ہمت وحوصلے کو ربڑ کی طرح بنایا ہے، جس طرح چھوٹی سی ربڑ کو رہنے دیا جائے تو وہ اتنی ہی رہتی ہے، لیکن اگر اس کو کھینچا جائے تو جتنا اس کو کھینچتے جائیں گے، اتنی ہی لمبی ہوتی چلی جائے گی، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت اور حوصلے کو بنایا ہے کہ جتنا چاہے اس کو کھینچ لو اور جتنا چاہے اس کو تنگ کرلو۔

فرض کریں کہ ایک آدمی پیدل چلنے سے گھبراتا ہے اور زیادہ چلنے سے تھک جاتا ہے، لیکن اگر کبھی ایسا موقع آجائے کہ پیدل چلنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ ہی نہ بچے، مثلاً کسی جنگل میں بھٹک گیا جہاں نہ کوئی سواری دستیاب ہے اور نہ ہی کوئی اس کا مددگار ہے، ایسی صورت حال میں یہی آدمی پیدل چلے گا، شروع میں تو مشقت ہوگی، تھکن بھی ہوگی لیکن رفتہ رفتہ عادت ہو جائے گی۔

اسی طرح بہت سے ایسے لوگ جو چند قدم چلنے سے بھی گھبراتے ہیں لیکن جب حرم میں پہنچتے ہیں تو وہاں بہت زیادہ پیدل چلنا پڑتا ہے، خواہ کیسا ہی سرمایہ دار اور کتنا ہی دولتمند انسان ہو وہاں جا کر اللہ تعالیٰ سب کے دماغ سے دولت مندی اور عہدے کا خناس نکال دیتے ہیں، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دولت کے بل پر سب انتظام کئے ہوتے ہیں، گاڑی بھی موجود ہے اور سب اسباب بھی میسر ہیں لیکن عین وقت پر پتہ چلتا ہے کہ ڈرائیور موجود نہیں ہے، اور کوئی دوسرا ڈرائیور بھی فوری طور پر دستیاب نہیں ہے، لہٰذا مجبوری میں پیدل ہی چلنا پڑتا ہے، چنانچہ بڑے بڑے سرمایہ داروں کو وہاں پیدل چلنے کی مشقت

اُٹھاتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے، درحقیقت اللہ تعالیٰ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ تمہیں اس مشقت کو اُٹھانے کے لئے ہی تو یہاں بلایا ہے، تا کہ تمہارے دل سے دولت اور عہدے کا خناس نکل جائے اور تمہاری آرام پسندی اور تن آسانی کو توڑا جائے اور یہ سبق سکھایا جائے کہ تم یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے اندر پیدل چلنے کی طاقت نہیں ہے تو تمہارا یہ سمجھنا غلط تھا، تمہارے اندر طاقت تھی لیکن تم نے اس کا اب تک صحیح استعمال نہیں کیا تھا، اب صحیح استعمال کیا تو پتہ چلا کہ پیدل چل سکتے تھے۔

## گناہوں سے بچنے کی طاقت ہر انسان میں ہوتی ہے

اسی طرح انسان بہت سے گناہوں سے بچنے کے بارے میں یہی سوچتا ہے کہ میرے اندر ان سے بچنے کی طاقت نہیں ہے، اور ان سے بچنا شروع میں اس کو بہت ہی دُشوار لگتا ہے، اور اس میں تکلیف محسوس ہوتی ہے، لیکن ایک مرتبہ جب ان سے بچنا شروع کر دیتا ہے تو پھر رفتہ رفتہ اس کی عادت پڑ جاتی ہے اور ان سے بچنا آسان معلوم ہوتا ہے، اور دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ میں اپنے مالک، اپنے خالق اور محبوبِ حقیقی کی وجہ سے یہ تکلیف اُٹھا رہا ہوں، پھر تکلیف اُٹھانے میں بھی مزہ آنے لگتا ہے، کیونکہ جب کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو اس کی خاطر ہر تکلیف اُٹھانے میں مزہ آتا ہے۔

## محبوب کی محبت میں ہر تکلیف گوارا ہوتی ہے

فرض کریں کہ آپ کو اپنے باپ سے محبت ہے، اور اس محبت کی وجہ سے آپ اس کی خدمت کرتے ہیں، اس کی مالش کرتے ہیں، اس کا بدن دباتے ہیں، اگر آپ بہت دیر تک مالش کریں گے تو لامحالہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ آپ کو تھکن ہوگی لیکن اس تھکن میں بھی آپ کو مزہ آئے گا، کیونکہ آپ کے دل میں یہ خیال آئے گا کہ میں یہ تھکن اپنے باپ، اپنے محسن اور اپنے محبوب کے لئے برداشت کر رہا ہوں، اور رفتہ رفتہ آپ کیلئے وہ تکلیف بھی آسان ہوتی چلی جائے گی، اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر یہ عجیب خوبی رکھی کہ جب اس کو مسلسل کوئی تکلیف ملتی

ہے تو رفتہ رفتہ وہ تکلیف اس کے لئے آسان ہوتی چلی جاتی ہے، غالب کا شعر ہے کہ ع

مشکلیں اتنی پڑی مجھ پر کہ آساں ہوگئیں

## کسی کام کا مسلسل کرنا اس کی تکلیف کو ختم کر دیتا ہے

جب ہم دارالعلوم نانک واڑہ میں پڑھتے تھے تو اس وقت وہاں قطر کے ایک شیخ تشریف لائے، ان کی کسی جگہ دعوت تھی اور ہم بھی اس میں شریک تھے، عربوں کے یہاں ایک قہوہ پیا جاتا ہے، لہٰذا اسی دستور کے مطابق سب کو قہوہ دیا گیا، عرب اس کو بڑے مزے سے پی رہے تھے، اس لئے ہم نے خیال کیا کہ یہ کوئی بہت ہی خوش ذائقہ مشروب ہے، جب ہمارے سامنے رکھا گیا تو ہم نے اسی تصور کے ساتھ جب اس کا پہلا گھونٹ بھرا تو وہ بہت ہی کڑوا محسوس ہوا، اور اسکو حلق سے اُتارنا مشکل ہوگیا، اس کو پی کر فوراً سر میں درد ہوگیا، اور حیرانی ہوئی کہ اتنے کڑوے اور بدذائقہ مشروب کو یہ لوگ مزے لے کر پی رہے ہیں، لیکن بعد میں جب ہمارا عربوں کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا ہوا تو ان کی کوئی مجلس اس قہوے سے خالی نہیں ہوتی تھی، اس لئے سب کے ساتھ ہمیں بھی وہ مشروب پینا پڑتا تھا، چنانچہ رفتہ رفتہ اس مشروب کی کڑواہٹ اور اس کو پینے کی تکلیف کم ہوتے ہوتے ختم ہی ہوگئی اور ایک وقت ایسا آیا کہ اس مشروب کو پینے میں مزہ آنے لگا، کیونکہ کسی کام کی مشق اور اس کی عادت تکلیف دہ کام کو بھی آسان بنا دیتی ہے۔

یہی صورتِ حال اس وقت ہمارے ساتھ پیش آئی جب ہم ۱۹۶۳ء میں پہلی مرتبہ عمرے کو گئے، اس وقت وہاں دیکھا کہ زیتون بک رہے ہیں، میں نے اس کا نام تو سنا تھا لیکن کھایا کبھی نہیں تھا، بیچنے والے نے ان کو ایک پیالے میں اُوپر رکھا ہوا تھا اور نیچے ان کا تیل چھوٹ رہا تھا، دور سے ایسا لگتا تھا کہ چھوٹی چھوٹی گلاب جامن رکھی ہوئی ہیں، کیونکہ ان سے بھی اسی طرح رس ٹپک رہا ہوتا ہے، ہم سمجھے کہ یہ بھی گلاب جامن کی طرح کی کوئی میٹھی چیز ہوگی اس لئے خرید کر کھالیا، کھایا تو پتہ چلا کہ میٹھا تو کجا یہ تو انتہائی درجہ کڑوا اور کسیلا ہے، کسی طرح اس کو تھوک کر گزارا کیا، لیکن رفتہ رفتہ جب اسے کھانا شروع کیا تو اس کی عادت بن گئی اور اس کے کھانے میں لذت آنے لگی۔

حاصل یہ کہ طبیعت کے خلاف ہر کام شروع میں تو بہت ہی دُشوار اور تکلیف دہ ہوتا ہے، لیکن مسلسل کرنے سے وہ کام عادت میں تبدیل ہو جاتا ہے، اور عادت میں تبدیل ہونے کے بعد اس کام میں لذت آنے لگتی ہے۔

بے نمازی جب پہلی مرتبہ نماز پڑھنے جاتا ہے تو اس کو بہت ہی مشقت اور تکلیف محسوس ہوتی ہے، لیکن رفتہ رفتہ مشق کرنے سے وہ نماز کا عادی بن جاتا ہے، اور ایسی عادت ہو جاتی ہے کہ جب تک نماز پڑھ نہیں لیتا، اس وقت تک اسے چین نہیں آتا۔

صبر ایسی چیز ہے کہ شروع میں تو کڑوا ہوتا ہے (اتفاق سے عربی زبان میں ایلوا جو کہ کڑوا ہوتا ہے اس کو بھی "صبر" کہتے ہیں)، لیکن جوں جوں آدمی اس کی مشق کرتا جاتا ہے تو اس کی کڑواہٹ دور ہوتی چلی جاتی ہے، اور رفتہ رفتہ آدمی اس کا عادی ہو جاتا ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کے بغیر آدمی کو چین ہی نہیں آتا۔

## مولانا مظفر حسین کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب واقعہ

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ رات کو سفر کرتے ہوئے تہجد کا وقت آگیا، اس وقت سفر بیل گاڑی پر ہوتا تھا اور ایک بیل گاڑی پر بہت سے افراد سوار ہوتے تھے، اب تہجد پڑھنے کے لئے نہ تو بیل گاڑی رُکوا سکتے تھے اور نہ ہی بیل گاڑی میں پڑھ سکتے تھے، کیونکہ اس میں جگہ نہیں تھی، اس کا انہوں نے یہ طریقہ نکالا کہ بیل گاڑی سے اُتر کر دوڑ کر اتنی دور چلے گئے کہ بیل گاڑی کے وہاں پہنچنے تک آسانی اور اطمینان کے ساتھ دو رکعت پڑھ سکیں، جب دو رکعت ادا کر چکے اور بیل گاڑی قریب پہنچی تو پھر دوڑ کر اس سے اتنی ہی دور چلے گئے اور دو رکعت ادا پڑھ لی، غرض اس طرح انہوں نے تہجد کی آٹھ رکعتیں پوری کیں، اب کوئی ان سے کہہ سکتا تھا کہ سفر میں تو فرض نماز بھی آدھی ہو جاتی ہے اور تہجد کی نماز تو فرض بھی نہیں ہے، آپ اتنی مشقت نہ اُٹھائیں لیکن ان کو تہجد پڑھے بغیر چین ہی نہیں آتا تھا۔

اگر کوئی آدمی پہلی مرتبہ تہجد کے لئے اُٹھے تو اس کو بڑی ہی مشقت اور تکلیف ہوگی، نیند کو چھوڑنا بہت دشوار محسوس ہوگا، لیکن جب طبیعت کے خلاف نیند کو قربان کرکے اس کی پابندی اور مشق کی جائے تو اس کی عادت پڑ جائے گی اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس کے بغیر چین ہی نہیں آئے گا۔

رمضان المبارک کو رسول اللہ ﷺ نے (شَھرُ الصَّبر) قرار دیا ہے تو ہمیں چاہئے کہ اس کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھیں، اور اس میں پیش آنے والے ہر خلاف طبیعت کام کو برداشت کریں، کیونکہ جب بندہ یہ تصور کرلے کہ میں ہر خلاف طبیعت کام اور ہر ناگوار چیز اللہ تعالیٰ کی خاطر برداشت کررہا ہوں تو بندے کو اس میں لطف بھی آنے لگتا ہے۔

## محبوب کی خاطر تکلیف برداشت کرنے کی ایک مثال

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس کی مثال ایسے ہے جیسے تمہارا محبوب پیچھے سے آکر تمہاری کولی بھرلے اور تمہیں خوب دبائے، یہاں تک کہ تمہاری پسلیاں دبنے لگیں، اور تمہیں تکلیف ہوتی دیکھ کر محبوب کہے کہ تمہیں تکلیف ہورہی ہے اس لئے تمہیں چھوڑ کر کسی اور کو دبالوں، تو تم یہ کہو گے کہ ہزار تکلیفیں تو گوارا ہیں لیکن تم سے دور ہونا گوارا نہیں ہے:

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

آدمی کو اپنے محبوب سے کوئی تکلیف بھی پہنچتی ہے تو اس میں اس کو لذت محسوس ہوتی ہے، اور وہ اس کو برداشت کرتا ہے کہ یہ تکلیف میرے محبوب کی رضا کی خاطر ہے۔

## رمضان میں صبر کی مشق کریں

خلاصہ یہ کہ رمضان المبارک کو صبر کی مشق اور اس کی تربیت کا ذریعہ بنایا جائے، نفس کی غلط خواہشات سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کرنی چاہئے، اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں

جو سستی ہورہی ہے اس کو دور کرنے کی مشق کی جائے۔

مثلاً عام دنوں میں نوافل پڑھنے میں سستی ہوتی ہے تو رمضان میں ان کا اہتمام ہونا چاہیے، کتنی ہی سستی کیوں نہ ہو دل پر جبر کرکے نوافل پڑھنے کی کوشش کریں، اسی طرح عام دنوں میں تلاوت میں سستی ہوجاتی ہے لیکن اس ماہِ مقدس میں زیادہ سے زیادہ اس کا اہتمام کیا جائے، عام دنوں میں مجلس آرائی ہوتی ہے اور گپ شپ کے نام پر بہت سا وقت ضائع ہوجاتا ہے، لیکن اس مہینے میں پوری کوشش کرکے اپنے آپ کو اس سے بچائیں اور وقت کو کام میں لگائیں، عام دنوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی توفیق نہیں ہوتی لیکن اس مہینے میں نفس پر جبر کرکے اسے اللہ کے ذکر میں لگائیں، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں، کوشش کریں کہ زبان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہے، ذکر میں تیسرا کلمہ:

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ.

اہتمام سے پڑھا جائے، جو بات بھی زبان سے نکلے تو صحیح نکلے، فضول کلام سے اپنے آپ کو بچائیں، صرف کام کی بات زبان سے نکالیں اور لوگوں سے ضرورت کی حد تک میل جول رکھیں۔

اگر ہم نے اس طرح صبر کے مہینہ کو گزار لیا تو ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمادیں گے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍO (الزمر:۱۰)

''صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنا اجر دیا جائے گا کہ گنتی بھی ختم ہوجائے گی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اس مہینہ میں صبر کرنے کی توفیق عطا فرمادیں، آمین۔

''وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ''

# رمضان اور حقیقتِ صبر (۲)

۱۵ راگست ۲۰۱۲ء بروز اتوار
جامعہ دار العلوم کراچی

# اقتباس

"حدیث قدسی ہے کہ بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے"

# رمضان اور حقیقتِ صبر (۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○ (آلِ عمران:۲۰۰)

رسول اللہ ﷺ نے رمضان سے ایک دن پہلے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں رمضان المبارک کے فضائل اور اس کی اہمیت بیان فرمائی، اور فرمایا کہ تم پر ایک ایسا مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے، جس کی صفت یہ ہے کہ:

شَهْرٌ عَظِيْمٌ، شَهْرٌ مُّبَارَكٌ

”بہت عظیم اور بہت برکتوں والا مہینہ ہے“

اور اس کی مزید تفصیل بیان فرمائی کہ:

هُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ

”یہ مہینہ صبر اور مواساۃ کا مہینہ ہے“

## صبر پورے دین کا خلاصہ ہے

صبر درحقیقت پورے دین کا خلاصہ ہے، اُردو میں صبر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تکلیف پہنچنے پر جزع فزع اور واویلا نہ کیا جائے، لیکن قرآن مجید میں صبر کا مفہوم بہت وسیع ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ صبر کا حکم فرمایا ہے، اس سلسلہ میں جامع ترین آیت سورۂ آلِ عمران کی ہے جو ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی گئی ہے، اور اسی پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ آلِ عمران کو ختم فرمایا ہے۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے چار کاموں کے کرنے کا حکم فرمایا ہے:

(۱)......(اِصْبِرُوْا) یعنی صبر کرو۔

(۲)......(صَابِرُوْا) یعنی مصابرۃ کرو۔

(۳)......(رَابِطُوْا) یعنی مرابطۃ کرو۔

(۴)......تقویٰ اختیار کرو۔

ان چار کاموں پر اللہ تعالیٰ نے مسلمان کی فلاح کو موقوف فرمایا ہے، آج کے اس بیان میں ان چاروں کاموں میں سے ''صبر'' کی کچھ وضاحت کی جائے گی۔

## صبر کی تعریف اور اس کی قسمیں

صبر کرنے کا مطلب ہے کہ طبیعت کے خلاف پیش آنے والی ناگوار بات کو برداشت کرلینا۔ اہلِ علم نے صبر کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں:

(۱)......صبر علی الطاعۃ (طاعت کرنے میں پیش آنے والی مشقت پر صبر کرنا)

(۲)......صبر عن المعصیۃ (گناہ سے رکنے کی کوشش میں آنے والی مشقت پر صبر کرنا)

(۳)......صبر علی المصیبۃ (کسی مصیبت پر صبر کرنا)

## صبر علی الطاعۃ کا مطلب

صبر علی الطاعۃ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی طاعت کا حکم

ہے اور نفس کو اس طاعت کے کرنے میں تکلیف اور ناگواری محسوس ہو رہی ہے، لیکن آدمی اس تکلیف کو برداشت کر کے اللہ تعالیٰ کا حکم بجالائے، مثلاً نماز پڑھنے کو دل نہیں چاہ رہا لیکن اللہ کا حکم سمجھ کر تکلیف برداشت کرے اور نماز پڑھے تو یہ صبر علی الطاعة ہے۔

جتنا زیادہ صبر ہوگا اجر بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا، جس کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت نماز پڑھنے کو بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا، لیکن اللہ کا حکم سمجھ کر نماز پڑھ لی تو یہ صبر کا بڑا اعلیٰ مقام ہے اور اس کا اجر بھی زیادہ ہے۔

## ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہ ایسا نکتہ ہے کہ جس میں بڑے بڑے لوگ غلط فہمی کا شکار ہو گئے، لوگ جب نماز پڑھتے ہیں تو عام طور سے یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ نماز پڑھنے میں کوئی لطف نہیں آتا، فرض سمجھ کر اس ذمہ داری کو نبھاتے ہیں، لیکن اس میں مزہ نہیں آتا، یہ ناقدری کے کلمات ہیں جو بسا اوقات ہماری زبانوں پر جاری ہو جاتے ہیں، اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر نماز میں لطف نہ آیا اور دل نہ لگا تو معاذ اللہ! ہماری نماز ناقص اور بیکار ہے۔

اس قسم کی سوچ حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہے، کیونکہ اگر نماز پڑھنے کو دل نہیں چاہ رہا اور نماز پڑھنے میں کوئی مزہ بھی نہیں آرہا، لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر نماز پڑھ لی تو سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر لکھا گیا، بشرطیکہ نماز سنت کے مطابق ادا کی ہو، سنت کے مطابق ادا کرنے میں یہ بات بھی داخل ہے کہ آدمی اپنی طرف سے نماز میں خشوع پیدا کرنے کی پوری کوشش کرے۔

## نماز میں خشوع کا مطلب

نماز کو خشوع سے پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت زبان سے جو الفاظ نکل رہے ہیں ان کی طرف دھیان دینے کی پوری کوشش کی جائے، اور اس کوشش میں اگر دھیان کسی دوسری طرف ہو بھی گیا تو دوبارہ کوشش کر کے اپنی توجہ الفاظ کی طرف کر لی

جائے، اگر کسی نے نماز کو اس طریقہ سے ادا کیا تو اس کو نماز میں صبر کرنے کا اجر حاصل ہو گیا، خواہ اس نماز میں اس کو بالکل بھی مزہ نہ آیا ہو۔

## نماز کو مزہ لینے کے لئے نہ پڑھو

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ سے جب لوگ یہ شکایت کرتے کہ نماز میں مزہ بالکل نہیں آتا تو حضرت مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ: "مزہ تو نمدی میں ہے" مطلب یہ ہوتا تھا کہ نماز کو مزے کی خاطر نہ پڑھو، بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر پڑھو، اگر مزے لینے کے لئے نماز پڑھنی ہے تو وہ نماز اللہ کے لئے نہ ہوئی بلکہ مزے لینے کے لئے ہوئی اور اس کا اخلاص ختم ہو گیا۔

## کس نماز کا اجر زیادہ ہے؟

ہمارے حضرت والا ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی قدس اللہ سرہٗ ایک مثال سے سمجھایا کرتے تھے کہ دو آدمی ہیں، ان میں سے ایک ریٹائرڈ زندگی گزار رہا ہے، ساری زندگی کی کمائی رکھی ہوئی ہے اس لئے نہ اسے ملازمت کی فکر ہے اور نہ ہی معاش کی کوئی ذمہ داری اس پر ہے، جیسے ہی اذان ہوتی ہے یہ اچھی طرح مسنون طریقہ سے وضو کر کے مسجد میں آجاتا ہے اور صفِ اول میں دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھتا ہے، اگر نماز سے پہلے کی سنتیں ہوں تو وہ بھی ادا کرتا ہے، اس کے بعد جماعت کے وقت تکبیر اولیٰ کے ساتھ خشوع وخضوع سے نماز ادا کرتا ہے، چونکہ اس کو کوئی فکر نہیں ہے اور ہر پریشانی سے آزاد ہے اس لئے نماز میں بھی خوب دل لگتا ہے اور (اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ) کی صورتِ حال کے ساتھ نماز میں اطمینان کے ساتھ مشغول رہتا ہے، اللہ کے ذکر میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس کا دل مطمئن ہوتا ہے:

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ O (الرعد:۲۸)

دوسری طرف وہ غریب آدمی ہے جو ٹھیلے پر سامان لگاتا ہے اور اس کے ذریعہ اپنے

بیوی بچوں کا پیٹ پالتا ہے، اس کو یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ اگر شام تک میرا یہ سامان نہ بکا تو میں اپنے بچوں کو کہاں سے کھلاؤں گا، چنانچہ اسی فکر میں گاہکوں میں اُلجھا ہوا ہے کہ اچانک کانوں میں اذان کی آواز آگئی، اب یہ ٹھیلے کو کسی محفوظ جگہ لگا کر مسجد میں نماز کے لئے اس حالت میں پہنچتا ہے کہ اسکا دل و دماغ کہیں اور ہے، اور عین اس وقت نماز میں شامل ہوتا ہے جب نماز کھڑی ہو رہی ہوتی ہے، نماز میں اس حال میں کھڑا ہے کہ اس کے دل میں خیالات آرہے ہیں کہ میں ٹھیلہ جہاں کھڑا کر کے آیا ہوں کوئی وہاں سے سامان چوری کر کے نہ لے جائے، کبھی یہ خیال آرہا ہے کہ جب نماز کے لئے آیا تھا تو ایک گاہک کو کہہ کر آیا تھا کہ نماز کے بعد سامان دوں گا، کہیں میرے نماز پڑھنے کے دوران وہ چلا نہ جائے، غرض یہ کہ پوری نماز کے دوران اس کے دل و دماغ میں اس طرح کے خیالات کا ایک ہجوم رہتا ہے۔

حضرت والا فرماتے تھے کہ اگرچہ نماز میں اس کا دھیان نہیں ہے، اور اس کا دل و دماغ ٹھیلے اور گاہکوں میں اُلجھا ہوا ہے، لیکن یہ پھر بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے کے لئے اللہ کی بارگاہ میں کھڑا ہوا ہے، اس نماز میں اس کو مزہ تو بالکل نہیں آیا لیکن یہ صبر والی نماز ہے، کیونکہ یہ اپنی طبیعت کے خلاف، اپنی معاشی ضروریات اور اپنی خواہشات کو دھکا دے کر اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہوا ہے اور پوری کوشش کرتا ہے کہ اللہ کی طرف توجہ کرلے اور نماز میں خشوع وخضوع پیدا ہو جائے، لیکن جن دھندوں سے نمٹ کر آرہا ہے ان کا خیال اس کے دماغ میں غیر اختیاری طور پر بار بار آجاتا ہے جس کی وجہ سے نماز میں توجہ نہیں رہتی۔

ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں آدمیوں کا حال بیان فرما کر پوچھتے تھے کہ بتاؤ ان میں سے کس کی نماز زیادہ بہتر ہے، پہلے آدمی کی یا دوسرے آدمی کی؟ اور کس کی نماز میں روحانیت زیادہ ہے؟

پھر خود ہی اس کا جواب دیا کرتے تھے کہ اگرچہ پہلے آدمی کو نماز میں لطف آرہا ہے

اور وہ پورے دھیان سے نماز پڑھ رہا ہے، لیکن دوسرے آدمی کی نماز میں روحانیت زیادہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا اجر بھی زیادہ ہے، کیونکہ یہ اپنے نفس کی مشقتوں کو برداشت کرکے نماز کے لئے کھڑا ہوگیا، یہ صبر والی نماز ہے اور صبر کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ○ (الزمر:۱۰)

"صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا"

## اصل چیز اللہ کا حکم ہے

اس لئے مزے کے پیچھے نہیں جانا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مطالبہ ہو رہا ہے اس کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اگر مزہ آجائے تو یہ اللہ کی نعمت اور اس کی طرف سے بخشش ہے، اور اگر مزہ نہ آئے تو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ نماز بیکار گئی، بلکہ ایسی نماز میں ان شاء اللہ تعالیٰ زیادہ اجر ملنے کی توقع ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی قرآن کریم کی تلاوت اٹک اٹک کر کرتا ہو (بشرطیکہ درست پڑھ رہا ہو) تو اس کو روانی سے پڑھنے والے کی بہ نسبت دوگنا ثواب ملے گا، کیونکہ روانی سے پڑھنے والے کو قرآن پڑھنے میں لطف بھی آئے گا، جبکہ اٹک کر پڑھنے والے کی طبیعت قرآن پڑھنے پر آمادہ نہیں ہوگی، اور اس کو قرآن پڑھنے میں تکلیف اور مشقت بھی اٹھانی پڑے گی، لیکن یہ پھر بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں پڑھ رہا ہے۔

## حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جو سید الطائفہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے اتباع سنت اور بدعات سے دوری ان کی گھٹی میں شامل کردی تھی، حکیم الامت تھانوی قدس اللہ سرہٗ بھی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے شیخ جیسا سمجھتے تھے اور ہر معاملے میں ان سے مشاورت فرمایا کرتے تھے، اسی طرح

ہمارے دادا حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اہلیہ کا بھی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی تعلق تھا اور ان کی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے خط و کتابت بھی رہتی تھی۔

آخری عمر میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بینائی چلی گئی تھی کیونکہ ان کی آنکھ میں موتیا اتر آیا تھا، ڈاکٹروں نے ان کو آپریشن کا مشورہ دیا، لیکن انہوں نے اس کی اجازت نہ دی، حالانکہ موتیا کے آپریشن کے بعد بینائی بحال ہو جاتی ہے، اس آپریشن کی اجازت نہ دینے کی وجہ ایک مرتبہ بیان فرمائی کہ اس کی وجہ سے کچھ نمازیں جماعت سے رہ جاتیں، فرماتے تھے کہ ایسی بینائی کس کام کی کہ اللہ تعالیٰ کے حضور جماعت کی نمازیں قضاء ہو جائیں۔

اس زمانے میں حضرت کے پاس ایک گھڑی تھی جس کے اوپر کا شیشہ انہوں نے نکلوا دیا تھا، کیونکہ بینائی نہ ہونے کی وجہ سے وقت نہیں دیکھ سکتے تھے اس لئے گھڑی کی سوئیوں پر ہاتھ رکھ کر اندازہ لگاتے تھے کہ کیا وقت ہوا ہے، انہوں نے وہ گھڑی میرے دادا حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو تحفے میں دی تھی، حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہٗ نے بھی اس کو بڑے اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا، بعد میں یہ گھڑی میرے حصے میں آئی اور آج بھی میرے پاس محفوظ ہے۔

## حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا محمد یٰسین رحمۃ اللہ علیہما کا تعلق

میں نے اپنے دادا رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تو نہیں لیکن ان کے بارے میں اپنے والد قدس اللہ سرہٗ سے سنا کہ انہوں نے دار العلوم دیوبند میں ساری زندگی فارسی اور ریاضی پڑھائی، لوگوں کی چار چار پشتیں ان کی شاگرد ہیں، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبق تھے اور پورے عالم دین تھے لیکن بزرگوں نے فارسی اور ریاضی پڑھانے پر لگا دیا تو ساری عمر اسی میں گزار دی، چونکہ حضرت گنگوہی کے مرید تھے اس لئے ان سے ملنے گنگوہ بھی

تشریف لے جاتے تھے، دیوبند سے گنگوہ کا اچھا خاصا فاصلہ ہے، لیکن ہم نے ان کے بارے میں سنا کہ تقریباً ہر جمعرات کو سبق سے فارغ ہو کر پیدل ہی گنگوہ کی طرف روانہ ہو جاتے، کیونکہ اس وقت تیز رفتار سواری کا کرایہ بہت زیادہ تھا، اور بیل گاڑی کا کرایہ اگرچہ کم تھا لیکن وقت پیدل چلنے کے برابر ہی صرف ہوتا تھا، رات کو کسی وقت گنگوہ پہنچتے اور رات حضرت کی خدمت میں گزارتے، اگلے دن جمعہ کی نماز پڑھ کر وہاں سے دیوبند واپس ہوتے تاکہ ہفتہ کے دن سبق سے پہلے پہنچ سکیں۔

## حضرت مولانا محمد یٰسین رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ کے حالات

ہم نے اپنے دادا رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت تو نہیں کی، لیکن الحمدللہ دادی کی زیارت بکثرت رہی، لیکن اب خیال آتا ہے کہ ہم ان کے مقام کو صحیح طور سے پہچان نہ سکے، پڑھی لکھی نہیں تھیں، لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کی ہر سانس کے ساتھ اللہ، اللہ نکلتا تھا، جب ہم سے بات کرتی تھیں تو زبان سے الفاظ نکلتے تھے، لیکن دل سے اللہ، اللہ کی آواز آتی تھی، اور ہم نے سالہا سال یہ منظر دیکھا کہ دل کی ہر دھڑکن اور ہر سانس کے ساتھ اللہ، اللہ کی آواز آتی تھی، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے جن لوگوں نے براہِ راست تعلق قائم کیا اور ان کی صحبت میں رہے ان کو اللہ تعالیٰ نے سنت کی تصویر بنا دیا تھا، اور ان کو معرفت وسلوک میں وہ مقام عطا فرمایا تھا جو بڑے بڑے مجاہدات اور ریاضتوں سے بھی نہیں ملتا۔

## حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہما کا تعلق

اس لئے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس اللہ سرہٗ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے پہلے اور بعد، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت سے اُمور میں مشاورت فرمایا کرتے تھے، جس زمانے میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ ہجرت فرما چکے تھے اور ان سے رابطہ کرنا مشکل تھا، حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ہی رجوع فرمایا کرتے تھے، اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد تو انہوں نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو گویا اپنا شیخ ہی قرار دے دیا تھا، بلکہ جب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی وفات ہوگئی تو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ ان کے خلیفۂ اعظم حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے جو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ہم قرن ہی تھے، البتہ عمر میں کچھ بڑے تھے۔

## حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا پچپن سال تک تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز پڑھنا

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے سرپرست بھی تھے جس کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند کے سالانہ جلسہ میں گنگوہ سے تشریف لایا کرتے تھے، میں نے اپنے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ سے یہ سنا کہ ایک مرتبہ جلسہ کے بعد مغموم سے بیٹھے ہوئے تھے ان کے چہرے پر جب غم کے آثار دیکھے تو کسی نے پوچھا کہ آپ کی طبیعت پر غم کے آثار نظر آرہے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ کو کیا تکلیف یا پریشانی لاحق ہے جس کی وجہ سے آپ مغموم بیٹھے ہوئے ہیں؟ پہلے تو خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا لیکن جب کسی نے زیادہ اصرار کیا تو فرمانے لگے کہ ہاں مجھے ایک صدمہ پہنچا ہے، پچپن سال کے بعد آج پہلا موقع ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں سن سکا، حالانکہ جماعت نہیں گئی اور نہ ہی کوئی رکعت گئی، صرف تکبیر تحریمہ ہی چھوٹی ہے جس کا اتنا غم ہے۔

## اکابرینِ دیوبند صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عملی تفسیر تھے

یہ ہمارے اکابرین کے کچھ حالات ہیں جن کو پڑھ کر یہ لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سنت کی تصویر بنا دیا تھا، حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے جو حالات ہم پڑھتے ہیں ان کی عملی تصویر ان حضرات نے ہمیں دکھائی، کسی نے مجھے حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جملہ سنایا، وہ علماء دیوبند کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ صحابۂ کرام رضی اللہ

عنہم کا بچھڑا ہوا قافلہ ہے، یعنی صحابہ تو نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آخری دور میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کی سیرت اور ان کا کردار ان حضرات کے حالات میں دکھا دیا، اس لئے کوشش کریں کہ ان کے حالات کو پڑھ کر ان کو اپنا وظیفۂ زندگی بنائیں، اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔

## نماز میں لطف نہ آنے والے کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مبارکباد

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ میں نے اپنے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد متعدد بار سنا ہے، اور حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی قدس اللہ سرہٗ سے بھی کئی بار سنا، فرماتے تھے کہ:

"میں مبارکباد دیتا ہوں اس شخص کو جس کو زندگی بھر نماز میں مزہ نہ آیا اور پھر بھی وہ نماز پڑھتا رہا"

بظاہر حضرت کو اس شخص کو مبارکباد دینی چاہئے تھی جس کو نماز میں لطف آرہا ہے اور اس کی نماز میں خشوع وخضوع بھی ہے، لیکن اس کے برخلاف اسکو مبارکباد دے رہے ہیں جسکو نماز میں لطف ہی نہیں آیا۔

جیسا کہ ایک پیر صاحب کی کتاب کچھ عرصہ پہلے میری نظر سے گزری، اس میں انہوں نے لکھا کہ وہ شخص پیر ہی نہیں جو نماز میں اپنے مریدوں کو مسجد حرام میں نماز نہ پڑھوائے، یعنی اپنے ہر مرید کو ایسا صاحب کشف بنادے کہ نماز میں اس کو یہ نظارہ دکھائی دے کہ میں حرم میں نماز پڑھ رہا ہوں، اور اس کشف کی وجہ سے اس کو نماز میں مزا آئے اور رقت طاری ہو جائے، لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے برخلاف اس شخص کو مبارکباد دی جس کو ساری عمر نماز میں مزہ نہ آیا لیکن اللہ کا حکم سمجھ کر اور اللہ کی اطاعت میں نماز پڑھتا رہا۔

## کیفیات مقصود نہیں ہیں، عمل مقصود ہے

یہ دراصل ایک ایسا نکتہ ہے کہ جس میں بڑے بڑے لوگ غلط فہمی کا شکار ہوئے، اور

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے دیگر اکابرین نے اس کا ازالہ فرمایا، جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی بھی مسلمان پر نماز، ذکر یا تلاوت وغیرہ میں طاری ہونے والی کیفیات مقصود نہیں ہیں، اوران کے پیچھے نہ پڑنا چاہئے، بلکہ کسی بھی عبادت سے مقصود عمل کرنا ہے، چنانچہ جس عمل کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے اس میں دل لگے یا نہ لگے، اسے بجالانا ہی اصل کام ہے، اگر اس عمل کے دوران دل لگ گیا اور اس عمل میں لطف آنے لگا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑا ہی عجیب جملہ ارشاد فرمایا کہ یہ کیفیات ''محمود'' ہیں ''مقصود'' نہیں۔

## عبادت میں لطف نہ آئے تو پریشان نہ ہوں

بعض اوقات لوگ مایوس ہونے لگتے ہیں، کہتے ہیں کہ پہلے جب نماز پڑھتے تھے تو رقت بھی طاری ہو جاتی تھی اور نماز میں لطف بھی آتا تھا، لیکن اب نہ جانے کیا ہوا کہ وہ کیفیات ہی طاری نہیں ہوتی، اور سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ شیطان کا اثر ہے، چنانچہ اپنے آپ کو مردود سمجھنے لگتے ہیں، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ کیفیات تو آنی جانی ہیں، کبھی ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے تو کبھی دوسری کیفیت طاری ہو جاتی ہے، کبھی نماز میں بہت زیادہ رقت طاری ہو جاتی ہے اور کبھی بالکل بھی نہیں ہوتی، اس لئے ان کی طرف دھیان نہیں دینا چاہئے، بلکہ عمل کو مقصود سمجھ کر اس کو کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

## بیت اللہ پر پہلی نظر کے وقت رقت طاری ہونا ضروری نہیں

جو لوگ حج کو جاتے ہیں ان کو بھی یہ بات پیش آتی ہے، جب بیت اللہ شریف پر پہلی نظر پڑتی ہے تو عام طور سے لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ اس وقت حاجی پر گریہ طاری ہو جاتا ہے اور وہ روتا ہے یا خوشی سے ہنستا ہے، اس بات کی کوئی اصل نہیں ہے اور نہ ہی کسی نص سے ثابت ہے، البتہ مشاہدہ یہ ہے کہ جب بیت اللہ پر پہلی نظر پڑتی ہے تو عام طور پر گریہ طاری ہو ہی جاتا ہے اور بے ساختہ رونا بھی آتا ہے، کیونکہ وہ جگہ ہی ایسی ہے، لیکن

بسا اوقات کسی کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا اور پہلی نظر پڑنے پر اس پر گریہ طاری ہوتا ہے، نہ رونا آتا ہے۔

میں اگرچہ بچپن میں ۱۹۵۱ھ میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ پہلی مرتبہ حج پر جا چکا تھا، لیکن ہوش سنبھالنے کے بعد جب میں نے پہلی مرتبہ بیت اللہ کی زیارت کی تو اس وقت میرے ساتھ بھی یہی ہوا، میرے ساتھ جو لوگ تھے ان میں سے کوئی رو رہا تھا، کسی پر رقت اور گریہ طاری ہو رہا تھا، اور میری کیفیت یہ تھی کہ دل پتھر ہو گیا تھا، نہ کوئی گریہ طاری ہوا اور نہ ہی رونا آیا، اس وقت میرے دماغ میں یہ خیال آ رہا تھا کہ میں اس کائنات کا سب سے مردود انسان ہوں، سوچ رہا تھا کہ اللہ کے بندے یہاں آتے ہیں تو ان پر رقت اور گریہ طاری ہوتا ہے، اور ایک میں ہوں کہ اتنا سخت دل اور پتھر دل ہو گیا ہوں کہ کوئی کیفیت ہی محسوس نہیں ہو رہی، بہت پریشان ہوا۔

## کیفیات ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہتیں

اسی پریشانی میں اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ میں حاضری کی توفیق عطا فرمائی، روزۂ اقدس پر حاضری ہوئی تو وہاں جا کر طوفان پھوٹ پڑا، اور بہت رقت اور گریہ کی کیفیت ہوئی، لیکن اب بھی دل کو تسلی نہ ہوئی تھی اور شقاوتِ قلبی کا احساس ستا رہا تھا، اس لئے میں نے یہ کیفیت حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہٗ سے ذکر کی، انہوں نے فرمایا کہ کچھ پرواہ نہ کرو، یہ سب کیفیات ہیں، آتی جاتی رہتی ہیں، کسی کو گریہ طاری ہو جاتا ہے اور کسی کو نہیں، ان کیفیات کے پیچھے مت پڑو، بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے اپنے گھر کی زیارت کروا دی، اور اس کے گرد چکر لگوا دیئے۔

## کیفیات کا حاصل ہو جانا بلند مرتبہ ہونے کی دلیل نہیں

آج کل لوگ ان کیفیات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، اگر کسی کو نماز میں لطف آ رہا ہے اور سجدے میں رقت طاری ہو جاتی ہے، تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ بہت اونچا مقام حاصل

ہو گیا ہے، لیکن جب یہ کیفیات ختم ہو جاتی ہیں تو سمجھتا ہے کہ میں مردود ہو گیا، حالانکہ نہ تو کیفیات حاصل ہونے کے بعد اونچا مقام ملتا ہے اور نہ ہی ان کے ختم ہو جانے کے بعد انسان مردود ہوتا ہے، کیونکہ یہ کیفیات مطلوب نہیں ہیں بلکہ اعمال مطلوب ہیں، خواہ کسی بھی کیفیت کے ساتھ ادا کئے جائیں۔

## نوافل باری تعالیٰ کی محبت کا حق ہیں

صبر علی الطاعة کے درحقیقت یہی معنی ہیں کہ جتنی بھی طاعات ہیں انسان اپنے اوپر جبر کر کے ان کو انجام دے، واجبات و فرائض تو ہر حال میں ادا کرنے ہی ہیں، خواہ کوئی بھی حالت ہو لیکن اس کے ساتھ نوافل کا بھی اہتمام کرنا چاہئے، کیونکہ نوافل، فرض و واجب نہ سہی لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے قرب کے حصول کے لئے ضروری ہیں، اور ضروری کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کو فرض و واجب سمجھ لیا جائے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ اسکے بغیر اللہ جل جلالہٗ کے ساتھ مضبوط تعلق پیدا نہیں ہوتا، ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: فرائض و واجبات باری تعالیٰ کی عظمت کا حق ہیں اور نوافل باری تعالیٰ کی محبت کا حق ہیں، لہٰذا نوافل کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔

## نوافل کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگوں کو ایک حدیث سے غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے، حدیث میں آتا ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ یا رسول اللہ! میرے ذمہ کیا فرائض ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں، اس پر اس اعرابی نے کہا:

فَهَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا؟

”کیا ان کے علاوہ میرے ذمہ کچھ اور کام بھی ہیں؟“

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا! اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ

''تم پر کچھ اور نہیں ہے، الا یہ کہ تم اپنی خوشی سے کوئی نفلی عبادت کرو''

اس کے بعد بھی اس نے کئی باتیں پوچھیں، جب جانے لگا تو کہا کہ:

وَاللّٰہِ! لَا اَزِیْدُ عَلٰی ھٰذَا وَلَا اَنْقُصُ

''میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ جو کچھ آپ نے بتایا ہے میں اس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں کروں گا''

یہ کہہ کر وہ اعرابی چل دیا، ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ اگر یہ سچ کہہ رہا ہے تو جنت میں داخل ہوگا، اور ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص کسی جنتی کو دیکھنا چاہے تو اس کو دیکھ لے، خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ نے اس کو جنتی ہونے کی خوش خبری دی۔

اس روایت کو بیان کر کے علماء نے یہ بحث چھیڑی ہے کہ اس اعرابی کی بات کا کیا مطلب تھا؟ بعض حضرات نے یہ مطلب بیان فرمایا کہ اعرابی کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ صرف فرائض وواجبات ادا کرے گا اور نوافل ادا نہیں کرے گا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر فرائض وواجبات کی ادائیگی کرلی جائے تو کافی ہے، اسی طرح اور بھی بہت سے جوابات دیئے گئے ہیں، لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس اعرابی کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ نوافل ادا نہیں کرے گا، بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے جو فرائض وواجبات کی حد بندی کردی ہے میں اس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہیں کروں گا، فرض کو فرض اور نفل کو نفل ہی سمجھوں گا، لوگ اس حدیث کو پڑھ کر غلط فہمی کا شکار ہوجاتے ہیں اور نوافل کو بالکل ہی چھوڑ دیتے ہیں، یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ نوافل سے مراد یہاں نفل اور سنتیں دونوں ہی ہیں۔

## سنن ونوافل، فرائض کی تکمیل کے لئے ہیں

اگر دیکھا جائے تو نوافل کے بغیر فرائض بھی صحیح طریقے سے ادا نہیں ہوتے، مشاہدہ

ہے کہ بہت سے لوگ صرف فرض نماز پر اکتفاء کرتے ہیں اور سنتیں چھوڑ دیتے ہیں، یہ بات درست ہے کہ قانونِ شریعت کی رُو سے انہوں نے ترکِ فرض کا گناہ نہیں کیا، لیکن نماز سے پہلے اور نماز کے بعد کی سنتیں اور نوافل درحقیقت فرائض کی تکمیل کے لئے ہیں اور ان کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا نہیں ہوتا۔

## نوافل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے

حدیث قدسی ہے کہ بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے۔

من تو شدم تو من شدی

بہر حال نوافل بھی ان طاعات میں سے ہیں کہ جن کو کرنے کے لئے اگر مشقت کرنی پڑے تو کرنی چاہئے، لہٰذا صبر کے حکم میں یہ بھی داخل ہیں اس لئے جو نوافل آنحضرت ﷺ سے مسنون وماثور ہیں، ان کو ادا کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے، مثلاً اشراق، چاشت، اوّابین، تہجد اور تحیۃ المسجد یہ سب نوافل ہیں، اگر کوئی ان کو چھوڑ دے تو گناہ نہیں، لیکن محض اس بات کو دیکھ کر ان کو ترک نہ کریں، بلکہ یہ دیکھیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔

## حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قصہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ میں دیکھتا تھا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے اپنے خواب بیان کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ ان خوابوں کی تعبیر بیان فرماتے ہیں، عام طور سے رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ فجر کی نماز کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب رُخ کر کے بیٹھ جاتے اور ان سے پوچھتے کہ آج رات تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو تو بتاؤ، اس زمانہ میں صحابہ کرام رضی اللہ

عنہم کے خواب بھی کوئی معمولی نہیں ہوا کرتے تھے، اسی لئے حدیث میں خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا، چنانچہ جو بھی صحابی اپنا خواب بیان کرتا رسول اللہ ﷺ اس کی تعبیر دیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میرے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں بھی کوئی خواب دیکھوں اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کو بیان کرکے اس کی تعبیر لوں، فرماتے ہیں کہ ایک رات مجھے خواب نظر آیا جس میں جنت بھی دیکھی اور جہنم بھی دیکھی اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں دیکھیں، فرماتے ہیں کہ میں چونکہ نوجوان تھا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مجھ سے بڑی عمر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہوتے تھے اس لئے مجھے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے شرم محسوس ہوئی، اس لئے میں نے اپنی بہن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا (ام المؤمنین رضی اللہ عنہا) سے کہا کہ آپ میرا یہ خواب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیان کردیں، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے خواب کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ان کا خواب سن کر فرمایا:

نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللّٰہِ! لَوْ کَانَ یُصَلِّیْ بِاللَّیْلِ

”عبداللہ بن عمر! اچھا آدمی ہے، کاش! وہ رات کو بھی نماز پڑھا کرتا“

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بتائی کہ میں نے تمہارا خواب رسول اللہ ﷺ کو سنایا تھا اور آپ نے خواب سن کر یہ فرمایا ہے۔

دیکھئے! رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ رات کی نماز پڑھنا فرض یا واجب ہے، مگر اس بات کی طرف اشارہ بھی کردیا کہ فرائض وواجبات کو پورا کرنے کی وجہ سے تم اچھے تو ہو، لیکن تمہاری مکمل اچھائی صلوٰۃ اللیل پر موقوف ہے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما چونکہ صحابی تھے، اور ان کے لئے رسول اللہ ﷺ کا ادنیٰ سا اشارہ بھی حکم کا درجہ رکھتا تھا، اس لئے فرماتے ہیں کہ جس دن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے یہ بات کہی اس دن کے بعد زندگی بھر صلوٰۃ اللیل قضا نہیں ہوئی۔

## نوافل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا طریقۂ تعلیم

رسول اللہ ﷺ کا طریقۂ تعلیم تھا کہ فرائض و واجبات کے ساتھ ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نفلی عبادات کی طرف بھی رغبت دلاتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ رات کو تہجد کے لئے بیدار ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مکان برابر میں تھا، وہاں جا کر دیکھا کہ یہ لوگ تہجد کے لئے اُٹھے ہیں یا نہیں؟ جا کر دیکھا تو دونوں سو رہے تھے، ان کو جگایا اور تعجب سے فرمایا کہ تم رات کو نماز نہیں پڑھتے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنکھیں ملتے ہوئے بیدار ہوئے اور جواب میں عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارا وجود اور ہماری آنکھیں تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں، جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں ہمیں جگا دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں سلا دیتے ہیں، گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیدار نہ ہونے کی ایک طرح سے تاویل کی، یہ سن کر حضور ﷺ کوئی جواب دیئے بغیر واپس مڑے اور اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝ (الکہف:۵۴)

”انسان بہت بحث و مباحثہ کرنے والا ہے“

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بات کی تردید بھی نہیں فرمائی اور نہ ہی ان کی بات پر کوئی نکیر فرمائی، بلکہ ایک طرح سے اشارہ کر دیا کہ رات کو بیدار نہ ہونے کا یہ عذر بھی ایک طرح سے انسان کی بحث و مباحثہ کی عادت کا ایک حصہ ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس بات سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر نکیر بھی فرما رہے ہوں (واللہ اعلم)، بہر حال اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ صلوٰۃ اللیل ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کی طرف سے بے توجہی برتی جائے۔

## عشاء کی نماز کے بعد پڑھی جانے والی نماز، تہجد میں شمار ہوتی ہے

صلوٰۃ اللیل واجب یا فرض نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا ایک اہم

ذریعہ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہمارے اوپر اس کا ادا کرنا نہایت ہی آسان کردیا ہے، معجم طبرانی میں ایک مرفوع حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد جو نماز بھی پڑھی جائے گی وہ صلوٰۃ اللیل شمار ہوتی ہے۔

اس لئے اگر کسی کو رات کے آخری حصہ میں اُٹھنے کی توفیق نہیں ہوتی، تو کم سے کم عشاء کے بعد وتر سے پہلے کچھ رکعتیں صلوٰۃ اللیل کی نیت سے پڑھ لے، پھر اگر آخر شب میں بھی آنکھ کھل جائے تو بہت اچھی بات ہے، لیکن اگر آخر شب میں آنکھ نہ کھلی تو صلوٰۃ اللیل کی برکات سے محرومی نہیں ہوگی۔

حاصل یہ کہ جتنی نفلی عبادات کا ذکر اُوپر ہوا ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے کہ اس کو شروع کرنے میں مشقت نہ ہوتی ہو، کیونکہ ہمارا نفس آزادی کا خوگر بنا ہوا ہے، جب ہم اپنے نفس کو نفلی عبادات کی طرف لائیں گے تو اس میں مقاومت (مزاحمت) کا تقاضا ہوگا، جس کا علاج یہ ہے کہ اس مقاومت کی مقاومت کی جائے۔

## علماء کو نصیحت

علماء کے طبقے میں بھی اس معاملہ میں سستی پائی جاتی ہے، کیونکہ انہوں نے اُصولِ فقہ میں یہ بات پڑھ لی کہ نفل پڑھنے سے ثواب ملتا ہے اور نہ پڑھنے پر گناہ نہیں ہوتا، اس لئے ان کے دل میں یہ خیال آجاتا ہے کہ جب نہ پڑھنے پر کوئی گناہ نہیں ہے تو اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنے کی کیا ضرورت ہے۔

## حقیقی عالمِ دین بننے کے لئے اللہ والوں کی صحبت ضروری ہے

حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ایک عالمِ دین اور کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر استفادہ کرنے والے عالمِ دین میں یہی فرق ہے کہ عام عالمِ دین نفلی عبادات کو اُصولِ فقہ کی روشنی میں دیکھتا ہے، جبکہ کسی اللہ والے کی صحبت سے مستفید ہونے والا عالمِ دین اُصولِ فقہ کی تعریف کو چھوڑ کر اس حدیثِ قدسی کو پیشِ نظر رکھتا ہے

جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے، اس حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ نے قرب کا ذریعہ فرائض کو قرار نہیں دیا بلکہ نفلی عبادات کو قرار دیا ہے۔

## خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ کہ نفلی عبادات کے کرنے میں مشقت ہوتی ہے، لیکن ان مشقتوں کو برداشت کرکے ان کو اللہ کی خاطر کرنا صبر علی الطاعۃ ہے، جس کا حکم (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ) میں دیا گیا ہے، مومن کی فلاح کو اس پر موقوف رکھا گیا ہے، اور سارے دین کا خلاصہ صبر ہی ہے، خواہ صبر علی الطاعۃ ہو، صبر عن المعصیۃ ہو، یا صبر علی المصیبۃ ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے اس مہینے کو شھر الصبر فرمایا ہے اس لئے اس میں صبر کی عادت ڈالنے کی کوشش کرنی چاہئے، لہٰذا اگر رمضان سے پہلے نوافل، ذکر یا تلاوت کا معمول نہیں تھا تو اب نفس پر جبر کرکے ان کا معمول بنائیں، اگر ہم نے اس مہینہ میں اپنے نفس پر جبر کرکے ان چیزوں پر عمل کرلیا تو رفتہ رفتہ یہ صبر ہماری طبیعتِ ثانیہ بن جائے گی اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہمارے درجات بلند فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

"وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"

# رمضان اور حقیقتِ صبر (۳)

۱۱؍ اگست ۲۰۱۲ء بروز ہفتہ
جامعہ دار العلوم کراچی

# اقتباس

''یاد رکھئے! اللہ تعالیٰ نے نفلی عبادتوں کے ترک پر اگرچہ کوئی گناہ نہیں رکھا، لیکن ان کے بارے میں بے اعتنائی اور ان کا ذکر حقارت سے کرنا بعض اوقات، معاذ اللہ! کفر تک پہنچادیتا ہے، اس لئے نوافل کا بھی خصوصیت کے ساتھ اہتمام کرنا چاہئے''

# رمضان اور حقیقتِ صبر (۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ O

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ O (آلِ عمران: ۲۰۰)

گزشتہ بیان میں سورۂ آلِ عمران کی آخری آیت کی کچھ تشریح کی تھی، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے مہینے کو ہمارے لئے شہر الصبر بنایا ہے اور اس میں ہمیں صبر کی تربیت دی جارہی ہے، قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ صبر کی تلقین فرمائی ہے اور صبر کرنے پر جنت کو مرتب فرمایا ہے، اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اگر کسی میں صبر کی صفت پیدا ہو جائے تو اس کو پورا دین حاصل ہو جائے گا، اور اللہ تعالیٰ جنت میں بھی داخلہ عطا فرمادیں گے۔

صبر کیا ہے؟ اس کو کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟ اور رمضان میں اللہ تعالیٰ اس کی تربیت کیسے دے رہے ہیں؟

سورۂ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے احکام بیان فرمائے ہیں، ان کو بیان فرمانے کے بعد سورت کے آخر میں اس کا خلاصہ اور نچوڑ بیان فرمایا اور چار کاموں کا حکم دیا:

(۱)......(اصْبِرُوْا)

(۲)......(صَابِرُوْا)

(۳)......(رَابِطُوْا)

(۴)......تقویٰ اختیار کرو۔

یعنی اے ایمان والو! صبر کرو، اور باہمی معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ صبر سے کام لو، اور اپنے آپ کو صبر پر باندھ کر رکھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اگر تم نے یہ کام کر لئے تو اس کے نتیجے میں تمہیں فلاح حاصل ہوگی۔

## صبر کا مطلب

ہمارے ہاں عام طور سے صبر کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ کسی تکلیف کے پہنچنے پر جزع فزع اور واویلا نہ کیا جائے، لیکن قرآنِ کریم نے جس معنی میں صبر کا ذکر فرمایا ہے وہ بہت وسیع ہے۔

## صبر کے لغوی معنی کی تحقیق

عربی زبان میں صبر کے معنی ''باندھنا'' ہیں، اسی لئے عربی زبان میں ''مصبورۃ'' اس جانور کو کہتے ہیں جس کو باندھ کر اس پر تیر وغیرہ برسائے گئے ہوں، زمانہ جاہلیت میں اہلِ عرب میں رواج تھا کہ جب کسی جانور کا گوشت کھانا ہوتا تھا تو اس کو کسی درخت وغیرہ کے ساتھ باندھ کر اس پر تیروں کی بارش کر دیتے تھے اور جب وہ مرجاتا تو اس کا گوشت کھاتے تھے، اس جانور کو ''مصبورۃ'' کہا جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے حدیث میں ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے ''مصبورۃ'' کھانا جائز نہیں۔

جانور کے شکار کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر اس پر تیر چلایا جائے اور

اس تیر کے زخم سے وہ ذبح کرنے سے پہلے مرجائے تو اس کا کھانا حلال ہوتا ہے، لیکن ایسا جانور جو انسان کے قابو میں ہو اور اس کو ذبح کرنے کی قدرت بھی ہو تو اس کو بسم اللہ پڑھ کر، تیر چلا کر ہلاک کردیں تب بھی اس کا کھانا جائز نہیں، بلکہ یہ جانور اس وقت حلال ہوگا جب کہ اس کے گلے پر چھری پھیر کر مشروع طریقہ سے اس کو ذبح کیا جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّافِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا. (البقرۃ:۲۹)

''اللہ تعالیٰ نے وہ سب چیزیں جو زمین میں ہیں، تمہارے لئے پیدا فرمائی ہیں''

چنانچہ زمین میں جتنے حلال جانور ہیں وہ بھی انسان کے لئے پیدا فرمائے ہیں، اور انسان ان کو ذبح کرکے کھا سکتا ہے، لیکن ایک طرف اللہ تعالیٰ نے انسان کی ضرورت کا خیال رکھا تو دوسری طرف یہ بھی حکم فرمایا کہ جانور کو اس طریقہ سے ذبح کیا جائے کہ اس کو کم سے کم تکلیف ہو، ذبح کرنے کا طریقہ بھی ایسا بتایا جو جانور پر سب سے آسان ہے، حدیث میں آتا ہے کہ:

فَإِذَا قَتَلْتُمْ، فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ، فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَ.

''جب تم کسی جانور کو قتل کرو تو اچھے طریقہ سے قتل کرو، اور جب کسی جانور کو ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو''

اس لئے جانور کو ایسے طریقہ سے ذبح کرنا چاہئے جس میں اسے کم سے تکلیف ہو، اور گلے پر چھری پھیر کر رگیں کاٹ کر ذبح کرنا جانور کے لئے سب سے کم تکلیف دہ ہے، اس لئے کسی بھی جانور کو باندھ کر اس پر تیر اندازی کرکے اس کو ہلاک کرنے سے منع فرمایا۔

اسی طرح پہلے زمانے میں بادشاہوں کے یہاں کسی کو سزا دینے کا ایک طریقہ یہ ہوتا تھا کہ مجرم کو کسی درخت وغیرہ سے باندھ کر اس پر تیروں کی بارش کردی جاتی تھی، ایسے شخص کے بارے میں کہا جاتا تھا:

قُتِلَ صَبْرًا
''اس کو باندھ کر قتل کیا گیا''

## اصطلاحِ شرع میں صبر کا مفہوم

شرعی نکتۂ نگاہ سے کسی ناگوار بات پر اپنے آپ کو باندھنے کا نام صبر ہے، مثلاً کسی کام کو دل نہیں چاہ رہا اور دل میں اس کے کرنے سے ناگواری پیدا ہو رہی ہے، لیکن اس ناگواری کے باوجود اس کام کو کرنے کا نام صبر ہے، کیونکہ کام کرنے والے نے اپنے آپ کو ناگواری کے باوجود اس کام پر باندھ لیا ہے۔

## دنیا بھی صبر کے بغیر حاصل نہیں ہوتی

صبر جس طرح دینی معاملات میں ہوتا ہے اسی طرح دنیاوی معاملات میں بھی ہوتا ہے، مثلاً کوئی شخص ملازم ہے اور اسکو ملازمت کے لئے صبح سویرے اُٹھ کر جانا پڑتا ہے، حالانکہ صبح سویرے اس پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے اور مزید سونے کو بھی دل چاہتا ہے، ساتھ ہی گھر میں رہ کر اپنے بچوں کے ساتھ ہنسی مذاق کو بھی دل کرتا ہے، لیکن دوسری طرف ملازمت کا بھی تقاضا ہے، دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اگر وقت پر ملازمت پر نہ پہنچا یا بالکل ہی نہ گیا تو تنخواہ نہیں ملے گی، اس وقت اس کا دل نہ چاہنے کے باوجود ملازمت پر جانا صبر ہے، اگرچہ اس کا یہ صبر دنیا کمانے کے لئے ہے، اور اگر کوئی دنیا کے لئے صبر کرتا ہے تو اس کو اس کے صبر کا بدلہ دنیا میں مل ہی جاتا ہے۔

## صبر کرنے والوں کے لئے بے حساب اجر ہے

لیکن اگر یہی صبر دین کے لئے ہو تو جنت میں جانے کا سبب ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کئی مقامات پر صبر کی اس قسم کا ذکر فرمایا ہے، اور صبر کرنے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّٰبِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (الزمر:۱۰)

''صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

اسی طرح ارشاد فرمایا کہ:

وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (الرعد:۲۲)

''جو لوگ اپنے پروردگار کی خوشنودی کی خاطر صبر کرتے ہیں...... ان کو آخرت کے گھر کا بہترین انجام ملے گا''

## دنیا کمانے کے لئے صبر بھی باعثِ ثواب ہوسکتا ہے

دنیا کمانے کے لئے صبر بھی باعثِ ثواب ہوسکتا ہے، چنانچہ اگر کسی نے دنیا کمانے کے لئے صبر کیا، اور کسی مباح طریقہ سے پیسہ کمایا تو اس کو پیسہ مل جائے گا لیکن کوئی اجر نہیں ملے گا، لیکن اگر اس نے یہ نیت بھی کرلی کہ میں یہ ملازمت، تجارت یا مزدوری وغیرہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اتباع میں کررہا ہوں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ.

''حلال روزی کمانا بھی اہم دینی فرائض (نماز، روزہ وغیرہ) کے بعد ایک فریضہ ہے''

اور یہ نیت بھی کرلی کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ نے میرے نفس اور میرے اہل وعیال کا بھی حق رکھا ہے، اگر حلال روزی کمانے کی کوشش نہیں کروں گا تو مجھے دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑے گا، جو کہ حرام ہے، اور میں اس حرام کام سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے ملازمت کررہا ہوں، اور اپنے بیوی بچوں کا حق ادا کرنے کے لئے یہ ملازمت وغیرہ کررہا ہوں، تو یہی ملازمت اس کے لئے اجر وثواب کا باعث بن جائے گی، اور ملازمت کے

لئے اس کا صبر کرنا صرف پیسوں کی خاطر نہ رہے گا بلکہ اللہ کی رضامندی اور خوشنودی کے لئے ہو جائے گا۔

## صبر کی قسمیں

صبر کی تین قسمیں ہیں:

(۱)......صبر علی الطاعة (طاعات پر صبر کرنا)

(۲)......صبر عن المعصية (معصیتوں سے صبر کرنا)

(۳)......صبر علی المصيبة (تکلیف دہ حالت پیش آنے پر مصیبت پر صبر کرنا)

## صبر علی الطاعة کا مطلب

صبر علی الطاعة کا مطلب یہ ہے کہ جس عمل کو اللہ تعالیٰ نے طاعت قرار دیا ہے، اس کو طبیعت کے نہ چاہنے کے باوجود انجام دیا جائے۔

## فرائض میں صبر

طاعات بھی دو طرح کی ہیں، ایک تو وہ طاعت جس کو اللہ تعالیٰ نے فرض یا واجب قرار دا ہے، اس طاعت کو کرتے وقت یہ سوچنا چاہئے کہ جو کام میں کر رہا ہوں اسکا میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے، جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوۃ اور اس جیسے دیگر فرائض، اس لئے خواہ کسی کا دل ان کو کرنے کو چاہے یا نہ چاہے، ہر حال میں ان کو انجام دینا ہوگا، اسی لئے اوپر ذکر کی گئی آیت:

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ. (الرعد:۲۲)

میں بھی فرض کو مقدم رکھتے ہوئے سب سے پہلے نماز کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی وہ لوگ صبر کرنے کے ساتھ نماز کی پابندی کرتے ہیں، ان کا دل نماز میں لگے یا نہ لگے وہ ہر حال میں نماز ادا کرتے ہیں۔

اسی طرح رمضان کے روزہ کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

’’جس شخص نے رمضان کا ایک روزہ بلا عذر چھوڑ دیا، بعد میں اگر ساری زندگی بھی روزے رکھتا ہے تو اس ایک روزہ کی تلافی نہیں ہوگی‘‘

چنانچہ اگر کسی کو شیطان نے بہکا دیا اور اس نے روزہ چھوڑ دیا، اگر چہ قضاء رکھنے کے بعد فتویٰ یہی ہے کہ وہ روزہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا، لیکن ساری زندگی بھی روزہ رکھتا ہے تو رمضان کے اس چھوڑے ہوئے روزے کے ثواب کو حاصل نہیں کر سکے گا۔

روزہ بھی ان فرض عبادات میں سے ہے جن میں صبر کرنا پڑتا ہے، خاص طور سے ان علاقوں میں جہاں گرمی کے موسم میں رمضان آتا ہے، جیسے حجاز وغیرہ، ان علاقوں میں گرمی کے موسم میں رمضان میں بہت زیادہ صبر کرنا پڑتا ہے۔

ایسے ہی بعض علاقوں میں روزہ بہت زیادہ طویل ہوتا ہے، شمال کے بعض علاقوں میں تو اٹھارہ سے بیس گھنٹے کا روزہ ہوتا ہے، تقریباً رات کو گیارہ بجے افطار ہوتا ہے، افطاری کے بعد عشاء کی نماز اور تراویح سے فارغ ہو کر تقریباً ڈیڑھ بجے سحری کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور اگلے دن کا روزہ شروع ہو جاتا ہے، اتنے طویل روزہ میں روزہ دار کو بھوک برداشت کر کے صبر کرنا پڑتا ہے۔

## نفلی عبادات میں صبر

جبکہ بعض طاعات ایسی ہوتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فرض یا واجب تو قرار نہیں دیا لیکن اس کی ترغیب دی ہے، کہ اگر اس کام کو کرو گے تو اس پر ثواب ملے گا، جیسے تراویح کو اللہ تعالیٰ نے فرض تو نہیں فرمایا، لیکن اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ.

"جو شخص رمضان کی رات میں اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے ثواب کی نیت سے تراویح کی نماز پڑھے گا اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے"

تراویح کی نماز کو اللہ تعالیٰ نے فرض تو نہیں فرمایا لیکن اس کی ترغیب دی، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے تین رات تک تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ اس طرح پڑھائی کہ کسی کو خاص تراویح کی نماز کے لئے دعوت نہیں دی گئی۔

## تراویح کی نماز کی ابتداء

اس کا قصہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد نبوی میں اعتکاف فرماتے تھے تو آپ کے لئے مسجد نبوی میں چٹائی کا ایک کمرہ سا بنا دیا جاتا تھا، جس کی دیواریں زیادہ اونچی نہیں ہوتی تھیں، آپ ﷺ جب اس میں کھڑے ہوتے تو باہر سے بھی آپ ﷺ کی زیارت کی جا سکتی تھی، ایک رمضان میں آپ ﷺ نے اس کمرے میں کھڑے ہو کر اکیلے تراویح کی نماز پڑھنا شروع کر دی، جب لوگوں نے آپ کو نماز پڑھتے دیکھا تو آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر کچھ لوگوں نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا کرنا شروع کر دی، پہلے دن کچھ کم لوگ تھے، لیکن دوسرے دن اس سے بھی زیادہ لوگ اس نماز میں شریک ہو گئے، اور تیسرے دن تو مسجد ہی بھر گئی، آپ ﷺ نے جب یہ حال دیکھا تو چوتھے دن آپ ﷺ وہاں تراویح پڑھنے کے لئے کھڑے نہیں ہوئے، اور یہ ارشاد فرمایا کہ لوگوں کی اس نماز میں کثرت سے شرکت کو دیکھ کر مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض ہی نہ کر دی جائے، چنانچہ اُمت پر شفقت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے اس کے بعد تراویح کی نماز جماعت سے ادا نہیں فرمائی۔

تراویح کی نماز اگرچہ فرض نہیں ہے، لیکن اس قصہ کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سمجھتے تھے کہ اس کو فرض قرار نہ دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر ایک شفقت و رحمت ہے، لیکن اللہ

اور اس کے رسول ﷺ کی اصل رضا یہ ہے کہ اس نماز کی پابندی کی جائے، اس لئے یہ عذر پیش آجانے کے باوجود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رات کے قیام کی پابندی فرماتے تھے۔

## تراویح کی جماعت کی ابتداء

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک سب لوگ اسی انداز میں تراویح ادا کرتے رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد کے ایک حصہ میں تراویح کی نماز پڑھ رہے ہیں اور کچھ لوگ مسجد کے دوسرے حصہ میں نماز پڑھ رہے ہیں، کوئی تنہا نماز پڑھ رہا ہے تو کہیں دو تین حضرات جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر سوچا کہ ان کو ایک جماعت میں اکٹھا کر دیا جائے تو بہتر ہے، اس وقت تمام صحابہ کرام میں سب سے بہترین قرأت کرنے والے صحابی حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے فرمایا:

أقرأهم أبي بن كعب

''سب سے بہتر قرأت کرنے والے ابی بن کعب ہیں''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو امام مقرر فرمایا اور سب کو کہا کہ اکٹھے تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھا کرو، اس طرح تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جانے لگی۔

## صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اللہ اور اس کے رسول کی منشا کو سمجھتے تھے

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اگرچہ تراویح کی نماز کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے صراحۃً فرما دیا کہ یہ فرض نہیں بلکہ میں نے اس کو تمہارے لئے سنت بنایا ہے، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کی منشا کو سمجھتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اسی میں ہے کہ اس نماز کو پڑھا جائے، اس لئے انہوں نے اس کی پابندی کی۔

حاصل یہ کہ تراویح بھی ایسی ہی طاعات میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض تو نہیں ہے، لیکن مطلوب ہے، اس لئے دل پر خواہ ان کے کرنے سے کیسی ہی ناگواری ہو اور طبیعت چاہے ان کے کرنے پر آمادہ نہ بھی ہو تب بھی ان طاعات کو کرنا چاہئے، طبیعت کے نہ چاہنے کے باوجود بھی ان کو بجالانا ہی درحقیقت صبر کی لذت ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح فرائض میں صبر ہے اسی طرح سنن ونوافل میں بھی صبر ہے فرائض تو بہر حال کرنے ہی کرنے ہیں لیکن سنن ونوافل بھی چھوڑنے نہیں چاہئیں۔

## سنن ونوافل کو معمولی نہ سمجھیں

بعض اوقات دل میں یہ خیال آجاتا ہے کہ یہ تو نفل ہیں کرلیں گے تو ثواب ہوگا اور نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں، اس لئے ان کی طرف سے غفلت سی رہتی ہے۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے پاس ایک عالم بیٹھے ہوئے تھے، اذان ہورہی تھی اور انہوں نے اپنی گفتگو جاری رکھی ہوئی تھی، اذان ہورہی تھی، اور اذان کے وقت خاموش رہنا اور اس کا جواب دینا سنت ہے، اس وقت کسی نے ان سے کہہ دیا کہ حضرت! اذان ہورہی ہے اس کا جواب دے لیں، اس پر ان صاحب نے بڑی بے اعتنائی سے کہا کہ ہاں ہاں پتہ ہے کہ اذان ہورہی ہے، اذان کا جواب دینا کوئی فرض وواجب نہیں ہے۔

ان صاحب کی یہ بات قواعد کی حد تک تو درست تھی کہ اذان کا جواب دینا فرض وواجب نہیں ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی بہت زیادہ تحسین فرمائی ہے، اس لئے ایسی بے اعتنائی برتنے سے بچنا چاہئے۔

یاد رکھئے! اللہ تعالیٰ نے نفلی عبادتوں کے ترک پر اگرچہ کوئی گناہ نہیں رکھا، لیکن ان کے بارے میں بے اعتنائی اور ان کا ذکر حقارت سے کرنا بعض اوقات، معاذ اللہ! کفر تک پہنچادیتا ہے، اس لئے نوافل کا بھی خصوصیت کے ساتھ اہتمام کرنا چاہئے۔

## رمضان میں فرائض ونوافل پر صبر کی تربیت ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ نے ہمیں رمضان المبارک کا مہینہ عطا فرمایا ہے، دن میں روزہ کے ذریعہ فرائض پر صبر کی ٹریننگ ہوتی ہے، اور رات کے وقت تراویح کے ذریعہ نوافل پر صبر کی ٹریننگ ہوتی ہے، درحقیقت اللہ تعالیٰ ہمیں یہ احساس دلانا چاہ رہے ہیں کہ صرف فرائض پر ہی اکتفاء نہ کرو بلکہ نوافل کا بھی اہتمام کرو، جس طرح فرائض اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ہیں اسی طرح سنن ونوافل اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ہیں، یہ چھوڑنے کے لائق نہیں ہیں کہ ہم ان کو معمولی سمجھ کر چھوڑ دیں۔

## نوافل اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہیں

حدیثِ قدسی میں آتا ہے کہ بندہ نوافل کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرتا جاتا ہے، یہاں تک کہ میں اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اسکے کان بن جاتا ہوں جن سے سنتا ہے، میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے پکڑتا ہے، لہٰذا نوافل کی جس قدر کثرت ہوگی، اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی قرب بڑھتا چلا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ رمضان کے مہینہ میں نوافل پر صبر کروا کر اپنے بندوں کو قرب سے نوازنا چاہتے ہیں، اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ رمضان المبارک میں دوسرے مشاغل سے فارغ ہوکر طاعات وعبادات اور اللہ کے ذکر اور تلاوت کی کثرت کرنی چاہئے۔

رمضان المبارک میں خاص طور سے تلاوت کا معمول بنانا چاہئے، اگرچہ عام حالات میں نماز کے علاوہ تلاوت فرض نہیں ہے، لیکن ایک حرف کی تلاوت کے بدلے میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اس لئے رمضان میں اگر تلاوت کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تب بھی اپنے نفس پر صبر کر کے تلاوت کا اہتمام کریں، اور عام دنوں سے زیادہ تلاوت کا معمول بنائیں۔

## خلاصہ کلام

خلاصہ یہ کہ رمضان صبر علی الطاعۃ کا مہینہ ہے، اس کے آخری عشرہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اور یہ عشرہ رمضان المبارک کی رحمتوں اور برکتوں کا نچوڑ ہے، اس لئے رمضان کے آخری عشرہ میں صبر علی الطاعات کا خصوصیت سے اہتمام فرمائیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

"وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"

✿✿✿

# رمضان اور حقیقتِ صبر (۴)

۱۲؍اگست ۲۰۱۲ء بروز اتوار
جامعہ دار العلوم کراچی

# اقتباس

''کوئی بھی طاعت یا عبادت ایسی نہیں ہے کہ جس کو کرنے میں مشقت نہ اُٹھانی پڑتی ہو، لیکن جب انسان اس کو اللہ کی رضا کی خاطر مسلسل کرتا ہے تو رفتہ رفتہ یہ تکلیف ختم ہوتی چلی جاری ہے اور اس تکلیف کے تناسب سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجر کا ترتب ہوتا ہے''

# رمضان اور حقیقتِ صبر (۴)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا. اَمَّابَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ○ (آل عمران:۲۰۰)

گذشتہ بیان میں سورۂ آلِ عمران کی آخری آیت کی کچھ تشریح کی گئی تھی، اللہ جل جلالہٗ کے کلام کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ بسا اوقات ایک آیت مختصر الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے، لیکن اتنی جامع ہوتی ہے کہ اگر آدمی اس کے تقاضوں پر عمل کر لے تو اس کو سارا دین حاصل ہو جاتا ہے، اور سورۂ آلِ عمران کی یہ آیت بھی ان ہی آیتوں میں سے ایک ہے۔

گذشتہ بیان میں عرض کیا گیا تھا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار کاموں کا حکم فرمایا ہے، ان میں پہلا کام صبر ہے، جس کی تین قسمیں بھی بیان کی تھیں۔

(۱)......صبر علی الطاعة

(۲)......صبر عن المعصية

(۳)......صبر علی المصيبة

## صبر علی الطاعۃ کا مطلب

صبر علی الطاعۃ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرنے میں پیش آنے والی ناگواری کو برداشت کرتے ہوئے اللہ کے حکم کے مطابق طاعت کو انجام دیا جائے، خواہ کیسی ہی سستی ہو یا کیسی ہی ناگواری ہو، اس کا مقابلہ کر کے طاعت کو انجام دیا جائے، نفس سے یہ مقابلہ کرنا ہی دراصل صبر علی الطاعۃ ہے۔

کوئی بھی طاعت یا عبادت ایسی نہیں ہے کہ جس کو حاصل کرنے میں مشقت نہ اُٹھانی پڑتی ہو، لیکن جب انسان اس کو اللہ کی رضا کی خاطر مسلسل کرتا ہے تو رفتہ رفتہ یہ تکلیف ختم ہوتی چلی جاتی ہے اور اس تکلیف کے تناسب سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجر کا ترتب ہوتا ہے۔

## تکلیف اُٹھائے بغیر کوئی راحت حاصل نہیں ہوتی

اکثر لوگ یہ کہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ نماز کے لئے آنے میں، ذکر کرنے میں یا تلاوت کرنے میں مشقت اور سستی ہوتی ہے، اس لئے کوئی ایسا طریقہ بتادیا جائے کہ یہ مشقت اور سستی ختم ہوجائے۔ حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ نے ایک مرتبہ اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ مجھے کوئی ایسا طریقہ بتادو کہ درد زہ کے بغیر ہی عورت کے یہاں بچے کی ولادت ہوجائے، مطلب یہ تھا کہ تکلیف اُٹھائے بغیر کوئی بھی راحت یا نفع حاصل نہیں ہوتا، اس لئے اگر کسی طاعت کے کرنے میں مشقت اور سستی ہورہی ہے تو اللہ تعالیٰ کا مقصود اس سے یہ ہے کہ بندہ میرے حکم کی خاطر اپنے نفس پر مشقت برداشت کرے، اور اپنی خواہشات کو دبا کر میرا حکم بجالائے، اور اسی مشقت پر اللہ تعالیٰ اجر عطا فرماتے ہیں۔

## جنت، مشقتوں میں پوشیدہ ہے

جنت کا حصول بھی ان ہی مشقتوں کو برداشت کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے پر موقوف ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الْجَنَّةَ حُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ

''جنت ناگواریوں کے پیچھے چھپی ہوئی ہے''

یعنی جنت کے چاروں طرف ایسی چیزیں ہیں جن کو کرنا انسان کو بہت ہی دُشوار دکھائی دیتا ہے، اس لئے یہ خیال کرنا کہ ہم کوئی تکلیف اور مشقت اُٹھائے بغیر ہی جنت میں پہنچ جائیں، تو یہ خیال محض ایک دھوکہ ہے۔

## ایک غلط فہمی کا ازالہ

لوگ جب یہ سنتے ہیں کہ کوئی آدمی کسی اللہ والے کے پاس گیا، تو انہوں نے اس پر کوئی ایسی نظر ڈالی یا ایسا تصرف کیا کہ اس کے دل کی دنیا ہی بدل گئی، اس قسم کے واقعات سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی اللہ والے سے تعلق قائم کرلیں تو وہ خود ہی ہماری اصلاح کردے گا اور ہمیں کچھ نہیں کرنا پڑے گا، یہ خیال غلط ہے۔

## حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ

جیسے حافظ شیرازی جو فارسی کے مشہور شاعر ہیں، ان کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ نوجوان لڑکے تھے، کچھ مجذوب سے تھے، اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے رہتے تھے، ایک مرتبہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے والد کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ آپ کے کتنے لڑکے ہیں؟ اس وقت ان کے جو لڑکے وہاں موجود تھے وہ تو خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے آگئے، لیکن حافظ شیرازی اس وقت وہاں موجود نہ تھے، حسبِ معمول کہیں نکلے ہوئے تھے، خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے والد سے دریافت کیا کہ ان کے علاوہ بھی تمہارا کوئی لڑکا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں! ایک لڑکا اور بھی ہے لیکن وہ اِدھر اُدھر گھومتا پھرتا رہتا ہے، اور بس کچھ ایسا ہی ہے، خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسے بھی بلاؤ، چنانچہ حافظ شیرازی کو ڈھونڈ کر لایا گیا، جس وقت حافظ شیرازی وہاں پہنچے تو حضرت باقی باللہ کو دیکھتے ہی انہوں نے یہ شعر پڑھا:

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

''وہ لوگ جو نظر ڈال کر مٹی کو بھی سونا بنا دیتے ہیں، کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی آنکھ کا ایک گوشہ ہماری طرف ڈال دیں''

خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا یہ شعر سن کر فرمایا: ''نظر کردم، نظر کردم، نظر کردم'' اور ان کو اپنے پاس بلایا، اس وقت سے حافظ صاحب کی کیفیت ہی بدل گئی، اور اس وقت سے وہ فنا فی اللہ ہو کر رہ گئے۔

لوگ اس قسم کے واقعات سے شبہ میں پڑ جاتے ہیں کہ کسی بزرگ کی ایک ہی نظر سے کایا پلٹ گئی، ہمارے حضرت والا حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو اس قسم کے تصرف کی طاقت دے دیتے ہیں، جب وہ کسی کی طرف توجہ کرتے ہیں تو اس کے دل کی کیفیت میں کچھ تبدیلی آجاتی ہے، لیکن یہ تبدیلی عارضی ہوتی ہے، اور اصل کام بندے کو ہی کرنا پڑتا ہے، اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے میں مشقتیں اور دشواریاں پیش آتی ہیں، ان دشواریوں کو برداشت کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کے نتیجے میں ہی اس کو مقام ملتا ہے، محض کسی بزرگ کی نظر سے کوئی ولی کامل نہیں بن جاتا۔

## اولیاء کے تصرف کی مثال سے وضاحت

اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی گاڑی اگر چلتے چلتے رُک جائے اور اس کا اسٹارٹر خراب ہو جائے تو اس کو چلانے کے لئے دھکا لگانا پڑتا ہے، دھکا لگا کر اس کو اسٹارٹ کر لیا جاتا ہے، درحقیقت تصرف کے جو واقعات بزرگوں سے منقول ہیں وہ بھی اسی طرح ہیں کہ ایک طرح سے بندے کو دھکا دیا جاتا ہے، لیکن جس طرح دھکے سے وہی گاڑی اسٹارٹ ہوتی ہے جس میں چلنے کی قوت ہو اور پٹرول وغیرہ بھی ہو، اسی طرح بزرگوں کے

تصرف کے نتیجے میں بھی اسی کو ہدایت ملتی ہے جس کے اندر طلب ہوتی ہے، لیکن اس دھکے کے بعد اصل کام بندے کو خود ہی کرنا پڑتا ہے۔

اس لئے اس قسم کے واقعات سے شبہ میں نہیں پڑنا چاہئے، اور یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ کی راہ میں مشقتیں اور دشواریاں تو ضرور آئیں گی اور ان کا علاج صبر کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔

## صبر کی مشق طاعات کو آسان بنادیتی ہے

صبر کی مشق کرنے سے یہ مشقتیں کچھ کم ہوجاتی ہیں، اور طاعات کا کرنا آسان ہوجاتا ہے، مثال کے طور پر بعض لوگ تلاوت اور ذکر کے لئے اپنے معمولات مقرر کرتے ہیں تو ان کو بکثرت یہ صورت پیش آتی ہے، کہ ان معمولات کو پورا کرنے میں نفس پر جبر کرنا پڑتا ہے، لیکن مسلسل اپنے معمول کو پورا کرنے کے بعد ان مشقتوں میں کمی آتی چلی جاتی ہے، اور بسا اوقات ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ مشقت بالکل ہی ختم ہوجاتی ہے، اور دل کی اور طرف چلتا ہی نہیں۔

## شریعت، طبیعت بن گئی!

جیسا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گئے، اور ان کی صحبت سے مستفید ہوئے تو وہاں سے واپس آنے کے بعد ایک موقع پر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا حال لکھا اور اس میں ایک جملہ یہ لکھا کہ:

"حضرت! الحمد للہ! شریعت، طبیعت بن گئی ہے"

یعنی جس طرح آدمی کی طبیعت کے خلاف کوئی بات ہوجائے تو اس کو تکلیف ہوتی ہے، اسی طرح اگر مجھ سے شریعت کے خلاف کوئی بات ہوجائے تو اس سے تکلیف ہوتی ہے، تو بعض اوقات ایسا مقام بھی آتا ہے کہ صبر کے نتیجے میں شریعت، طبیعت بن جاتی ہے۔

لیکن یہ مقام آسانی سے نہیں ملتا، بلکہ اس کے لئے ایک مدت تک صبر کی مشق کرنی پڑتی ہے، نفس کو رگڑے دینے پڑتے ہیں اور نفس کو اس کی مرضی کے خلاف کام کرنے پر آمادہ کرنا پڑتا ہے، تب کہیں جا کر یہ مقام ملتا ہے، اور جب یہ مقام مل جاتا ہے تو رسول اللہ ﷺ کی حدیث: (جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ) ''میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے'' کا مطلب بھی سمجھ میں آتا ہے، اور ایسے مقام پر پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طاعات میں لطف آنے لگتا ہے اور جب تک طاعات کو انجام نہ دیا جائے اس وقت تک چین ہی نہیں آتا۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سفر میں تشریف لے جارہے تھے، نماز کا وقت آیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ:

أَرِحْنَا بِالصَّلٰوةِ يَا بِلَالُ!

''اے بلال! نماز سے ہمیں راحت پہنچادو''

یعنی ہم نے اب تک نماز نہیں پڑھی جس کی وجہ سے طبیعت میں بے چینی ہے اور ہمیں سکون نہیں مل رہا، نماز کے لئے اذان دو تا کہ نماز پڑھ کر ہمیں راحت حاصل ہو، اور یہ کیفیت تقریباً ہر نمازی مسلمان کو بھی حاصل ہوتی ہے، کہ جب تک نماز نہ پڑھ لے چین نہیں ملتا۔

لیکن اس کیفیت تک پہنچنے کے لئے نمازی نے کیا کیا مراحل طے کئے؟ بچپن میں تو نماز کے لئے جانے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا، ماں باپ زبردستی مار پیٹ کر نماز پڑھنے کے لئے بھیجتے تھے، لیکن جب رفتہ رفتہ اس کی عادت پڑ جاتی ہے تو پھر نماز پڑھے بغیر سکون ہی نہیں ملتا، جب نماز کا وقت آتا ہے تو آدمی اپنی ہر راحت کو قربان کر کے نماز پڑھتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب نماز کی مشق کی تو مسلسل مشق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نماز کی طاعت کو طبیعت بنادیا، اور نماز پڑھے بغیر چین نہیں آتا۔

یہی حال تمام طاعات کا ہے، مثلاً ایسا شخص جو روزہ رکھنے کا عادی ہو اور اس نے کبھی

رمضان کا روزہ نہ چھوڑا ہو تو رمضان کے مہینے میں اس کے دل میں کبھی یہ خیال بھی نہیں آئے گا کہ آج کا روزہ چھوڑ دیا جائے، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ مسلسل مشق کرنے کی وجہ سے رمضان کا روزہ رکھنا اس کی طبیعت بن گیا، اور اس کے خلاف کرنا اس کو گوارا نہیں ہے، اور اس روزہ رکھنے کی وجہ سے جو مشقت اس کو شروع میں ہوتی تھی اب وہ راحت و لذت میں بدل گئی ہے۔

لیکن یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ یہ راحت و لذت مقصود نہیں ہے، بلکہ مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔

## نفلی عبادات میں صبر کرنا دشوار ہے

جس طرح نماز، روزہ اور دیگر فرائض میں یہ صورتِ حال پیش آتی ہے اسی طرح نوافل میں بھی بسا اوقات یہی قصہ پیش آتا ہے، بلکہ نوافل میں یہ بات کثرت سے پیش آتی ہے، کیونکہ فرائض کو انسان اپنے اوپر لازم سمجھ کر کر لیتا ہے، لیکن نوافل میں جب سستی ہوتی ہے اور نفلی عبادت کرنے کو دل نہیں چاہتا تو دل میں یہ خیال آتا ہے کہ یہ کون سا فرض ہے کہ جس کے نہ کرنے پر کوئی گناہ ہوگا، دل میں یہ کشمکش رہتی ہے اور انسان اپنے نفس کو آسانی سے ان پر آمادہ نہیں کر پاتا، لیکن اگر اس کشمکش میں ہمت کر کے انسان مسلسل مشق کرے اور نفلی عبادت کو باوجود سستی اور نفس کی ناگواری کے انجام دے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ نفلی عبادت کئے بغیر بھی چین نہیں آتا۔

اس کی مثال کچھ ایسے ہے جیسے اگر کسی کو کوئی حادثہ پیش آجائے یا اس کو کوئی صدمہ پیش آجائے تو اس کو شروع میں بہت زیادہ صدمہ ہوتا ہے، لیکن وہ ہر وقت (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ) پڑھتا رہتا ہے، اور کچھ وقت گزرنے کے بعد اس کا صدمہ کم ہوتا چلا جاتا ہے، اسی طرح طاعات کی مسلسل مشق کرنے سے رفتہ رفتہ مشقت کم ہو جاتی ہے، اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ ختم ہو جاتی ہے، لیکن اس فکر میں نہیں رہنا چاہئے کہ یہ مشقت کم ہو

یا ختم ہو، بلکہ مسلمان کا کام ہے کہ اللہ کی طاعت میں جو بھی مشقت آئے اس کو برداشت کرے خواہ مسلسل کرنے سے وہ کم ہو یا نہ ہو۔

## اِبْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِم کا پہلا مطلب

یہاں ایک اور بات بھی سمجھنے کی ہے جس میں بڑے بڑے لوگوں کو مغالطہ پیش آتا ہے، جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے صبر کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور صابرین کی تعریف فرمائی ہے اس کے ساتھ یہ قید بھی لگائی ہے کہ یہ صبر اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کے لئے ہونا چاہئے، جیسا کہ اس آیت میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ. (الرعد:۲۲)

"جو لوگ اپنے پروردگار کی خوشنودی کی خاطر صبر کرتے ہیں....."

اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کا اجر اس صورت میں رکھا ہے جب ان کا صبر کرنا اللہ کی خوشنودی کے لئے ہو، جس کا حاصل یہ ہے کہ طاعات میں اخلاص پیدا ہو جائے، لیکن اگر طاعت پر صبر بھی کیا اور مشقت بھی اٹھائی لیکن اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی خوشنودی نہ تھی تو یہ (خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ) کا مصداق ہو گیا، دنیا میں بھی تکلیف اٹھائی اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل نہ ہوئی۔

## عبادت اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہونی چاہئے

اسی لئے بزرگوں کا یہ معمول بھی رہا ہے کہ وہ نفلی عبادتوں میں خاص طور پر یہ دیکھتے تھے کہ میں جس عبادت کو کرنے جا رہا ہوں اس سے میرا مقصود اللہ کو راضی کرنا ہے یا نہیں، اس میں ریاکاری کا کوئی شبہ تو نہیں آ گیا، بعض اوقات دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اگر میں نے یہ طاعت نہ کی تو لوگ کیا کہیں گے، ایسی صورت میں لوگوں کو راضی کرنا اس طاعت کے کرنے کا سبب بن جاتا ہے، اور اس سے اخلاص ختم ہو جاتا ہے۔

## امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے فقیہ اور محدث ہیں، ان کو کسی نے اطلاع دی کہ ان کے زمانے کے ایک مشہور صوفی بزرگ (غالباً بشر حافی) کا انتقال ہوگیا ہے، اور فلاں وقت نمازِ جنازہ ہوگی، بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ حدیث کے حلقے میں بکثرت آیا کرتے تھے، اور وہاں بیٹھنے والے طلباء سے خطاب بھی کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اے علماء کرام اتم اپنے علم کی زکوٰۃ بھی ادا کیا کرو، اور علم کی زکوٰۃ یہ ہے کہ تم نے جتنی بھی فضائلِ اعمال کی احادیث پڑھی ہیں، ان اعمال کے اڑھائی فیصد پر عمل کرلیا کرو، غرض یہ کہ بہت بڑے بزرگ تھے اور امام احمد بن حنبل کی مجلس میں ان کا آنا جانا بکثرت تھا، دنیا میں ان کی بزرگی کا شہرا اور چرچا تھا۔

اُس وقت اطلاع لانے والے نے جنازہ کے لئے ساتھ چلنے کو کہا، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اُس وقت کچھ تأمل فرمایا اور جنازہ پر جانے سے انکار کردیا، اس شخص نے کہا کہ حضرت! اتنے بڑے بزرگ کا انتقال ہوگیا ہے، ایسے مواقع پر تو لوگ دور دور سے سفر کر کے جنازے میں شرکت کے لئے آتے ہیں اور آپ نمازِ جنازہ میں نہیں جارہے؟

آپ نے جواب میں فرمایا:

لَمْ تَحْضُرْنِیْ نِیَّة

''میری نیت خالص نہیں ہورہی''

یعنی مجھے نمازِ جنازہ پر جانے کا ثواب اور اس کی فضیلت اس وقت حاصل ہوتی، جب میں صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے نمازِ جنازہ میں شرکت کرتا، لیکن جب مجھے اطلاع ملی تو اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر میں نے نمازِ جنازہ میں شرکت نہ کی تو لوگ کیا کہیں گے؟ لوگوں کی ملامت کا خوف دل میں آرہا ہے، جس کی وجہ

سے اخلاص پیدا نہیں ہو رہا اور ایسا عمل جس میں اخلاص نہ ہو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اس لئے میں اس جنازہ میں شرکت کے لئے نہیں جارہا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا شمار صوفیاء میں نہیں کیا جاتا، بلکہ ان کو محدثین اور فقہاء کی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے، لیکن انہوں نے تصوف کا ایک بہت اعلیٰ نکتہ بیان فرمایا، کیونکہ جتنے بھی محدثین اور فقہاء گزرے ہیں سب کے سب اعلیٰ درجہ کے صوفی بھی تھے، اس لئے کسی بھی طاعت میں اگر انسان مشقت بھی اٹھائے لیکن اس کا مقصد اللہ کی رضامندی نہ ہو بلکہ مخلوق کی ملامت سے بچنا ہو تو ایسی مشقت صبر علی الطاعات میں داخل نہیں ہے۔

## ریاکاری کے شبہ سے بھی بچنا چاہئے

رسول اللہ ﷺ ہر سال مسجد نبوی میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، ایک مرتبہ جب آپ ﷺ نے اعتکاف کا ارادہ فرمایا تو اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اعتکاف میں بیٹھنے کی اجازت مانگی، رسول اللہ ﷺ جب اعتکاف میں بیٹھتے تو آپ کے لئے وہاں ایک خیمہ سا بنادیا جاتا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مسجد نبوی سے بالکل متصل تھا، اگر حضور ﷺ کے خیمہ کے ساتھ ان کا بھی خیمہ لگادیا جاتا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں تھا، کیونکہ مسجد اور گھر ساتھ ساتھ تھے، اس لئے کسی بھی ضرورت کے لئے باآسانی مسجد سے گھر اور گھر سے مسجد آنا جانا ہوسکتا تھا، کسی قسم کی بے پردگی کا احتمال بھی نہیں تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔

جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی اعتکاف کے لئے اپنا خیمہ لگالیا، اس کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پتہ چلا تو انہوں نے بھی اپنا خیمہ لگالیا، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور خیمے لگے دیکھے تو اس کے بارے میں دریافت کیا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ جب صورتِ حال معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

آلبِرَّ یُرِدْنَ؟

''کیا یہ نیکیاں کرنا چاہتی ہیں؟''

اور یہ فرما کر سب کے خیمے وہاں سے ہٹوا دیئے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دی ہوئی اعتکاف کی اجازت بھی منسوخ فرمادی اور اس سال خود بھی اعتکاف نہیں فرمایا۔

اعتکاف بہت عظیم الشان عبادت ہے اور سنتِ موکدہ علی الکفایہ ہے، رسول اللہ ﷺ کے معمول میں داخل ہے، لیکن حضور ﷺ نے اس کو اس لئے ترک فرمادیا کہ آپ کو یہ محسوس ہوا تھا کہ اس اعتکاف میں کارفرما جذبے میں ایک دوسرے سے مقابلے کا کچھ شائبہ ہے، حالانکہ نیکی کے کام میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرنا محمود ہے، لیکن آپ ﷺ نے یہ خیال فرمایا کہ پہلے تو کسی کے دل میں اعتکاف کا خیال نہیں آیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ دیکھ کر سب کو اعتکاف کا خیال آگیا، اس لئے اس میں اخلاصِ کامل کی کمی محسوس فرمائی، اگرچہ یہ کرنے والی کوئی معمولی خواتین نہیں تھیں، بلکہ اُمہات المومنین رضی اللہ عنہا اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت یافتہ تھیں، لیکن بظاہر ابتداء میں جو جذبہ پیدا ہوا وہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں تھا، اس لئے آپ نے اس جذبے کا تدارک کرنے کے لئے سب کو اعتکاف سے منع فرمادیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اجازت اس لئے منسوخ فرمائی کہ ان کو اجازت دینے کی صورت میں باقی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی دل شکنی کا اندیشہ تھا، اس لئے سب کو اعتکاف سے منع فرمادیا، اور رسول اللہ ﷺ نے خود بھی اعتکاف نہیں فرمایا کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیمہ ہٹوانے کی وجہ سے اس بات کا اندیشہ بھی تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دل شکنی ہوگی، اس لئے کہ ایک مرتبہ ان کو اجازت دے چکے تھے، اس کی تلافی کے لئے آپ نے فرمایا کہ اس سال میں بھی اعتکاف نہیں کروں گا، چنانچہ آپ ﷺ نے اس سال رمضان کا اعتکاف نہیں فرمایا بلکہ بعد میں اس کی قضاء فرمائی۔

اگر غور کیا جائے تو حضرات امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے اس عمل میں ان کی

جانب سے اخلاص کی کمی کا یقین نہیں تھا بلکہ ایک ادنیٰ سا شبہ ہی تھا، لیکن آپ ﷺ نے اس کی وجہ سے بھی سب کو منع فرمادیا تاکہ طاعت میں کیا جانے والا صبر اللہ کے واسطے اور جذبے کے تحت ہونے کا شبہ بھی جاتا رہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کسی طاعت کے کرنے کا ایک معنیٰ تو یہ ہے کہ طاعت میں اخلاص ہو اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے طاعت کی جائے، محض دنیا کے دکھاوے کے لئے نہ ہو، یہ خیال دل میں نہ ہو کہ اگر میں نے یہ طاعت نہ کی تو لوگ کیا کہیں گے، لوگوں کی ملامت کے خوف سے نہ ہو، لوگوں کی ملامت کا خوف کئے بغیر دل میں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا خیال ہونا چاہئے۔

## اِبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ کا دوسرا مطلب

اِبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ کا دوسرا مطلب کچھ دقیق ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ طاعت اللہ کی خوشنودی کے لئے ہو، اپنی چاہت اور اپنا شوق پورا کرنا مقصود نہ ہو۔

طاعات کو مسلسل کرنے کے نتیجے میں ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کے کرنے میں مشقت ختم ہو جاتی ہے، اور بعض اوقات اس طاعت میں لذت آنے لگتی ہے، اس مرحلہ پر پہنچ کر انسان کو اس طاعت کا شوق پیدا ہو جاتا ہے، اور دل میں یہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ کچھ بھی ہو جائے اس طاعت کو انجام دینا ہے۔

## دین شوق کا نہیں، اتباع کا نام ہے

ایسی صورتِ حال میں بعض اوقات شریعت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ طاعت کو ترک کر دیا جائے، لیکن مسلسل طاعت کو کرنے کی وجہ سے چونکہ اس کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اس لئے آدمی اس بات کو بھول جاتا ہے کہ شریعت کا تقاضا کیا ہے، اور شوق پر عمل کرتا ہے، اس کی بے شمار مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

مثلاً صفِ اول میں نماز پڑھنا بہت بڑی فضیلت کی بات ہے، رسول اللہ ﷺ

نے ارشاد فرمایا: اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ صفِ اول میں نماز پڑھنے کی کیا فضیلت ہے تو گھٹنوں کے بل بھی لوگوں کو چل کر آنا پڑے، تو آئیں گے، اور ایک روایت میں آتا ہے کہ اگر ان کو قرعہ اندازی کرنی پڑے، تو وہ بھی کریں گے۔

لیکن صفِ اول میں نماز پڑھنے کے لئے مشقت بھی اُٹھانی پڑتی ہے، اذان کے ساتھ ہی مسجد میں آنا پڑتا ہے، اگر کسی آدمی نے یہ مشقت اُٹھائی اور صفِ اول میں نماز پڑھنے کو اپنا معمول بنالیا اور ایک وقت ایسا آیا کہ اس کو صفِ اول میں نماز پڑھنے میں لطف آنے لگا، اور صفِ اول میں نماز پڑھنا اس کی طبیعتِ ثانیہ بن گئی، اور اس کو صفِ اول میں نماز پڑھنے کا شوق ہوگیا، اب اس شوق کو پورا کرنے کی خاطر وہ شریعت کے دیگر بہت سے احکامات کو نظر انداز کردیتا ہے۔

مثلاً صفِ اول میں نماز پڑھنے کی صورت میں یہ حکم بھی ہے کہ اس فضیلت کو حاصل کرنے میں کسی مسلمان کو تکلیف نہ ہو، نمازیوں کی گردنیں نہ پھلانگی جائیں، رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، ایک شخص کو دیکھا کہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آگے جارہا ہے، آپ ﷺ نے خطبے کے دوران ہی اس کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

اِجْلِسْ، فَقَدْ آذَیْتَ

''بیٹھ جاؤ! تم نے لوگوں کو تکلیف پہنچائی ہے''

اب اگر کسی شخص کو صفِ اول میں نماز پڑھنے کا شوق ہوجائے، اور اس کے دل میں یہ خیال آجائے کہ میری کوئی نماز صفِ اول کے بغیر نہیں ہونی چاہئے، تو اس کی یہ طاعت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے نہیں رہی، کیونکہ اس نے شریعت کے حکم کو نظر انداز کرکے اپنے شوق کو پورا کیا ہے، شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ جب صفِ اول میں نماز پڑھنے سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچے تو صفِ اول کی نماز چھوڑ دینی چاہئے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''جو شخص صفِ اول تک پہنچنے کو اس وجہ سے چھوڑ دے کہ اس کی وجہ سے

کسی مسلمان کو تکلیف ہوگی تو اس کو صف اول میں نماز پڑھنے سے زیادہ ثواب ملے گا"

## اصل مقصود اللہ کے حکم کی اتباع ہے

معلوم ہوا کہ صفِ اول میں نماز پڑھنا مقصود نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی مقصود ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی صف اول کو چھوڑنے سے حاصل ہو سکتی ہے تو صفِ اول کو چھوڑنا ضروری ہے، اصل چیز اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے اپنا شوق کوئی حیثیت نہیں رکھتا، یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس کو سمجھنے میں اکثر و بیشتر بہت سے لوگ غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

## جریج کا واقعہ

حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سابقہ اُمتوں میں سے جریج نامی ایک شخص کا واقعہ ذکر فرمایا ہے، یہ غالباً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُمت میں سے تھے، کسی خانقاہ وغیرہ میں رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کی والدہ خانقاہ میں انکے پاس کسی کام سے گئیں اور ان کو "یا جریج" کہہ کر پکارا، جریج اس وقت کسی نفلی نماز میں مشغول تھے، والدہ کی آواز سنی تو انہوں نے اپنے دل میں سوچا: "اُمی و صلاتی" کہ یا اللہ! ایک طرف تو میری والدہ ہیں جو مجھے پکار رہی ہیں، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی پکار کا جواب دوں، اور دوسری طرف میری نماز ہے اور نماز کو توڑنا بھی بری بات ہے، دل میں کشمکش پیدا ہوگئی کہ نماز کو توڑ کر والدہ کو جواب دوں یا نماز کو جاری رکھوں اور والدہ کی پکار کا جواب نہ دوں؟ بالآخر دل میں یہ فیصلہ کیا کہ نماز کو نہ توڑوں، ان کی والدہ نے پھر پکارا تو ان کے دل میں پھر وہی کشمکش ہوئی "اُمی و صلاتی" ایک طرف ماں ہے اور ایک طرف نماز ہے، انہوں نے پھر وہی فیصلہ کیا کہ نماز نہ توڑی جائے، تیسری مرتبہ پھر آواز دی تو پھر یہی کیا، جب ان کی والدہ نے اپنی پکار کا کوئی جواب نہیں پایا تو ان کو

غصہ آیا اور انہوں نے بد دعا دی کہ تمہیں اس وقت تک موت نہ آئے جب تک تم بازاری عورتوں کا منہ نہ دیکھ لو۔

## ماں کی بد دعا دنیا و آخرت کی بربادی کا سبب ہے

ان کی ماں کی یہ بد دعا پوری ہوئی اور ایک غیر شادی شدہ عورت جو اسی بستی میں رہتی تھی وہ حاملہ ہوگئی، لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تم تو غیر شادی شدہ ہو، یہ حمل کس کا ہے؟ اس عورت نے جریج پر جھوٹی تہمت لگادی اور کہا کہ یہ ان کا کام ہے، اگر کسی عام آدمی کے بارے میں اس قسم کی بات کی جاتی تو اس کا اتنا اثر نہ لیا جاتا، لیکن لوگوں کے یہاں جریج کا ایک مقام تھا اور لوگ ان کو اپنا مقتدا سمجھتے تھے، اس وجہ سے لوگوں کو بہت غصہ آیا، اور بستی کے تمام لوگ ان پر چڑھ دوڑے، ان کی خانقاہ کی عمارت کو مسمار کر دیا۔

اس کے بعد جریج نے اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا، یہاں تک کہ اس عورت کے یہاں وہ بچہ پیدا ہوگیا، جریج نے لوگوں سے کہا کہ اس بچے کو میرے پاس لاؤ، لوگ اس بچے کو جب ان کے پاس لے کر آئے تو انہوں نے اس بچے سے پوچھا کہ: اے بابوس! تیرا باپ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت ظاہر فرمائی اور وہ بچہ بول پڑا، اس نے کہا کہ فلاں چرواہا ہے اور اس نے میری ماں کے ساتھ زنا کیا ہے جس کے نتیجے میں میری پیدائش ہوئی ہے، بچے کی بات سن کر لوگوں کے سامنے جریج کی براءت ظاہر ہوگئی۔

لوگ یہ دیکھ کر بڑے شرمندہ ہوئے، انہوں نے جریج سے عرض کیا کہ ہم اپنے عمل کی تلافی کے لئے آپ کی خانقاہ سونے سے تعمیر کریں گے، جریج نے کہا کہ سونے سے تعمیر کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جیسے پہلی تھی اسی طرح تعمیر کر دو۔

اس روایت میں سب سے پہلا سبق یہ ملتا ہے کہ ماں کی اطاعت بہت بڑی چیز ہے، جس کو چھوڑنے کی وجہ سے جریج اس مصیبت میں گرفتار ہوئے، حالانکہ انہوں نے نماز کی خاطر ماں کی پکار کا جواب نہیں دیا تھا، وہ تو غنیمت ہوا کہ ان کی ماں نے بازاری عورتوں کا

چہرہ دیکھنے کی حد تک بددعا کی تھی اس لئے بات زیادہ نہیں بڑھی اور جلد ہی ان کی براءت ظاہر ہوگئی۔

## والدین کا رتبہ

علماء نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد اس سے بہت سے احکام مستنبط کئے ہیں، جن میں ایک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نفلی نماز پڑھ رہا ہو، اور اس کے والدین میں سے کوئی ایک آواز دے اور انہیں پتہ بھی ہو کہ ہمارا بیٹا نماز میں مشغول ہے، تو اس کے ذمہ ہے کہ نماز توڑ کر والدین کی بات کا جواب دے۔

نفل نماز بہت بڑی عبادت ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کی اطاعت کو نفل نماز سے بھی مقدم رکھا، اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ نفلی عبادات میں بھی ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اس وقت اللہ جل جلالہٗ کا حکم کیا ہے، محض اپنے شوق یا لطف کی خاطر کسی نفلی عبادت کو انجام دینا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی پرواہ نہ کرنا صبر علی الطاعۃ کے منافی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صبر علی الطاعۃ پر اسی وقت انعام کا وعدہ فرمایا کہ جب صبر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کیا گیا ہو اور نفلی عبادت کے ذریعہ اپنا شوق پورا کرنا مقصود نہ ہو۔

یہ (اِبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ) کا دوسرا مطلب ہے، اس کی مزید تشریح ان شاء اللہ اگلے بیان میں کی جائے گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

"وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"

# رمضان اور حقیقتِ صبر (۵)

۱۳ر اگست ۲۰۱۲ء بروز پیر
جامعہ دارالعلوم کراچی

# اقتباس

"حاصل یہ کہ مخلوق کسی بھی حال میں راضی نہیں ہوتی کسی ایک کو راضی کروگے تو کوئی دوسرا اعتراض کردے گا، اس کو راضی کروگے تو کوئی تیسرا اعتراض کردے گا، اس لئے کسی بھی عبادت کے کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو سامنے رکھیں اور مخلوق کی پروانہ کریں"۔

# رمضان اور حقیقتِ صبر (۵)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَامُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. اَمَّابَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○ (آل عمران:۲۰۰)

گزشتہ بیان میں صبر علی الطاعۃ کی تشریح کی گئی تھی جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوئی عبادت انجام دیتے وقت پیش آنے والی تکلیف کو اللہ تعالیٰ کے لئے برداشت کرنا، اور اپنے اوپر جبر کر کے اس عبادت کو انجام دینا صبر علی الطاعۃ ہے، اور تمام عبادتوں میں کچھ نہ کچھ صبر علی الطاعۃ کرنا پڑتا ہے، خواہ وہ فرائض ہوں یا نوافل ہوں۔

صبر علی الطاعۃ کرنے میں اس بات کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے کہ یہ صبر محض اللہ تعالیٰ کی خاطر ہو، شہرت یا اپنے شوق کی وجہ سے نہ ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ...... (الرعد:۲۲)

''اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کی رضامندی تلاش کرنے کے لئے صبر کیا......''

## اِبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ کا پہلا مطلب

(اِبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ) کے دو مطلب ہیں، ایک یہ کہ جو بھی عبادت ہو وہ خالص اللہ جل جلالہٗ کی رضا کے لئے ہو اور اس میں ریاکاری اور شہرت کی آمیزش نہ ہو، صبر علی الطاعۃ کی فضیلت اسی شخص کو حاصل ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے صبر کرے۔

لیکن اگر انسان عبادت کرنے میں مشقت بھی برداشت کرے اور اس کا منشا شہرت حاصل کرنا ہو، یا اس کے دل میں یہ خیال آجائے کہ اگر میں نے یہ عبادت نہ کی تو لوگ کیا کہیں گے، یہ خیال اخلاص کے منافی ہے، کوئی بھی عبادت کرتے وقت دل میں یہی خیال ہونا چاہئے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اور اس کی بندگی کر رہا ہوں اور اس عبادت سے مقصود اللہ کو راضی کرنا ہے، اس بات کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے کہ لوگ اس کو اچھا سمجھیں گے یا برا کہیں گے۔

لوگوں کی نہ تو تعریف کا اعتبار کرنا چاہئے اور نہ ہی ان کی مذمت کی فکر کرنی چاہئے، کیونکہ ان کے دماغ میں جو بھی خیال آتا ہے اس کو بیان کردیتے ہیں، کوئی اگر زیادہ عبادت کرنے لگے تو اس کو کہتے ہیں کہ یہ تو صوفی صاحب بن گئے، دنیا سے کٹ گئے، دنیا کی کوئی پروا ان کو نہیں رہی، غرض یہ کہ طرح طرح کے اعتراضات کریں گے، اور اگر کسی دن یہ عبادات چھوٹ گئیں تو اس پر بھی اعتراض کریں گے کہ دیکھو کل تک تو صوفی بنے پھرتے تھے اور آج کل عبادات کا اہتمام ہی نہیں کرتے، حاصل یہ کہ مخلوق کسی بھی حال میں راضی نہیں ہوتی کسی ایک کو راضی کروگے تو کوئی دوسرا اعتراض کردے گا، اس کو راضی کروگے تو کوئی تیسرا اعتراض کردے گا، اس لئے کسی بھی عبادت کے کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو سامنے رکھیں اور مخلوق کی پرواہ نہ کریں۔

## اِبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ کا دوسرا مطلب

(اِبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ) کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی نفلی عبادات میں اپنے

نفس پر جبر کر کے اس میں مشغول ہوتا ہے تو بعض اوقات ابتداء میں نفلی عبادات کرنے کا بہت جوش وخروش ہوتا ہے، اور ہر وقت اسی کو انجام دینے کی فکر سر پر سوار رہتی ہے، جیسا کہ کہاوت مشہور ہے کہ دو شخص ایسے ہیں جو ساری رات نہیں سوتے، ایک وہ جس کی نئی نئی شادی ہوئی ہو اور دوسرا وہ جو نیا نیا کسی کا مرید ہوا ہو، چنانچہ اسی جوش میں شروع میں تو نفلی عبادات کا بہت اہتمام ہوتا ہے لیکن کچھ عرصہ بعد جب یہ جوش ختم ہوتا ہے تو ایک دم عبادات چھوٹ جاتی ہیں، اس لئے بعض اوقات نفلی عبادتوں پر بھی روک لگانی پڑتی ہے، یہ بھی صبر میں داخل ہے، اس لئے نفلی عبادت میں اس قدر غلو کرنا جس سے شریعت کے دوسرے احکام ٹوٹتے ہوں، اِبْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ کے منافی ہے۔

## حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بہت اونچے درجے کے صحابی ہیں، ہجرتِ مدینہ کے وقت رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ان کی مواخاۃ اور بھائی چارہ قائم فرمادیا تھا اور یہ ان ہی کے ساتھ ان کے گھر میں رہتے تھے، اس وقت تک پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی اہلیہ میلے کچیلے کپڑوں میں پھر رہی ہیں، حالانکہ عام طور پر شوہر والی عورتیں اپنے شوہروں کے لئے اپنے آپ کو کچھ نہ کچھ بنا سنوار کر رکھتی ہیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جب ان کو اس حالت میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ آپ اس حالت میں کیوں پھر رہی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں کس کے لئے زیب و زینت کروں؟ آپ کے بھائی ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو تو دنیا سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے، دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات کو گھر آکر عبادت میں مشغول ہوجاتے ہیں، اور ساری رات عبادت میں گزار دیتے ہیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ میں انہیں سمجھاؤں گا۔

چنانچہ جب حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ کھانے پر بیٹھے تو انہوں نے عذر کیا کہ میرا روزہ ہے، اس پر حضرت سلمان فارسی نے کہا کہ میں ایک طرح سے تمہارا بھائی ہوں اور اس گھر کا مہمان ہوں، میں اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک تم نہیں کھاؤ گے، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ چونکہ نفلی روزے سے تھے اور نفلی روزہ کو کسی مہمان کی دعوت پر توڑ کر بعد میں اس کی قضا کر لینا جائز ہے، اس لئے انہوں نے روزہ توڑ دیا اور ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئے۔

اسی طرح جب رات کا وقت آیا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سونے کے لئے لیٹنا چاہتے تھے، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نماز کے لئے کھڑے ہونے لگے تو ان سے کہا کہ لیٹ کر سو جاؤ، چنانچہ ان کی بات مان کر ابوالدرداء رضی اللہ عنہ لیٹ گئے، لیکن کچھ دیر کے بعد ان کو پھر عبادت کا خیال آیا تو دوبارہ اُٹھ کر نماز کے لئے جانے لگے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو ان کو پھر روک دیا اور لیٹنے کے لئے کہا، غرض اسی طرح رات کا کافی حصہ گزر گیا، پھر جب رات کا آخری وقت شروع ہوا تو اس وقت انہوں نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اب اُٹھو اور نماز پڑھو، چنانچہ اس وقت دونوں نے تہجد کی نماز پڑھی، نماز کے بعد حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ان کو کہا کہ:

إِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِضَيْفِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، فَأَعْطِ كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ.

”تم پر تمہاری جان کا حق ہے اور تمہارے رب کا حق ہے، اور تمہارے مہمان کا حق ہے اور تمہاری بیوی کا حق ہے، پس ہر حقدار کو اس کا حق دو“

اور فرمایا کہ سب کے حقوق کو ادا کرو، اس لئے کبھی روزہ رکھو تو کبھی افطار کرو، رات کے کچھ حصہ میں سو جاؤ اور کچھ حصہ میں عبادت کرو، صبح کو یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ

کی بات آپ ﷺ کو سنائی تو آپ نے ان کی بات سن کر فرمایا:

صَدَقَ سَلْمَانُ

''سلمان نے سچ کہا''

## حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ

اس قسم کا ایک واقعہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی پیش آیا، ان سے آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم سارا دن روزہ سے رہتے ہو اور ساری رات عبادت کرتے ہو؟ انہوں نے اس کا اقرار کیا، آپ ﷺ نے اس پر نکیر فرمائی اور وہی بات ان کو کہی جو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی زبان پر اللہ تعالیٰ نے جاری فرمائی تھی، انہوں نے اپنی نفلی عبادات پر اصرار کیا لیکن آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم روزانہ روزہ نہ رکھا کرو، بلکہ ایک مہینے میں تین روزے ہی رکھا کرو، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مزید روزوں کی اجازت دے دیجئے، لیکن آپ ﷺ نے اس کی اجازت نہ دی، جب ان کا اصرار بہت بڑھ گیا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کے روزہ سے بہتر کوئی روزہ نہیں ہے، وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے، تم بھی اسی طریقہ کے مطابق روزے رکھا کرو۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ جب بوڑھے ہوگئے تو فرمایا کرتے تھے، کاش! میں رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی سہولت پر عمل کر لیتا، یعنی مہینے میں تین روزے رکھتا، اور زیادہ پر اصرار نہ کرتا، کیونکہ اس عمر میں ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن افطار کرنا میرے لئے کافی مشکل ہوگیا ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اگرچہ شوق کی وجہ سے زیادہ عبادت کرنا چاہتے تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع فرمادیا۔

## حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا واقعہ

رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ گھر میں تشریف لائے تو ایک رسی لٹکی ہوئی دیکھی، آپ

نے اس رسی کے بارے میں دریافت فرمایا تو پتہ چلا کہ اُم المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے یہ رسی لٹکائی ہوئی ہے، وہ عبادت کرتی ہیں تو اس میں بہت طویل قیام کرتی ہیں، اور بعض اوقات اتنا طویل قیام کرتی ہیں کہ بعض دفعہ تھک جاتی ہیں اور کھڑا ہونا مشکل ہو جاتا ہے، اس لئے انہوں نے یہ رسی باندھی ہوئی ہے، تھکن کے وقت اس کو پکڑ کر سہارا لے لیتی ہیں۔

آپ ﷺ نے اس رسی کو ہٹانے کا حکم فرمایا، اور فرمایا کہ اتنا ہی عمل کرو جتنا کرنے کی قوت ہو کیونکہ:

فَاِنَّ اللّٰهَ لَایَمَلُّ حَتّٰی تَمَلُّوْا

"اللہ تعالیٰ نہیں اُکتاتے یہاں تک کہ تم اُکتا جاؤ"

اس لئے کوئی طاعت اپنی قوت اور طاقت سے بڑھ کر نہیں کرنی چاہئے۔

## عبادت کی مثال

حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ اس کی مثال بیان فرمایا کرتے تھے، میں نے بار بار اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ آدمی جب عبادت کرے تو ایک ہی مرتبہ میں اپنا عبادت کا جذبہ پورا نہ کرلے، بلکہ عبادت ایسے وقت میں چھوڑ دے جبکہ تھوڑا سا شوق باقی ہو، کیونکہ شوق کی حالت میں چھوڑ و گے تو اس شوق کی وجہ سے دل دوبارہ اس عبادت کی طرف لوٹے گا، اور اگر ایک ہی مرتبہ میں سارا شوق پورا کرلیا تو بعد میں عبادت کرنے میں دشواری ہوگی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس کی مثال چک ڈور سے دیا کرتے تھے، یہ لٹو کی طرح کا ایک کھلونا ہوتا ہے، اور بچے اس سے کھیلتے ہیں، اس کو چلانے کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ اس پر رسی لپیٹ کر اس کو پھینکتے ہیں، ڈور کا ایک سرا پھینکنے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے، پھینکنے کے بعد زمین پر گرنے سے پہلے جب کچھ ڈور اس پر لپٹی رہ جاتی ہے تو ڈور کو کھینچ لیا جاتا ہے، اگر

ساری ڈور کھلنے دی جائے اور اس کے بعد ڈور کو کھینچا جائے تو یہ نہیں چلے گا بلکہ وہیں گر جائے گا، حضرت فرماتے تھے کہ عبادت بھی چک ڈور کی طرح ہے کہ اگر ایک ہی مرتبہ میں سارا شوق پورا کرلیا تو گر جائے گی، اور اگر تھوڑا سا شوق باقی رکھ کر چھوڑ دیا تو اگلے دن پھر عبادت کا شوق پیدا ہو جائے گا۔

## اِبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ کے منافی ایک اور صورت

اسی طرح ایک اور صورت ہے جو (اِبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ) کے منافی ہے، وہ یہ ہے کہ کسی بھی عبادت کو شوق کی وجہ سے کیا جائے اور عبادت کرتے وقت اس بات کا لحاظ نہ رکھا جائے کہ اس وقت شریعت کا کیا مطالبہ ہے؟ ہمارے حضرت والا قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ دین شوق پورا کرنے کا نام نہیں بلکہ دین، اتباع کا نام ہے، جس وقت اللہ تعالیٰ کا جو حکم متوجہ ہو رہا ہے اس کو بجالاؤ۔

ذیل میں اس صورت سے متعلق کچھ واقعات ذکر کرتا ہوں جس سے آپ کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی۔

## حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہر سال حج کو تشریف لے جاتے تھے، ایک مرتبہ قافلے کے ساتھ حج کے لئے جارہے تھے تو راستے میں دیکھا کہ ایک چھوٹی بچی کوڑے کے ڈھیر سے ایک مردار مرغی اُٹھا کر تیزی سے بھاگی، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ رُک گئے اور اس کو بلا کر پوچھا کہ تم کوڑے کے ڈھیر سے مردار مرغی اُٹھا کر کیوں بھاگی ہو؟

اس بچی نے جواب دیا کہ ہمارے گھر میں ایک مدت سے فاقہ ہے، کھانے کو کچھ میسر نہیں ہے، اس لئے یہ مردار مرغی اُٹھا کر لے جارہی ہوں اس کو دھو دھلا کر، پکا کر کھائیں گے، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے جب تحقیق کی تو پتہ چلا کہ واقعی

ان کے یہاں فاقہ ہے اور پوری بستی معاشی بدحالی کا شکار ہے، یہ صورت حال دیکھ کر انہوں نے سارے قافلے والوں کو روک دیا اور کہا کہ ہم اس سال حج کو نہیں جائیں گے، اور جو رقم حج کے سفر پر خرچ کرنی تھی وہ اس بستی کی معاشی بحالی پر خرچ کریں گے، چنانچہ حج کو نہیں گئے اور اس بستی والوں کی مدد کی۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ چالیس سال سے مسلسل حج کے لئے تشریف لے جارہے تھے، لیکن جب بستی والوں کی معاشی بدحالی کو دیکھا تو ان کی مدد کے لئے حج کے سفر کو ملتوی کردیا، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ میرا حج نفلی ہے، اور بستی والے فقر وفاقہ میں مبتلا ہیں، اس وقت اللہ تعالیٰ کی مرضی اس میں ہے کہ میں حج کو نہ جاؤں اور ان کی مدد کروں۔

اس پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو حج کی عبادت کا شوق تو تھا لیکن انہوں نے اپنا یہ شوق چھوڑ کر وقت کے تقاضے پر عمل کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دی۔

## حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

اسی طرح حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے عہدِ مبارک میں موجود تھے، اور ان کو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے وسائل بھی میسر تھے، سرکارِ دوعالم ﷺ کی زیارت کوئی معمولی بات نہیں تھی، یہ ایسی عظیم الشان فضیلت ہے کہ جس کی کوئی حد وحساب ہی نہیں ہے، لیکن جب انہوں نے کسی ذریعہ سے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کروایا کہ آپ کی زیارت کرنے کو دل بے تاب ہے، لیکن میری والدہ کو میری خدمت کی ضرورت ہے؟ میں کیا کروں؟ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں یا والدہ کی خدمت کروں؟

آنحضرت ﷺ نے ان کو جواب بھیجا کہ تم وہیں رہ کر اپنی والدہ کی خدمت کرو، غور کریں! اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ جس زیارت کے لئے آنا چاہتے تھے وہ اتنی عظیم الشان

تھی کہ ان کو صحابی کا درجہ مل جاتا، اور روئے زمین پر انبیاء کے بعد سب سے اونچا مقام مل جاتا، لیکن سرکارِ دوعالم ﷺ نے ان کو اس زیارت سے منع فرمادیا، ماں کی خدمت کو صحابی بننے پر ترجیح دی، ذرا اس بات کا تصور کریں کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں آپ ﷺ کی زیارت کا کس قدر شوق ہوگا اور ان کا دل آپ کی زیارت کے لئے کس قدر مچلا ہوگا؟ لیکن انہوں نے اپنے اس شوق کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر دبادیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت بلند مقام عطا فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت فرمائی کہ:

> ''اے عمر! یمن میں ایک شخص ہے جس کا نام اویس ہے، وہ اپنی والدہ کی خدمت کرنے کی وجہ سے میرے پاس آنے سے رُکا رہا، تمہاری اس سے ملاقات ہو تو ان سے اپنے حق میں دعا کروانا''

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ مقام اس وجہ سے ملا کہ انہوں نے صبر کیا، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے شوق کو قربان کردیا۔

## دین شوق پورا کرنے کا نام نہیں

اسی طرح ایک نوجوان صحابی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ یارسول اللہ! مجھے آپ کے ساتھ جہاد کرنے کا شوق ہے، آپ ﷺ نے اس سے دریافت کیا:

أَحَيٌّ وَالِدَاكَ؟

''کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟''

انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ جی ہاں، زندہ ہیں، آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

فَفِيهِمَا جَاهِدْ

ان کے پاس جاؤ، وہاں جو محنت کروگے وہ تمہارا جہاد ہے، غور کریں تو یہاں بھی یہی

بات ہے کہ ان صحابی کو جہاد کا شوق ہو رہا تھا لیکن ان کے والدین کو ان کی خدمت کی ضرورت تھی، اس لئے ان کو حکم فرمایا کہ جہاد میں شریک ہونے کی بجائے ان کی خدمت کرو، یہی تمہارا جہاد ہے۔

مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جہاد کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنے والدین کو چھوڑ کر آیا ہوں، آپ ﷺ نے اس کی بات سن کر فرمایا کہ تم ان کو روتا چھوڑ کر آئے ہو تو یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے، واپس جاؤ! اور:

أَضْحِكْهُمَا كَمَا أَبْكَيْتَهُمَا

"ان کو ایسے ہی ہنساؤ جیسے تم ان کو رلا کر آئے ہو"

کیونکہ جہاد اس وقت فرض عین ہوتا ہے جب امیر کی طرف سے نفیر عام ہو، اور اس وقت جہاد کے لئے والدین کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی، لیکن جس وقت حاکم کی طرف سے نفیر عام نہ ہو اس وقت والدین کی اجازت ضروری ہوتی ہے، اور چونکہ اس وقت نفیر عام نہیں ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے اس لئے اس وقت کا تقاضا یہ ہے کہ تم والدین کی خدمت کرو۔

## عورتوں کا جہاد حج ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے جہاد کے اتنے فضائل بیان فرمائے ہیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ ہم عورتیں بھی جہاد میں شریک ہو جائیں، آپ ﷺ نے ان کی بات سن کر ارشاد فرمایا:

جِهَادُ كُنَّ الْحَجُّ

"تمہارا جہاد، حج ہے"

اگر عورتوں کو جہاد میں جانے کا شوق ہو جائے تو یہ ان کا شوق ہے، دین نہیں ہے،

اور شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع کا نام دین ہے۔

اسی طرح عورتوں کو یہ حکم ہے کہ ان کا گھر کی کوٹھری میں نماز پڑھنا گھر کے کمرے میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اور کمرے میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اس لئے گھر ہی میں ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا، مسجد میں عورتوں کا نماز پڑھنا کچھ فضیلت نہیں رکھتا، اب اگر عورتوں کو یہ شوق ہو جائے کہ ہم بھی مردوں کے شانہ بہ شانہ مسجد میں جا کر جماعت کی نماز ادا کریں، تو یہ اگرچہ عبادت کا شوق ہے لیکن دین نہیں ہے۔

## عورتوں کا جماعت کے ساتھ تراویح کرانا

بعض اوقات کسی گھر میں عورتوں کی تراویح کا انتظام کیا جاتا ہے اور دور دور سے عورتیں اس میں شرکت کے لئے آتی ہیں، تو یہ بھی عورتوں کا تراویح پڑھنے کا شوق ہے، اور وہ یہ چاہتی ہیں کہ جس طرح مرد تراویح پڑھتے ہیں اس طرح ہم بھی پڑھ لیں، لیکن دین کا مطالبہ اس وقت میں یہ ہے کہ ہر عورت اپنے گھر میں ہی تراویح کی نماز تنہا ادا کرے، کیونکہ عورتوں کی جماعت میں کوئی فضیلت نہیں ہے، البتہ حافظہ کے لئے اتنی گنجائش ہے کہ قرآن کو یاد رکھنے کے لئے ایک دو عورتوں کو ساتھ ملا کر تراویح کی جماعت کرالے، لیکن اس کا باقاعدہ اعلان کر کے اہتمام کرنا اور خواتین کو جمع کرنا، یہ شوق ہے، دین نہیں ہے۔

## عبادات میں افراط سے پرہیز کریں

ہمارے یہاں بہت سی عبادات میں افراط سے کام لیا جاتا ہے اور اس کا سبب عبادت میں حد درجہ کا شوق ہوتا ہے، کسی کو اگر جہاد کا شوق ہو جائے، تو وہ یہ دیکھے بغیر کہ اس وقت شریعت کا جہاد کا مطالبہ ہے یا نہیں؟ جہاد کے لئے نکل پڑتا ہے، یہ اس کا شوق ہے، دین نہیں ہے۔

ایسے ہی اگر کسی کو تبلیغ کا شوق ہو گیا اور وہ یہ دیکھے بغیر کہ مجھ سے اس وقت شریعت کا کیا مطالبہ ہے، تبلیغ کے لئے نکل پڑا تو یہ اس کا شوق ہے، دین نہیں ہے، مثلاً کسی کی والدہ

بیمار ہے اور وہ تبلیغ میں چلہ لگانے کے لئے نکل پڑا تو اس وقت شریعت کا اس سے مطالبہ تھا کہ والدہ کی خدمت کرے، لیکن اس نے شریعت کا مطالبہ نہیں دیکھا بلکہ اپنے شوق کی خاطر ایک طاعت کو انجام دیا۔

## حدود اللہ کی رعایت کریں

چنانچہ وہ شوق جو انسان کو کسی غلط عبادت یا بے وقت عبادت پر آمادہ کرے (اِبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ) میں داخل نہیں ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے، کیونکہ غلط یا بے وقت طاعت پر صبر کرنا اللہ کی رضامندی کے لئے نہیں ہے بلکہ شوق کے لئے ہے، اس مسئلہ کو حدود اللہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، ان حدود میں رہ کر کام کرنے کا نام دین ہے، اور ان سے باہر نکل کر کوئی بھی طاعت کرنا دین نہیں ہے، اور ان حدود کو پہچاننے اور ان کی رعایت رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ کسی صاحب علم، باعمل اللہ والے کی صحبت اختیار کی جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو افراط وتفریط سے بچائے اور صراطِ مستقیم عطا فرمائے، آمین۔

"وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"

# رمضان اور حقیقتِ صبر (۶)

۱۴ راگست ۲۰۱۲ء بروز منگل
جامعہ دارالعلوم کراچی

# اقتباس

''اللہ تعالیٰ نے عبادات میں بھی حدود قائم فرمائی ہیں، جس کا حاصل حضرت عارفی قدس اللہ سرہٗ بیان فرمایا کرتے تھے کہ دین اس بات کا نام ہے کہ جس وقت تم دین کا کوئی کام کر رہے ہو تو یہ دیکھو کہ اس وقت شریعت کا تقاضا کیا ہے، اس تقاضے پر عمل کرو''۔

# رمضان اور حقیقتِ صبر (٦)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. اَمَّا بَعْدُ!

گزشتہ بیان میں صبر کی تین قسموں میں سے پہلی قسم (صبر علی الطاعة) کا بیان ہوا تھا، جس کا حاصل یہ ہے کہ طاعات کی انجام دہی میں پیش آنے والی تکالیف کو اللہ تعالیٰ کی خاطر برداشت کرنا اور ان تکالیف کے باوجود طاعات کو انجام دینا "صبر علی الطاعة" ہے، اور اس پر اللہ تعالیٰ نے بے شمار اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں (اِبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ) کی شرط بھی لگائی ہے، یعنی صبر سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہو، شہرت، ناموری مقصود نہ ہو، اور طاعت کرنے کا طریقہ بھی درست ہو۔

## دینی کام کے جذبے کی تسکین دین نہیں ہے

طریقہ درست ہونے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جس طاعت کو کیا جا رہا ہے، شرعی اعتبار سے اس وقت اس کا تقاضا بھی ہو محض اپنے جذبے اور شوق کی تسکین کے لئے کسی طاعت کو انجام نہ دیا جائے بلکہ یہ دیکھا جائے کہ اس وقت شریعت کا تقاضا کیا ہے، اگر

شریعت کسی وقت میں اس طاعت کو چھوڑنے کا تقاضا کرے تو اس طاعت کو چھوڑ دیا جائے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

لَاتَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ. (النساء:۱۷۱)

''دین میں غلو سے کام نہ لو''

## حدود اللہ کی رعایت سے ہی دین پر صحیح عمل ممکن ہے

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی حدود مقرر فرمائی ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا:

تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ. (البقرہ:۱۸۷)

''یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں''

چنانچہ ان حدود کا تعین رسول اللہ ﷺ نے اپنے افعال واقوال سے فرمایا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ان حدود کے سانچے میں ڈھالا اور فرمایا کہ میری سنت کی بھی اتباع کرو اور میرے صحابہ کی سنت کی بھی اتباع کرو، حضرات علماء کرام نے ان حدود کو ہمارے سامنے بیان فرمایا ہے۔ ہمارے حضرت والا ڈاکٹر عبدالحئی عارفی قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ:

''حقوق تمام شریعت، اور حدود تمام تر سنت، اور حفظِ حدود تمام تر طریقت ہے''

یعنی شریعت نام ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد کے مجموعہ کا، اور ان کو کس وقت بجالایا جائے اس کا نام حدود ہے، اور اس کی حفاظت کیسے ہوگی؟ اس کو طریقت اور سلوک سے معلوم کیا جاسکتا ہے، اور طریقت اس بات کا نام ہے کہ کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کی جائے اور اس سے اپنی اصلاح کروائی جائے۔

## کسی بھی طاعت سے مقصود اللہ کا حکم پورا کرنا ہے

مثلاً نماز اسلام کا ایک اہم اور عظیم رکن ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

## اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ

''نماز دین کا ستون ہے''

لیکن سورج کے طلوع وغروب کے وقت اللہ تعالیٰ نے نماز سے منع فرمادیا، اس سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ نماز، رکوع اور سجدہ یا کوئی اور عبادت مقصود نہیں ہے بلکہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کسی طاعت کا حکم دے دیا تو اس کا کرنا ثواب ہوگا اور کسی طاعت سے روک دیا تو اس کو چھوڑنا ثواب ہوگا، کیونکہ دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کیا جارہا ہے۔

اسی طرح والدین کی اطاعت کرنا عظیم الشان عبادت ہے، قرآنِ کریم میں جگہ جگہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم آیا ہے، اور احادیث میں والدین کی اطاعت کو ''افضل الاعمال'' قرار دیا گیا ہے، لیکن قرآنِ کریم نے اس کی بھی حدود بیان فرمائی ہیں، ارشادِ ربانی ہے:

وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَاتُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا. (لقمان:۱۵)

''اگر تمہارے والدین تمہیں شرک پر آمادہ کرنے لگیں تو ان کی اطاعت مت کرنا، اور دنیا میں ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا''

اور یہ بات شرک کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر معصیت اس میں داخل ہے، چنانچہ اگر والدین اولاد کو کسی بھی معصیت پر مجبور کریں تو اولاد کو حکم ہے کہ اس معاملہ میں والدین کی اطاعت نہ کریں، اسی کو رسول اللہ ﷺ نے یوں بیان فرمایا:

لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ

''خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے''

لہٰذا اگر کوئی شخص والدین کی کسی ایسی بات میں نافرمانی کرتا ہے جو خلافِ شریعت ہے تو یہ جائز ہے، اور اگر کسی معصیت کے کام میں والدین کی بات نہ ماننے کی وجہ سے اس

کو تکلیفیں اٹھانا پڑ رہی ہیں تو یہ بھی صبر میں داخل ہے، لیکن دنیا میں والدین کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم بہر حال ہے۔

بعض اوقات جب کسی کو دین کا نیا نیا شوق ہوتا ہے تو وہ والدین کی بات کو ٹالنے کے لئے ان کو ڈانٹنا شروع کر دیتا ہے کہ تم تو فاسق ہو، گناہ گار ہو اس لئے میں تمہاری بات نہیں مانوں گا، یہ جائز نہیں ہے ان کو نرمی کے ساتھ یہ کہا جائے کہ آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر لیکن یہ حکم چونکہ خلافِ شریعت ہے اس لئے میں اس کام کو نہیں کر سکتا۔

یہ حدود اللہ ہیں، کہ والدین جب معصیت کا حکم دیں تو اس کی حد یہ ہے کہ ان کی اطاعت نہ کی جائے، لیکن ان کی بات نہ ماننے کی بھی ایک حد بیان فرمائی کہ ان سے نرمی سے عذر کیا جائے، اور ان کے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہ کیا جائے جس سے ان کو تکلیف پہنچے۔

عجیب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی معصیت میں والدین کی بات نہ ماننے کا حکم فرمایا، اور ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے کا حکم دیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا:

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ. (لقمان:۱۵)

"اور ایسے لوگوں کی پیروی کرو جو میری طرف رجوع کرنے والے ہوں"

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات بڑی نازک ہے، کیونکہ ایک طرف تو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ خلافِ شریعت والدین کی کوئی بات بھی نہیں ماننی اور دوسری طرف ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم بھی دیا جا رہا ہے، اور ان دونوں کاموں کو جمع کرنا آسان کام نہیں ہے۔

## حدود اللہ کی پہچان کے لئے اللہ والوں کی صحبت ضروری ہے

اس لئے اس کو آسان کرنے کا طریقہ یہ بتایا کہ ان لوگوں کی پیروی کی جائے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں، اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی تربیت اور تزکیہ ہو چکا ہے، جنہوں نے دین کو سمجھ لیا ہے، ان سے مشورہ کیا جائے کہ ایک طرف دین کا حکم ہے اور

دوسری طرف والدین معصیت کا حکم دے رہے ہیں تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

بہ کثرت ایسا ہوتا ہے کہ کسی کے بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے دین پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی، لیکن اس کے والدین کا مزاج کسی اور طرح کا ہوتا ہے، جب وہ اپنے بیٹے کو دین پر چلتے ہوئے دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تو ملا بن گیا، دنیا سے کٹ گیا ہم دنیا کو کیا منھ دکھائیں گے، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ والدین اور اولاد میں کشمکش شروع ہو جاتی ہے اور حالات اس نہج پر پہنچ جاتے ہیں کہ والدین بیٹے کو داڑھی منڈوانے پر مجبور کرنے لگتے ہیں، کبھی اس کو بے پردگی کے ماحول میں جانے پر مجبور کرتے ہیں۔

اسی طرح بعض اوقات ماں باپ اگر مالدار ہوں اور بیٹا ان سے یورپ وغیرہ کی سیر کرنے کی اجازت مانگے تو نہ صرف اس کو اجازت دیتے ہیں بلکہ اس کو اخراجات کے لئے بھی اچھی خاصی رقم فراہم کرتے ہیں، لیکن اگر بیٹا یہ کہے کہ مجھے تبلیغ کے لئے جانا ہے تو رقم فراہم کرنا تو دور کی بات اس کو اجازت تک نہیں دی جاتی۔

اس قسم کے واقعات میں کیا کیا جائے؟ اس کو اللہ والے ہی سمجھتے ہیں، اور ان کی صحبت میں رہ کر ہی اس قسم کے معاملات کو حل کرنے کی تربیت حاصل کی جاسکتی ہے، جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی حدود کی رعایت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد فرماتے ہیں، بہت سے نوجوان ایسے دیکھے جن کو یہ معاملات پیش آئے لیکن بزرگوں کی صحبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے دین پر چلنا آسان فرمادیا۔

## شوق کو پورا کرنا دین نہیں ہے

بعض اوقات اس کے برعکس معاملہ ہوتا ہے کہ والدین دین پر چلنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دین کی محبت اور عظمت ڈالی ہے، اور یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا بیٹا پورے دین پر عمل کرے، اللہ اور اس کے بندوں کے تمام حقوق کو پورا کرے، لیکن بیٹے

کو کسی خاص طاعت کا شوق اور جذبہ پیدا ہو گیا ہے، اس کے والدین اس کو منع کر رہے ہیں کہ اگرچہ جو تم کرنا چاہتے ہو وہ دینی کام ہے لیکن اس وقت مصلحت اس میں ہے کہ اس کام کو نہ کیا جائے، اور بعض اوقات گھریلو حالات ایسے ہوتے ہیں کہ والدین روکتے ہیں، لیکن بیٹا بضد ہے کہ مجھے جانے دیں اور والدین پر دین کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کا فتویٰ صادر کر دیتا ہے، یہ بھی غلو ہے۔

دین اعتدال کا نام ہے، اللہ تعالیٰ نے اس امت کو معتدل امت بنایا ہے، اور اس کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا. (البقرہ:۱۴۳)

''اور ایسے ہی ہم نے تمہیں معتدل اُمت بنایا''

## حدود کی رعایت نہ رکھنے سے غلو پیدا ہوتا ہے

لہٰذا کسی بھی معاملہ میں اگر حدود اللہ کی رعایت نہ رکھی جائے اور ایک ہی جانب اپنا جھکاؤ رکھا جائے تو اس کا نام غلو ہے، اور یہ ساری خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کسی کام کا عبادت ہونا تو سمجھ لیا جائے لیکن اس عبادت کی حدود کو نہ سمجھا جائے، اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔

مثلاً بعض لوگ دینی مدرسہ کھول لیتے ہیں اور اس کو چلانے میں جو رکاوٹیں پیش آتی ہیں تو یہ دیکھے بغیر کہ شریعت کا حکم کیا ہے ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے کسی بھی قسم کے عمل سے دریغ نہیں کرتے، خواہ وہ شریعت کے مطابق ہو یا نہ ہو۔

## حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی قیمتی نصیحت

ایک مرتبہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک صاحب آئے اور کہا کہ حضرت میرا ارادہ مدرسہ بنانے کا ہے، اس کی بات سن کر حضرت نے ایک بہت قیمتی جملہ ارشاد فرمایا:

''اگر دنیا کے لئے مدرسہ بنانا چاہتے ہو تو دین کی اس سے بڑی کوئی

مصیبت نہیں ہے اور اگر دین کے لئے بنانا چاہتے ہو تو دنیا کی اس سے بڑی مصیبت کوئی نہیں''

یعنی اگر مدرسہ بنانے سے شہرت، ناموری یا چندہ وغیرہ مقصود ہے تو دین کی اس سے بڑی کوئی مصیبت نہیں ہے، کیونکہ دین کو دنیا کمانے کے لئے استعمال کیا جارہا ہے، اور اگر واقعۃً مدرسہ بنانے سے دین کی اشاعت اور اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہے تو اس کے لئے بہت مشقت جھیلنی پڑے گی، کیونکہ جب آدمی مدرسہ قائم کرتا ہے تو شروع میں اس کو بہت زیادہ مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

## حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ گنگوہ میں رہتے تھے، گنگوہ میں بہت عرصہ پہلے شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ نام کے ایک بزرگ گزرے ہیں، یہ بہت اونچے درجے کے ولی اللہ تھے، ہمارے سلسلے کے شجرہ میں ان کا نام بھی آتا ہے، گنگوہ میں ان کی خانقاہ تھی جس میں یہ رہا کرتے تھے، ان کے مریدین آتے تھے اور خانقاہ میں ذکر و تعلیم وغیرہ کا سلسلہ رہتا تھا۔

بعض خانقاہوں میں ایک رواج یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی بزرگ کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے کو سجادہ نشین بنادیا جاتا ہے خواہ اس کو باپ کے علم و تقویٰ سے ادنیٰ سی مناسبت بھی نہ ہو، اور یہ سلسلہ چل نکلتا ہے، جو نسل در نسل چلتا ہے، اور مریدین یہ دیکھے بغیر کہ اولاد میں باپ کے علم و عمل کی کوئی جھلک ہے یا نہیں، مرید بنتے چلے جاتے ہیں، ایسا ہی کچھ شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد ہوا، سجادہ نشینی کا سلسلہ چلا اور ایسے ایسے لوگ سجادہ نشین ہوئے کہ انہوں نے خانقاہ کو لاوارث چھوڑ دیا، نذرانے وصول کرنے اور عقیدت مندی کے سوا کچھ نہ بچا، خانقاہ بند ہوگئی اور ایک وقت ایسا آیا کہ خانقاہ جانوروں کے باڑے میں تبدیل ہوگئی، جہاں کبھی اللہ اللہ کی صدائیں گونجتی تھیں، وہ جگہ جانوروں کی لید سے بھر گئی۔

جب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ صورت حال دیکھی تو ان کو بہت صدمہ ہوا، حضرت نے جا کر اپنے دست مبارک سے وہاں کی صفائی کی، زمین کو ہموار کر کے عمارت کی مرمت کی اور اس کو آباد فرمایا، اور اس کو ایک مدرسہ کی شکل دی، طلباء آ کر علم حاصل کرتے تھے، دورۂ حدیث تک اسباق ہوا کرتے تھے اور دور دور سے لوگ اس میں شرکت کے لئے آتے تھے، اس کے ساتھ ساتھ اس عمارت کو خانقاہی مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا جاتا تھا، مریدین یہاں جمع ہو کر ذکر وغیرہ کیا کرتے تھے، مدت دراز تک یہ معمول جاری رہا، لوگ بھی اس سے خوش ہونے کہ ایک مدت سے ویران خانقاہ آباد ہوگئی ہے اور اس میں دین کا کام جاری ہے۔

جب یہ عمارت آباد ہوگئی اور اس میں دین کا کام ہونے لگا تو خانقاہ کے سجادہ نشینوں کو کچھ لوگوں نے جا کر کہا کہ آپ کی خانقاہ پر مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے قبضہ کر لیا ہے، آپ اس پر احتجاج کریں، سجادہ نشین کہنے لگے کہ اس پر کیسے احتجاج کیا جا سکتا ہے، کیونکہ انہوں نے سالہا سال سے اس عمارت میں مدرسہ اور خانقاہ کا سلسلہ قائم کیا ہوا ہے، اگر اس کو خالی کرانے کی بات کی گئی تو خواہ مخواہ جھگڑا ہوگا، اس پر مشورہ دینے والوں نے کہا کہ آپ اس عمارت کو خالی کرانے کی بات کریں ہم سب آپ کے ساتھ ہیں، جب آپ وہاں جا کر بات کریں گے تو ہمارا سارا مجمع آپ کی حمایت کرے گا، اگر ان لوگوں نے کوئی مزاحمت کی تو ہم لڑنے کے لئے بھی تیار ہیں۔

چنانچہ سجادہ نشینوں نے شہر کے کچھ لوگوں کو جمع کر کے ایک بہت بڑا وفد تیار کیا، اور بہت سے لوگوں کو اس بات پر تیار کیا کہ اگر مزاحمت اور لڑائی تک نوبت پہنچ جائے تو وہ اس کے لئے تیار رہیں، یہ سارے انتظامات کر کے وہ لوگ ایک وفد کی صورت میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مدرسہ میں پہنچے، مدرسہ آباد تھا اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری تھا، جب یہ لوگ حضرت کے پاس پہنچے تو حضرت نے ان کی آمد کا مقصد دریافت کیا، انہوں نے کہا کہ یہ عمارت جس میں آپ نے مدرسہ قائم کیا ہے یہ حضرت شیخ

عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ تھی اور اس پر سجادہ نشینوں کا حق ہے، اس لئے اس عمارت کو سجادہ نشینوں کے حوالہ کیا جائے۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ لیں کہ وہ جگہ بظاہر کسی کی ملکیت نہیں تھی، بلکہ وقف تھی، جیسا کہ عام طور سے خانقاہ وقف ہوتی ہے، ایسا نہیں تھا کہ کسی کی زمین پر قبضہ کر کے حضرت نے اس میں مدرسہ اور خانقاہ قائم فرمائی تھی، بلکہ وقف کی ایک جگہ بے کار پڑی ہوئی تھی اور حضرت نے اس کو صاف کر کے اس کو آباد کرلیا تھا اور اس کی تولیت اپنے قبضہ میں لے لی تھی۔

جب ان لوگوں نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بات کی تو آپ نے ان پوچھا کہ کیا آپ لوگ اس لئے آئے ہیں کہ میں یہ جگہ خالی کردوں؟ تو انہوں نے کہا کہ جی ہاں! ہم اسی مقصد سے آئے ہیں، حضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس کے لئے اتنا لمبا چوڑا وفد لانے کی کیا ضرورت تھی، آپ حضرات میں سے کوئی بھی آکر مجھ سے یہ بات کرتا تو میں فوراً عمارت خالی کردیتا، حضرت کی بات سن کر وہ لوگ حیران رہ گئے، اور حضرت نے یہ فرما کر وہاں موجود طلباء اور دیگر منتظمین کو عمارت خالی کرنے کا حکم دے دیا، اور فرمایا کہ اس عمارت کو خالی کر کے قریب کی کسی مسجد میں منتقل ہو جاؤ۔

حضرت سالہا سال سے اس عمارت میں درس وتدریس اور اصلاح وتربیت کا کام انجام دے رہے تھے، لیکن اب جب مسلمانوں کے درمیان جھگڑے کا موقع دیکھا تو فوراً اس عمارت کو چھوڑ کر مسجد میں منتقل ہو گئے، کیونکہ وہ شریعت کی حدود کو جانتے تھے، انہیں معلوم تھا کہ اس عمارت کو صاف کرنا، آباد کرنا، مدرسہ وخانقاہ قائم کرنا اگر ثواب ہے تو اس وقت مسلمانوں کے درمیان جھگڑا نہ ہونے دینا بھی وقت کا تقاضا ہے، وہ جانتے تھے کہ مدرسہ چلانا عبادت ہے لیکن مدرسہ کی خاطر مسلمانوں کے درمیان لڑائی جھگڑا اور خونریزی جائز نہیں ہے، چنانچہ وہ جگہ خالی فرمادی۔

## حضرت مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

الحمدللہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اس سنت پر اللہ تعالیٰ نے ہمارے والد ماجد

قدس اللہ سرہٗ کو بھی عمل کی توفیق عطا فرمائی تھی، جس کی صورت یہ ہوئی کہ شہر کے اندر ایک بہت بڑا پلاٹ دارالعلوم کو اَلاٹ ہوا، اور قانونی طور پر دارالعلوم کو منتقل ہوگیا، اس میں دو تین کمرے اور دفتر بھی بن گیا، ٹیلی فون لگ گیا اور افتتاحی جلسہ بھی ہوگیا، لیکن کسی نے ہمارے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے استاد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ کو غلط فہمی میں مبتلا کردیا اور انہوں نے کچھ مزاحمت کی، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اپنے مدرسہ کی بنیاد کسی جھگڑے پر نہیں رکھنا چاہتا اور رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سنائی، سرکارِ دوعالم ﷺ فرماتے ہیں:

اَنَا زَعِيْمٌ بِبَيْتٍ فِيْ وَسَطِ الْجَنَّةِ، لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ.

"میں اس شخص کو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے"

الحمدللہ! اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا ساری زندگی یہ عمل پایا کہ اپنا حق تو چھوڑ دیتے تھے لیکن جھگڑا نہیں کرتے تھے، ان حضرات نے اپنے طرزِ عمل سے درحقیقت حدود اللہ پر عمل کرکے دکھایا۔

آج اگر کوئی شخص کسی مسجد میں امام ہوجائے یا کسی مدرسہ میں مدرس ہوجائے اور کوئی دوسرا شخص اس پر اعتراض کردے تو یہ لڑنے مرنے کو اور جان دینے کو تیار ہوجاتا ہے لیکن منصب چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتا، یہ درحقیقت حدود کو نہ پہچاننے کی وجہ سے ہے، اور شریعت کی قائم کردہ حدود سے تجاوز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عبادات میں حدود قائم فرمائی ہے، جس کا حاصل حضرت عارفی قدس اللہ سرہٗ بیان فرمایا کرتے تھے کہ دین اس بات کا نام ہے کہ جس وقت تم دین کا کوئی کام کر رہے ہو تو یہ دیکھو کہ اس وقت شریعت کا تقاضا کیا ہے، اس تقاضے پر عمل کرو۔

## حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

میں جس وقت مسلم شریف کی شرح لکھ رہا تھا تو میں نے روزانہ دو گھنٹے اس کام نے

لئے مقرر کئے ہوئے تھے، کتب خانہ میں اوپر کے حصہ میں بیٹھ کر یہ کام کرتا تھا، کتابیں دیکھنے میں لطف بھی آتا تھا کیونکہ مطالعہ کی وجہ سے مسائل کی تحقیق ہوتی تھی، اوپر بیٹھنے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ لوگ بلاوجہ پریشان نہ کریں اور یکسوئی سے کام ہو جائے، لیکن لوگوں کو بہر حال پتہ چل جاتا تھا، کچھ لوگ آکر سلام اور مصافحہ کرتے تھے اور حال احوال پوچھتے تھے جس سے وقت کا حرج ہوتا تھا اور تکلیف ہوتی تھی، کیونکہ بعض اوقات کچھ کتابیں دیکھ کر ذہن میں ایک مضمون ترتیب دیتا تھا اور اسی کے مطابق لکھنے کا ارادہ ہوتا تھا لیکن اسی وقت کوئی ملنے کے لئے آجاتا، اور ذہنی رو کسی اور طرف منتقل ہو جاتی تھی۔

میں نے اپنے حضرت والا عارفی قدس اللہ سرہٗ سے اپنی اس تکلیف کا ذکر کیا، حضرت نے جواب میں پوچھا کہ یہ تصنیف تم اپنے نفس کے مزے کے لئے کر رہے ہو یا اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کر رہے ہو؟ کیا اس لئے کر رہے ہو کہ یہ ایک علمی کام ہے اور تمہیں علمی کام میں مزہ آتا ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کر رہے ہو تو جس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تقاضا ہے وہی تمہارے لئے بہتر ہے، یہ بات درست ہے کہ کسی کے ملنے سے تمہارے کام میں خلل آتا ہے، لیکن جب کوئی اللہ کا بندہ تم سے ملنے آتا ہے تو وہ تمہارا مہمان ہے، اور اس وقت کا تقاضا یہ ہے کہ تم تصنیف چھوڑ کر اس مہمان کا اکرام کرو، اور اس کی خیریت پوچھو اور جو ضروری بات ہو اس سے کرلو، کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے، اور یہ مہمان کا حق ہے۔

## میزبان کا وقت ضائع کرنا مہمان کا حق نہیں

لیکن یہ بھی حضرت والا کی تعلیم کا ہی ایک حصہ ہے میزبان کا وقت ضائع کرنا مہمان کا حق نہیں ہے، اس لئے مہمان کو بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ میزبان سے سلام دعا کر کے اس کی خیریت وغیرہ دریافت کرے اور اگر کوئی ضروری بات کرنے کی ہو تو وہ بھی کرے، لیکن بلاوجہ میزبان کے پاس جم کر بیٹھ جانا، اور ادھر اُدھر کی باتوں میں اس کا وقت ضائع کرنا، مہمان کو اس کا حق نہیں ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں کہ ایک طرف تو مہمان کا حق ادا کرنے کے لئے اس سے سلام دعا کرنے اور اس کی خیریت وغیرہ دریافت کرنے کا حکم ہے، لیکن ساتھ یہ بھی حکم ہے کہ مہمان کی خاطر بلا وجہ اپنا وقت ضائع نہ کیا جائے، اس کے ساتھ بلا وجہ کی گپ شپ سے جماعت کی نماز، نوافل، ذکر و اذکار وغیرہ کے معمول کو متاثر نہ کیا جائے۔

## اہل اللہ کی صحبت سے حدود اللہ کی پہچان ہوتی ہے

لہٰذا کہاں تک مہمان کا اکرام کیا جائے اور کہاں اس سے معذرت کی جائے؟ یہ سب شریعت کی حدود ہیں اور ان کو حاصل کرنے کے لئے اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا ضروری ہے، ان کی صحبت میں رہ کر ہی انسان کو پتہ چلتا ہے کہ کس وقت دین کا کیا تقاضا ہے، اور کس وقت کونسی طاعت انجام دینی ہے، اسی بات کو ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ دین شوق پورا کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ دین اتباع کا نام ہے۔

## دینی حلقوں میں افراط وتفریط

ان حدود کے معاملے میں ہمارے دینی حلقوں میں بھی بہت زیادہ افراط وتفریط ہے، کبھی تو عبادات سے اس قدر لاتعلق ہوجاتے ہیں کہ جس کی کوئی حد وحساب ہی نہیں، اور کبھی عبادات میں اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ جس کی وجہ سے دوسروں کے حقوق پامال کرنا شروع کردیتے ہیں، اس لئے کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر حدود اللہ کو سمجھنا چاہئے۔

چنانچہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (لوگوں کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا) بعض اوقات فرضِ عین ہوتا ہے اور بعض اوقات فرضِ کفایہ ہوتا ہے، لیکن اس کے بھی کچھ آداب اور کچھ طریقے شریعت نے مقرر کئے ہیں، اس فریضہ کو ان آداب اور طریقوں کے ساتھ اگر کیا جائے تو یہ باعثِ فضیلت بھی ہے اور اس سے کوئی فتنہ بھی پیدا نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ
وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ. (النحل:۱۲۵)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کے تین درجے بیان فرمادیے ہیں، لیکن اگر کوئی ان کو نظرانداز کر کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا شروع کردے تو اس سے بہت سے فتنے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

## حق بات کب اثر کرتی ہے؟

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

”حق بات، حق نیت سے، حق طریقے سے کہی جائے تو کبھی فتنہ پیدا نہیں کرے گی“

اس لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے وقت ان تین باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ حق بات ہو، نیت بھی حق ہو اور طریقہ بھی حق ہو، اگر اس طریقہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا جائے تو اس کا ان شاء اللہ فائدہ ہوگا، اور کوئی فتنہ بھی پیدا نہیں ہوگا، عام طور سے جب بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے وقت کوئی فتنہ کھڑا ہوتا ہے تو ان تین باتوں میں کوئی ایک بات نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، یا تو بات ہی حق نہیں ہوتی، یا بات تو حق ہوتی ہے لیکن کہنے والے کی نیت حق نہیں ہے، مثلاً بات کہنے سے اس کا مقصد اپنی بڑائی جتانا ہے، اور بعض اوقات بات بھی حق ہوتی ہے اور کہنے والے کی نیت بھی حق ہوتی ہے لیکن بات کہنے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے وہ حق نہیں ہوتا، مثلاً کسی کو دین کی بات سمجھانے کے لئے ہمدردی اور نرمی سے بات کرنی چاہئے تھی، لیکن بات کرنے والے نے سختی سے بات کی یا طعنہ دے کر بات کی، اور اس کا مشاہدہ عام طور سے مساجد میں نظر بھی آتا ہے کہ اگر کسی نے غلط نماز پڑھنا شروع کردی، یا اس سے آدابِ مسجد کے خلاف کوئی کام سرزد ہوگیا تو لوگوں کی طرف سے اسے بھرے مجمع میں ڈانٹ ڈپٹ اور ملامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

## خلاصۂ کلام

حاصل یہ کہ شریعت کے تمام تقاضوں اور تمام طاعات میں حدود کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے اور ان حدود کی صحیح معرفت اور پہچان اللہ والوں کی صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، اس لئے ہر ایسے موقع پر جس میں دو یا زیادہ طاعات کے کرنے میں کشمکش پیدا ہو جائے کہ ان میں سے کس کو کیا جائے اور کس کو نہ کیا جائے؟ کسی مستند صاحب علم، اللہ والے سے مشورہ کیا جائے، یہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی سنت ہے اور قیامت تک یہ سنت جاری رہے گی، اللہ تبارک وتعالی اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو شریعت اور اس کی حدود کو سمجھنے اور اس کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔

"وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"

✪✪✪

# رمضان اور حقیقتِ صبر (۷)

۱۶ اگست ۲۰۱۲ء بروز جمعرات
جامعہ دارالعلوم کراچی

# اقتباس

’’بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ تسبیح ہاتھ میں لے کر پھرنے سے ریا کاری ہوتی ہے، تو یہ خیال بھی غلط ہے، اس لئے کہ اس وقت تک ریا کاری نہیں ہوگی جب تک کوئی اپنے دل میں اس کا خیال نہ کرلے کہ میں تسبیح اس لئے ہاتھ میں رکھتا ہوں تاکہ لوگ مجھے دیکھ کر نیک خیال کریں، یا میری شہرت ہو جائے‘‘۔

# رمضان اور حقیقتِ صبر (۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَامُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○ (آلِ عمران:۲۰۰)

## (صبر عن المعصية) کا مطلب

جیسا کہ پہلے عرض کیا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت میں چار حکم دیے ہیں، ان میں سے سب سے پہلا حکم صبر کا ہے، صبر کی تین قسمیں بھی آپ کے سامنے بیان کی گئی تھیں اور ان میں سے (صبر عن المعصية) کا بیان چل رہا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ گناہ کے تقاضے کے وقت اپنی خواہش کو کچل کر اللہ کی رضا کے لئے گناہ سے رُک جانا۔

## (صبر عن المعصية) گناہوں سے بچنے کا واحد راستہ ہے

(صبر عن المعصية) کے علاوہ کوئی طریقہ گناہ سے بچنے کا نہیں ہے، کوئی منتر ایسا نہیں

ہے کہ جس کو پڑھ کر آدمی گناہ سے بچ جائے، اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا، نفس، شیطان اور ملائکہ کے علاوہ ایک اور مخلوق (انسان) پیدا ہی اس لئے کی ہے کہ اس کے دل میں گناہ کے تقاضے پیدا ہوں اور یہ انسان ان تقاضوں کو کچل کر ملائکہ سے بھی آگے بڑھ جائے، کیونکہ ملائکہ میں بھوک، پیاس اور جنسی خواہشات وغیرہ نہیں ہیں اس لئے ان کے دل میں گناہ کا تقاضا ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لئے اگر ملائکہ گناہوں سے بچ جائیں تو اس میں ان کا کوئی کمال نہیں ہے، لیکن انسان ان تمام خواہشات اور تقاضوں کے ہوتے ہوئے بھی محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے گناہوں سے رُک جائے تو اسی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے شمار اجر و ثواب کا وعدہ ہے۔

## گناہوں سے رُکنے کے لئے مباحات کو بھی چھوڑنا پڑتا ہے

پہلے یہ بات بھی عرض کی تھی کہ بعض اوقات گناہوں سے رُکنے کے لئے کچھ مباحات کو بھی ترک کرنا پڑتا ہے، اس لئے کہ بعض اوقات جب ہمارا نفس گناہوں کی لذت کا عادی ہو جاتا ہے تو اس کو ختم کرنے کے لئے بہت زیادہ مشقت کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے نفس کو گناہوں سے ہٹانے کے لئے بعض اوقات کچھ تمہید باندھنی پڑتی ہے، اور تقویٰ کے راستے پر لانے کے لئے کچھ محنت کرنی پڑتی ہے، صوفیاء کرام رحمہم اللہ کی اصطلاح میں اس کو مجاہدہ کہتے ہیں۔

پہلے زمانے میں صوفیاء کرام اس مقصد کے لئے بہت ہی سخت قسم کے مجاہدے کرایا کرتے تھے، جو شخص بھی کسی بزرگ کے ہاں اپنی اصلاح کے لئے جاتا تھا تو اس کو ان مجاہدات سے گزرنا پڑتا تھا، بعض اوقات بہت ہی معمولی کھانے پر بھی رہنا پڑتا تھا، لیکن بعد میں جب قُویٰ کمزور ہوتے چلے گئے تو ان مجاہدات میں بھی نرمی آتی چلی گئی۔

## ترکِ مباحات کیوں ضروری ہیں؟

میں نے اپنے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ سے سنا کہ ایک مرتبہ کسی نے حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت! صوفیاء کرام مجاہدات بھی کرواتے ہیں

اور بعض اوقات کچھ مباحات بھی چھڑاتے ہیں تو اس کی کوئی اصل بھی ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی، پھر فرمایا کہ دیکھو میرے پاس یہ ایک کاغذ ہے، یہ مڑا ہوا ہے اور اس میں ایک لکیر سی آگئی ہے، اگر میں اس کو سیدھا کر کے رکھ دوں تو یہ فوراً ہی مڑ جائے گا، اس کو سیدھا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کو مخالف سمت موڑا جائے، جب اس کو اُلٹی سمت میں موڑیں گے تو پھر یہ دوبارہ اپنی پہلی حالت پر واپس نہیں آئے گا۔

ہمارے نفس کا بھی یہی حال ہے کہ گناہوں کی طرف مڑا ہوا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف موڑنے کے لئے بعض اوقات اُلٹا موڑنا پڑتا ہے اور بعض مباحات بھی ترک کرائے جاتے ہیں، تاکہ مباحات کو چھوڑنے کی وجہ سے نفس اعتدال پر آجائے۔

## مباحات میں انہماک، گناہوں کی طرف لے جاتا ہے

مباحات میں جب انسان منہمک ہوجاتا ہے، اور ضرورت سے زیادہ مباحات اختیار کرلیتا ہے تو نفس لذتوں کا عادی ہوجاتا ہے اور نفس کا دھیان ان ہی لذتوں کی طرف لگا رہتا ہے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ نے بہت سے کھانے ہمارے لئے حلال اور مباح فرمائے ہیں، اعتدال سے ان کا استعمال کرنا چاہئے، لیکن اگر کسی کو صبح سے یہی فکر سوار ہو کہ دوپہر کو میں یہ کھاؤں گا، رات کو یہ کھاؤں گا اور بازار سے فلاں لذیذ چیز منگواؤں گا، تو اس کا سارا دھیان ان ہی لذتوں میں لگ جاتا ہے، یہ درست ہے کہ جو بھی مباح چیز کھائی جائے اللہ تعالیٰ نے اس کو انسان کے لئے حلال کیا ہے، لیکن ہر وقت نفس کسی مباح چیز کی لذت میں لگا رہے تو یہ درست نہیں ہے، کیونکہ جب انسان کا نفس لذتوں کا عادی ہوجاتا ہے تو آگے چل کر یہی نفس انسان کو مکروہات کی طرف لے جاتا ہے اور رفتہ رفتہ کسی ناجائز کام پر بھی آمادہ کرلیتا ہے، اس لئے صوفیاء کرام نے سنت سے یہ طریقہ نکالا کہ جب مباحات میں

اس قدر انہماک ہو جائے تو ان کو ترک کرنا چاہئے، ورنہ مباحات میں انہماک انسان کو معصیت کے راستہ پر لے جاتا ہے۔

## تقلیلِ طعام کا مجاہدہ

مثال کے طور پر صوفیاء کے یہاں ایک طریقہ "تقلیلِ طعام" کا بھی ہوتا ہے، پیٹ بھر کر کھانا کوئی گناہ نہیں ہے، لیکن تھوڑا سا اور کم کر کے کھانا چاہئے، پہلے زمانے میں تو اس میں بہت سخت قسم کے مجاہدات کرائے جاتے تھے، اور صرف اس قدر کھانا کھانے کی پابندی کرائی جاتی تھی کہ جس کو کھا کر انسان زندہ رہ سکے۔

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرماتے تھے آج کل کے لوگوں میں اس قسم کے مجاہدے کا تحمل نہیں رہا، لیکن فرمایا کہ تقلیلِ طعام اس حد تک کرلو کہ کھانے کے دوران جب یہ مرحلہ آجائے کہ دل میں یہ سوچ پیدا ہو کہ اب مزید کھانا کھاؤں یا نہ کھاؤں، تو اس وقت کھانے سے ہاتھ کھینچ لے۔

اسی طرح کھانے میں طرح طرح کی لذتوں کو جمع کرنے کی فکر کو چھوڑنا بھی اسی مجاہدے میں داخل ہے، اگر اللہ تعالیٰ کسی کو یہ لذات اپنے فضل سے عطا فرمادیں تو ان کے لینے سے انکار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری ہے، لیکن ان لذات کو جمع کرنے کی فکر میں منہمک رہنا درست نہیں ہے۔

اسی طرح حلال طریقہ سے پیسے کمانا بالکل جائز ہے، خواہ اس کے لئے تجارت، ملازمت یا کوئی بھی جائز ذریعہ اختیار کیا جائے، اور اگر حقوق کی ادائیگی کی نیت سے پیسہ کمایا جائے تو اس میں ثواب بھی ہے، لیکن اگر ہر وقت دل میں اسی کا خیال چکر لگاتا رہے کہ کس طرح ایک سے دو دو کانیں ہو جائیں، کس طرح سے جائیداد بڑھ جائے تو اگرچہ مباحات کا خیال دل میں آرہا ہے، لیکن مباحات کی خاصیت یہ بھی ہے کہ جب ان میں انہماک بڑھ جائے تو یہ کسی صریح ناجائز کام میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

اسی لئے تجارت کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے لیکن اس میں انہماک کو ناپسندیدہ قرار دیا، اور اس انہماک سے بچنے والوں کی تعریف فرمائی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ. (النور:۳۷)

"ایسے لوگ جن کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے غفلت میں نہیں ڈالتی"

## قلتِ کلام کا مجاہدہ

ایسے ہی ایک مجاہدہ قلتِ کلام بھی ہے، گفتگو کرنا مباحات میں سے ہے، اگر چند لوگ بیٹھ کر آپس میں گفتگو کریں اور اس میں کوئی جھوٹ، غیبت یا کسی کی دل آزاری کی بات بھی نہ ہو تو یہ جائز ہے اور اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، لیکن اگر اس میں اس قدر انہماک ہو جائے کہ کئی کئی گھنٹے گزر گئے اور گپ شپ چلتی رہی ہے، تو یہ انہماک اور کثرتِ کلام کسی نہ کسی وقت کسی گناہ کی طرف لے ہی جائے گا، کبھی جھوٹ زبان نکل جائے گا تو کبھی کسی کی غیبت ہو جائے گی یا زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکل جائے گا جو کسی کی دل آزاری کا سبب ہوگا، اس لئے صوفیا نے قلتِ کلام کا مجاہدہ بھی تجویز فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ کہ بعض اوقات گناہوں سے بچنے کے لئے اور (صبر عن المعصية) کے لئے مباحات کو بھی ترک کرنا پڑتا ہے، لیکن مباحات میں انہماک کا مطلب کیا ہے؟ اور کس مرحلہ پر کسی مباح کام کو ترک کیا جائے؟ اس کا فیصلہ کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے کسی رہبر اور رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے جو اس بات کا فیصلہ کرتا ہے، اور اسی کام کے لئے لوگ خانقاہوں میں جا کر اپنی اصلاح کروایا کرتے تھے۔

## کچھ سوالات اور ان کے جوابات

گذشتہ بیان میں جو باتیں عرض کی گئیں تھیں ان کے متعلق بعض حضرات نے کچھ سوال بھیجے ہیں، ان کا جواب عرض کرتا ہوں۔

## حق پر ہوتے ہوئے حق کو چھوڑنے پر ایک اشکال

ایک صاحب نے پوچھا کہ ایک طرف تو حدیث میں حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ ایسے شخص کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کی ضمانت لی ہے، اور دوسری طرف حق پر ڈٹے رہنے کی بھی تاکید ہے، تو ان دونوں کے بیچ تطبیق کیسے کی جائے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس حق کو چھوڑنے کی فضیلت حدیث میں آئی ہے اس سے مراد انسان کا ذاتی حق ہے، مثلاً کسی سے پیسے لینے ہیں یا کسی کے ساتھ جائیداد کا کوئی جھگڑا ہے، اگر اس حق کو باوجود حق پر ہونے کے چھوڑ دے گا تو حدیث میں مذکور فضیلت کا حقدار ہوگا۔

اور جہاں حق پر ڈٹ جانے کی بات آئی ہے اس سے مراد وہ حق ہے جو باطل کے مقابلے میں ہو، یعنی ایک برحق معاملہ ہے جو دین کا تقاضا اور حکم ہے، کوئی شخص اس کی دعوت دیتا ہے تو اس کی مخالفت کی جاتی ہے اور جھگڑے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے تو جھگڑا ختم کرنے کی خاطر اس وقت دین کے حکم کو چھوڑنا جائز نہیں ہے، بلکہ اس پر ڈٹے رہنے کا حکم ہے۔

## ریاکاری کے خوف سے کوئی عمل چھوڑ دینا بھی ریاکاری ہے

دوسرا سوال کسی نے یہ کیا ہے کہ اخلاص کے نہ ہونے یا ریاکاری کے اندیشہ کی بناء پر اعمال کو نہ کرنا یا مؤخر کر دینا کیسا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح کسی کو دکھانے کی خاطر کوئی عمل کرنا ریاکاری ہے اسی طرح کسی عمل کو مخلوق کی وجہ سے ترک کرنا بھی ریاکاری ہے، فرض کریں کہ آپ کا اوابین کے نوافل پڑھنے کا معمول ہے، لیکن کچھ لوگ آپ کے پاس آئے ہوئے ہیں اور آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ ان کے سامنے اوابین پڑھنا ریاکاری ہے اس لئے چھوڑ دیتا ہوں، تو یہ چھوڑنا بھی درحقیقت ریاکاری میں شامل ہے، اس کو حضرات صوفیاء کرام نے یوں تعبیر فرمایا کہ:

"عمل للخلق بھی ریا ہے اور ترکِ عمل للخلق بھی ریا ہے"

اس لئے کوئی بھی عمل نہ تو مخلوق کی وجہ سے کرنا چاہئے اور نہ ان کی وجہ سے چھوڑنا چاہئے، یہ سب شیطانی دھوکہ ہے، دل میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا خیال رکھ کر عمل کرنا چاہئے۔

## ریاکاری اختیاری ہے، غیر اختیاری خیال ریاکاری نہیں

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ریا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو خواہ مخواہ کسی کو لپٹتی پھرے، بلکہ یہ ایک اختیاری عمل ہے جس کو انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے، اس لئے اگر کوئی اپنے اختیار سے یہ سوچ کر کوئی عمل کرے کہ اس سے لوگوں میں میری شہرت اور نام ونمود ہوگی تو یہ ریاکاری ہے، اس لئے اس قسم کے خیالات کی وجہ سے کوئی عمل نہیں چھوڑنا چاہئے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ تسبیح ہاتھ میں لے کر پھرنے سے ریاکاری ہوتی ہے، تو یہ خیال بھی غلط ہے، اس لئے کہ اس وقت ریاکاری نہیں ہوگی جب تک کوئی اپنے دل میں اس کا خیال نہ کرلے کہ میں تسبیح اس لئے ہاتھ میں رکھتا ہوں تاکہ لوگ مجھے دیکھ کر نیک خیال کریں، یا میری شہرت ہوجائے۔

صوفیاء کے یہاں تسبیح کو "مذکورہ" (یاد دلانے والی) کہا جاتا ہے، کیونکہ تسبیح ہاتھ میں نہ ہو تو ذکر کی طرف دھیان نہیں جاتا لیکن اگر تسبیح ہاتھ میں ہو تو کچھ نہ کچھ پڑھنے کی طرف دھیان چلا ہی جاتا ہے۔

## تبلیغی جماعت کے کام سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

میں نے اپنے گذشتہ بیان میں یہ بات کی تھی کہ طاعات پر صبر کرنا اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے ہونا چاہئے، اور دین اپنا شوق پورا کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ جس وقت جو تقاضا دین کا ہو اس پر عمل کرنا چاہئے، اسی کے پس منظر میں یہ مثال بھی دی تھی کہ

بعض اوقات کسی کو تبلیغ میں جانے کا شوق ہوتا ہے تو وہ اس بات کو دیکھے بغیر کہ وقت کا تقاضا کیا ہے جماعت میں نکل پڑتا ہے، اور اس کا اس وقت میں نکلنا دین کے تقاضے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ شوق کی خاطر ہے۔

کسی صاحب نے میری اس بات سے یہ مطلب نکالا کہ میں تبلیغی جماعت اور اس کے کام کا مخالف ہوں، اور بحث کے سے انداز میں ایک سوال لکھ بھیجا جس میں تبلیغی جماعت کے کام کے فضائل اور اچھے نتائج کا ذکر کیا ہے، ان صاحب کے سوال کے جواب میں کچھ گزارشات کرنا چاہوں گا۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کا کام ایک عظیم الشان کام ہے، اور اپنے بیان میں، میں نے یہ بات عرض بھی کی تھی۔

دوسری بات یہ کہ بعض افراد جو اس کام میں لگتے ہیں تو ان کے اندر کچھ ایسے افکار پیدا ہو جاتے ہیں جو غلو پر مشتمل ہوتے ہیں، اور دین کا تقاضا نہیں ہوتے، اور نہ ہی جماعت کے اکابرین کی تعلیم ہوتے ہیں، ان کے دماغ میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ جو کام ہم کر رہے ہیں وہ تو برحق ہے اور باقی جتنے لوگ دین کے دوسرے شعبوں میں کام کر رہے ہیں وہ سب غلط ہیں، اور اگر اس پر کوئی اخلاص کے ساتھ ان کی اصلاح کرنا چاہے تو اس کو دین کی مخالفت کا رنگ دے دیتے ہیں۔

میرے سامنے کی مثال ہے، ایک صاحب کے بارے میں، میں ذاتی طور پر جانتا ہوں ان کو تبلیغ کا نیا نیا شوق ہوا تو سب کام چھوڑ کر بیٹھ گئے، اور تبلیغ کے کام میں لگ گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کام سے نفع بھی دیا اور ان کی کافی حد تک اصلاح بھی ہوئی، لیکن ان کی والدہ نے جب کہا کہ تمہاری بیوی اور ایک بچہ ہے ان کی ضروریات کا بھی کچھ انتظام کرو تو انہوں نے کہا کہ اگر آپ لوگوں کی ضروریات ہیں تو آپ خود اس کا بندوبست کریں، میری بیوی کپڑے سلائی کر کے گزارہ کرے اور آپ لوگوں کے گھروں میں کام کاج کر کے اپنا گزارا کریں، میں تو دین کے کام میں لگ گیا ہوں اور یہ کام کرنا، کمانا سب

دنیا ہے، مجھے اپنے وقت پر چلہ لگانا ہے اگر اس کی وجہ سے میری ملازمت چھوٹتی ہے تو چھوٹ جائے مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

یہ ایک مثال نہیں بلکہ اس قسم کی بہت سی مثالیں روزمرہ سامنے آتی رہتی ہیں، اور وجہ یہ ہے کہ نئے کام کرنے والوں نے جماعت کے کام کو سمجھا ہی نہیں، اور اکابرین نے جس طریقہ سے کام کرنے کا حکم دیا ہے اس کو چھوڑ کر اپنے خیالات کے مطابق کام کر رہے ہیں۔

میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ تبلیغی جماعت کے کام سے لوگوں کو جس قدر فائدہ پہنچا ہے کسی اور کام سے نہیں پہنچا، یہ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے سینے کی آگ ہے جس نے پوری دنیا میں ایک نور پھیلا دیا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جماعت میں کام کرنے والے تمام افراد معصوم عن الخطا ہیں اور ان سے کوئی غلطی سرزد ہو ہی نہیں سکتی، اور نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ ان کی کسی غلطی کی نشان دہی نہ کی جائے اور نشاندہی کرنے والے کو تبلیغ کا مخالف قرار دے دیا جائے

## حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اندیشہ

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ جب حضرت مولانا محمد الیاس قدس اللہ سرہٗ کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت رو پڑے اور فرمانے لگے کہ جماعت کا کام الحمدللہ دنیا میں اس قدر پھیل گیا ہے کہ مجھے یہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ استدراج نہ ہو، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں کہا کہ میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ یہ استدراج نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ استدراج ہوتا تو آپ کے دل میں اس کے استدراج ہونے کا واہمہ بھی نہ آتا، اس سے ان کو اطمینان ہوا۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اب جماعت کا کام عام لوگوں کے ہاتھ میں جا رہا ہے، مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ یہ لوگ کہیں غلو اور افراط میں مبتلا نہ ہو جائیں، اور ان کا

یہ اندیشہ آج ہم سب کے سامنے ان لوگوں کی صورت میں آرہا ہے کہ جن کے پاس علم بھی نہیں ہے، اور اگر کوئی اہل علم اخلاص اور محبت کے ساتھ ان کی اصلاح بھی کرنا چاہے تو اس کو فوراً مخالفت سے تعبیر کرتے ہیں۔

میری یہ مجلس جو آج کل اتوار کو ہوتی ہے پہلے جمعہ کے دن ہوا کرتی تھی، مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ تم یہ مجلس کیا کرو، ان کے حکم کی تعمیل میں کچھ دین کی باتیں نقل کردیا کرتا تھا لسبیلہ کی ایک مسجد میں اس کا آغاز ہوا تھا، جب اس کا آغاز ہوا تو اعلان کیا گیا کہ یہ مجلس جمعہ کے دن ہوا کرے گی۔

اعلان کو سن کر محلے کے کچھ لوگ میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ یہ مجلس کسی اور دن کرلیا کریں، میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ جمعہ کے دن ہمارا گشت ہوتا ہے، اگر آپ کی مجلس ہوگی تو لوگ گشت میں نہیں آئیں گے، میں نے پوچھا کہ گشت کس وقت ہوتا ہے؟ انہوں نے شاید عشاء یا مغرب کے بعد کا وقت بتایا، میں نے کہا کہ میری مجلس تو عصر کے بعد ہوگی اس لئے کوئی تعارض نہیں ہوگا، اس پر وہ کہنے لگے کہ جب عصر کے بعد لوگ آپ کی مجلس میں شریک ہوں گے تو ہمارے گشت میں نہیں آئیں گے، میں نے کہا کہ بظاہر ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی بلکہ میں لوگوں کو مجلس میں اس بات کی ترغیب دوں گا کہ وہ گشت میں بھی شرکت کریں، یہ سن کر ان میں ایک صاحب نے فوراً یہ جملہ کہا کہ:

"آپ دین کے راستے میں رُکاوٹ پیدا کررہے ہیں"

گویا ان کی نظر میں گشت کرنا ہی دین ہے، اور مجلس میں بیٹھ کر قرآن وحدیث کی بات سنانا دین نہیں ہے، یہ غلو ہے جو اس کام کے لئے انتہائی مضر ہے۔

## دین کو کسی ایک شعبہ میں منحصر سمجھنے کی وجہ

اس قسم کے خیالات لوگوں کے دماغ میں کیوں آتے ہیں اور اس کی کیا وجہ ہے؟ درحقیقت ہمارے یہاں دین کے ہر شعبے میں الحمدللہ کام ہوتا ہے، اور سب کا مقصود اللہ

تبارک وتعالی کی رضا تک پہنچنا ہے، لیکن بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ جب انسان کو دین کے کسی شعبے میں لگنے کی وجہ سے ہدایت کی توفیق ملتی ہے تو وہ اسی کو مقصود بنالیتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ بس یہی دین ہے اور اس کے علاوہ دین کے جتنے بھی شعبے ہیں ان کو بے کار اور فضول سمجھنے لگتا ہے۔

مثال کے طور پر دینی مدارس میں تعلیم وتدریس، تبلیغ، جہاد اور خانقاہوں میں ہونے والی اصلاح وتربیت، یہ سب ہی دین کے کام ہیں، اور ان میں کوئی بھی شعبہ دین سے خارج نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص اپنے دل میں یہ سمجھ لے کہ جو کام میں کررہا ہوں وہ تو دین ہے اور باقی کے تمام شعبوں میں ہونے والا کام یا تو بے کار ہے، یا یہ سمجھ لے کہ بس اصل دین تو وہ ہے جو میں کررہا ہوں اور باقی کے شعبے بس قابلِ گوارا ہیں تو یہاں سے خرابی پیدا ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر کوئی یہ سمجھے کہ دینی مدرسہ میں ہونے والا تعلیم وتدریس کا عمل دین کا کام ہے اور تبلیغ، جہاد اور خانقاہ میں اصلاح وتربیت کا عمل، یہ سب فضول کام ہے، تو اس سے گمراہی اور افتراق پیدا ہوتا ہے، اسی طرح اگر کوئی یہ سمجھے کہ تبلیغ اصل کام ہے اور مدرسے والے سب فضول باتیں کرتے ہیں، اگر مدرسہ والے تبلیغ میں نہیں نکلیں گے، چلہ نہیں لگائیں گے تو وہ دین پر عمل کرنے والے نہیں ہیں، تو یہ خیال بھی گمراہی ہے۔

کوئی شخص جہاد میں نکل کر یہ خیال کرے کہ میں جہاد کررہا ہوں تو یہ برحق ہے اور تبلیغ اور مدارس اور خانقاہ والے جو کام کررہے ہیں یہ سب فضول ہے، تو یہ خیال بھی گمراہی ہے، اس طرح اگر خانقاہ میں ضربیں لگانے والا اپنے کام کو دین سمجھے اور باقی شعبوں میں ہونے والے کام کو دین سے خارج سمجھے تو یہ بھی گمراہی ہے، بلکہ ہر ایک شعبہ میں ہونے والا کام اپنی جگہ دین کا کام ہے اور سب کا مقصود اللہ تبارک وتعالی کی رضامندی کا حصول ہے۔

اس قسم کے خیالات سے یہ گمراہی پیدا ہوتی ہے کہ جب کبھی ان شعبوں میں سے کسی بھی شعبے میں کوئی کوتاہی ہوتی ہے اور کوئی شخص اس کوتاہی پر اس شعبہ سے متعلق لوگوں کو

متنبہ کرتا ہے تو اس کی بات کو فوراً مخالفت کا رنگ دے دیا جاتا ہے، اس لئے اس سے بچنا چاہئے اور دین کے کام کو کسی ایک شعبہ میں منحصر نہیں کرنا چاہئے۔

بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے پورے دین کو صبر میں سمیٹ دیا ہے (صبر علی الطاعات) کے ذریعہ نیکیوں پر ڈٹے رہنا بھی ضروری ہے اور (صبر عن المعصیة) کے ذریعہ گناہوں سے بچنا بھی ضروری ہے، لیکن دونوں صورتوں میں صبر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے ہو، نام ونمود اور شوق کو پورا کرنے کی خاطر نہ ہو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا کے مطابق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

"وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"

✿✿✿

# رمضان اور حقیقتِ صبر واختتامِ رمضان (۱)

۲۶ / اگست ۲۰۱۲ء بروز اتوار
جامعہ دارالعلوم کراچی

# اقتباس

"ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کو جو تکلیف پہنچتی ہے یا صدمہ ہوتا ہے تو ہر تکلیف پر اس کو اللہ تعالی کی طرف سے اجر ملتا ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی کانٹا بھی چبھے تو اس پر بھی اجر ہے"

# رمضان اور حقیقتِ صبر واختتامِ رمضان (۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○ (آل عمران:۲۰۰)

## سورۂ آل عمران کی آخری آیت کے چار حکم

رمضان المبارک میں سورۂ آل عمران کی اس آخری آیت کا بیان شروع کیا تھا، وہ رمضان کے بیانات میں مکمل نہیں ہوسکا، خیال ہے کہ پہلے اسی کو مکمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن باتوں کا اس مختصری آیت میں حکم دیا ہے، اگر ان کو صحیح طور پر سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق ہوجائے تو ہمارے سارے مسائل حل ہوسکتے ہیں۔

اس آیت میں ایمان والوں سے خطاب کرتے ہوئے چار حکم دیئے گئے ہیں، ایک

حکم ہے: (اِصْبِرُوْا) یعنی صبر اختیار کرو۔ دوسرا ہے: (صَابِرُوْا) یعنی ایک دوسرے سے صبر میں آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ تیسرا ہے: (رَابِطُوْا) یعنی اپنے آپ کو باندھ کر رکھو۔ چوتھا ہے: (اِتَّقُوا اللّٰہَ) یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو۔

ان چار کاموں کے نتیجے میں (لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ) تم کو فلاح حاصل ہوگی۔

## صبر کی حقیقت پورے دین کو جامع ہے

ان میں سے پہلا حکم صبر کا ہے جس پر بیان شروع ہوا تھا، لیکن وہ بھی مکمل نہیں ہوسکا، حقیقت یہ ہے کہ اگر صبر کی حقیقت سمجھ میں آجائے اور اللہ تعالیٰ اس پر عمل کی توفیق عطا فرمادیں تو سارا دین اس میں سمٹ آتا ہے کیونکہ صبر کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کو طبیعت ناپسند کر رہی ہو یا اس کے لئے دل نہ چاہ رہا ہو یا جس پر طبیعت کو ناگواری ہو رہی ہو تو طبیعت کے خلاف طبیعت کو مجبور کر کے وہ کام کیا جائے، عربی میں کہتے ہیں:

حَبْسُ النَّفْسِ عَلٰی مَا یَکْرَہُ

"یعنی نفس کو اس چیز پر باندھنا جس کو نفس ناپسند کرتا ہے"

## صبر کی تین قسمیں

صبر کی تین قسمیں ہیں: **صبر علی الطاعۃ، صبر عن المعصیۃ** اور **صبر علی المصیبۃ۔ صبر علی الطاعۃ** کا مطلب یہ ہے کہ اگر عبادت کرنے کا دل نہیں چاہ رہا تو طبیعت کے ساتھ زبردستی کر کے وہ عبادت کی جائے، اسی طرح **صبر عن المعصیۃ** کا مطلب یہ ہے کہ کوئی گناہ کرنے کو جی چاہ رہا ہے مگر زبردستی اپنے آپ کو اس سے روکا جائے۔ **صبر علی المصیبۃ** یہ ہے کہ کسی مصیبت پر واویلا اور (اللہ معاف کرے!) اللہ تعالیٰ سے شکوہ پیدا ہو رہا ہے تو اپنے نفس کو اس بات پر قائل کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ درست ہے، چاہے مجھے کتنا ہی ناگوار ہو رہا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے نفس کے اندر کچھ خواہشات رکھی ہیں، ان میں کچھ جائز ہوتی ہیں اور

کچھ ناجائز ہوتی ہیں، جائز خواہشات پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے، ہر انسان کے لئے اس کے مواقع رکھے ہیں، اس کو حلال بھی قرار دیا ہے، لیکن ناجائز خواہشات کو دبانے، مٹانے اور ان کو پامال کرنے کا حکم ہے اور اسی پر جنت کا وعدہ ہے، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىۙ O فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰىؕ O (النّٰزعٰت: ۴۰-۴۱)

"جو آدمی اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اور اپنے نفس کو ہویٰ یعنی ناجائز خواہشات سے روکے تو جنت ہی (اس کا) ٹھکانہ ہے"

درحقیقت جنت اپنے نفس کے غلط تقاضوں کے خلاف کام کرنے کا صلہ ہے، مثلاً کسی کا نماز پڑھنے کو دل نہیں چاہ رہا، لیکن پھر بھی وہ نماز میں لگا ہوا ہے، گناہ کرنے کو دل چاہ رہا ہے، مگر گناہ سے رُک رہا ہے، کوئی مصیبت اور پریشانی لاحق ہوئی ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنے کو دل چاہ رہا ہے مگر آدمی شکوہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہو جاتا ہے، اگر یہ بات ذہن میں آجائے تو سارے دین پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

## طاعات پر صبر

صبر کی تین قسموں میں سے پہلی قسم یعنی صبر علی الطاعة کے بیان میں ذکر کیا تھا کہ جتنی بھی طاعات ہیں، ان کو بجالانے میں طبیعت بسا اوقات سستی کرتی ہے، دل نہیں چاہتا، لیکن اگر کوئی زبردستی اپنے آپ کو ان طاعات میں لگائے تو اس کو صبر علی الطاعات کہتے ہیں، ہر انسان کے ساتھ اپنے معمولات میں یہ صورتحال پیش آتی ہے کہ تلاوت، ذکر، تسبیح وغیرہ کے جو معمولات مقرر کئے ہیں، بسا اوقات انسان کا دل اُکتانے لگتا ہے، سستی پیدا ہو جاتی ہے، کوئی اور کام کرنے کو دل چاہتا ہے، لیکن بندے کا امتحان اُسی وقت ہے کہ اس سستی کا مقابلہ کرے۔

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ کا مقولہ میں نے بار بار سنایا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ:

"جب کسی طاعت کے کرنے میں سستی ہو تو اس سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے۔ اور جب کسی معصیت سے رکنے میں سستی ہو تو اس سستی کا مقابلہ کر کے اس معصیت سے رکے۔ اسی سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے، اسی سے مضبوط ہوتا ہے اور اسی سے ترقی کرتا ہے"

جب بندہ اللہ کی خاطر اپنی خواہشات نفس کو پامال کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں محبوب ہو جاتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس بندے کے ساتھ محبت فرماتے ہیں کہ اس نے میری خاطر اپنی خواہشات نفس کو پامال کیا ہے۔

## صبر کی چوتھی قسم

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ نے صبر کی ایک اور قسم بیان فرمائی ہے، وہ ہے: **صبر فی الطاعة** یعنی نماز پڑھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا مگر آپ نماز کے لئے چلے گئے، یہ **صبر علی الطاعة** ہے، پھر جب نماز شروع کر دی تو اب یہاں صبر کرنا **صبر فی الطاعة** ہے کہ نماز میں دل کے خیالات اِدھر اُدھر بھٹک رہے ہیں، نفس دل ودماغ کے خیالات کو اِدھر اُدھر لے جانے پر اُکسا رہا ہے، اس وقت اپنے نفس کے خلاف زبردستی کر کے اپنے دھیان اور توجہ کو نماز کی طرف لانا، جو الفاظ زبان سے نکل رہے ہیں یا جو امام کی زبان سے نکل رہے ہیں اُن کی طرف دھیان کو بار بار لگانا۔ اپنے نفس کو یہ باور کرانا کہ میں اس وقت اللہ جل جلالہٗ کے دربار میں حاضر ہوں، لہٰذا صبر وسکون کے ساتھ کھڑا رہوں، اس میں حرکتیں نہ ہوں اور مکمل دھیان وتوجہ سے اپنے یا امام کی زبان سے نکلنے والے الفاظ پر توجہ دوں۔ نماز کے دوران غیر اختیاری طور پر خیال کا آنا معاف ہے، اگر اس طرح کوئی خیال آ بھی جائے تو فوراً اپنی توجہ کو نماز کی طرف لائیں، پھر خیالات بھٹک

جائیں تو کوشش کر کے پھر نماز کی طرف توجہ کریں۔ بار بار خیال بھٹکے، بار بار دھیان و توجہ کے ساتھ واپس نماز میں آؤ، اسی کوشش کا نام صبر فی الطاعۃ ہے، اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا چاہے ساری زندگی اسی میں گزر جائے۔

ساری زندگی کے لئے یہ تہیہ کر لے کہ جب بھی میرا خیال اِدھر اُدھر ہوگا میں پھر اپنی توجہ کو نماز کی طرف مرکوز کروں گا، جب بندہ بار بار کسی کام کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے اکثر اوقات صحیح دھیان کے ساتھ گزروا دیتے ہیں، اکثر اوقات میں اس کو خشوع حاصل ہو جاتا ہے اور اللہ کے بندے کچھ ایسے بھی ہیں کہ جب انہوں نے عادت ڈالی اور مشق کی تو پوری نماز خشوع کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق مل گئی۔

## مصائب پر صبر

تیسری چیز صبر علی المصیبۃ ہے، کوئی انسان ایسا نہیں کہ جس کو اس کی زندگی میں کوئی نہ کوئی تکلیف نہ پہنچی ہو، اس دنیا میں رنج و خوشی دونوں ساتھ چلتے ہیں، راحت و تکلیف دونوں موجود ہیں، وہ جگہ جہاں پر صرف راحت ہی راحت ہو اور خوشی ہی خوشی ہو، وہ صرف جنت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو عطا فرمائے۔

دنیا میں غموں اور تکلیفوں سے مکمل طور پر نجات ممکن نہیں، غالب کا شعر ہے ؎

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

## دنیا میں تکالیف آزمائش ہیں

دنیا کی تکلیف چاہے کسی بھی نوعیت کی ہو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ. (بقرہ:۱۵۵)

کبھی بھوک کی تکلیف آجائے گی، کبھی کوئی خوف طاری ہو جائے گا، کبھی عزیز و اقارب میں سے کوئی چل بسے گا، کبھی مال میں کمی واقع ہوگی، ان سب چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ آزماتے ہیں۔ اگر بندوں نے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا شکوہ کرنا شروع کر دیا کہ بندہ کہے کہ اس تکلیف کے لئے میں ہی رہ گیا تھا۔ العیاذ باللہ! تو یہ بے صبری ہے۔ آزمائش میں ناکامی ہے۔ بندہ یہ کہے کہ یہ تکلیف کیسی بھی ہو، جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے تو اس کی حکمتِ بالغہ کے تحت ہے۔ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہوں، مجھے تقدیر اور اللہ تعالیٰ سے کوئی شکوہ نہیں۔

## صبر حاصل کرنے کا مراقبہ

ہمارے حضرت، حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اس صبر کو حاصل کرنے کے لئے اس بات کا مراقبہ فائدہ مند ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہیں اور حکیم بھی ہیں، ان کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے، اگرچہ ہمیں بظاہر حکمت نظر نہ آرہی ہو۔

قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ ذکر کیا ہے، حضرت خضر علیہ السلام تکوینی پیغمبر تھے، جب یہ حضرات کشتی میں سوار ہوئے تو حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کا تختہ توڑ دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام چیخ اُٹھے کہ یہ کیا کر دیا؟ اب بظاہر دیکھنے میں اس کام میں کوئی حکمت نظر نہیں آرہی تھی، آگے بڑھے، کنارے پر ایک کھیلتے ہوئے بچے کی گردن مروڑ کر اس کو قتل کر دیا، یہ پہلے سے زیادہ سنگین بات تھی، موسیٰ علیہ السلام اس پر بھی بول اُٹھے کہ (لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا) (الکہف: ۷۴) آگے بڑھے تو ایک دیوار کو جو کہ گرنے والی تھی، اس کو بغیر اجرت کے سیدھا کر دیا۔

ان سب کاموں میں سے کسی کام کی حکمت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سمجھ میں نہیں آئی، بعد میں حضرت خضر علیہ السلام نے حقیقت بتائی کہ کشتی میں سوراخ اس لئے کیا تھا کہ آگے ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر صحیح سالم کشتی کو ضبط کر لیا کرتا تھا، اگر کسی کشتی میں عیب ہوتا

تو اس کو نہ پکڑتا، اس لئے میں نے کشتی کو عیب دار کر دیا۔

اسی طرح وہ بچہ اگر جوان ہوتا تو یہ اپنے ماں باپ کو گمراہی اور کفر میں مبتلا کرتا، اس لئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں نے اس کو قتل کیا۔

## تقدیر کا شکوہ نہ کرو

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کا واقعہ قرآنِ کریم میں یہ بتانے کے لئے ذکر کیا کہ اس کائنات میں جتنے واقعات پیش آ رہے ہیں، ہر واقعہ کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے، وہ حکمت بسا اوقات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی، اس لئے اگر تمہیں کوئی بات ناگوار محسوس ہو رہی ہے یا کوئی ناگوار واقعہ پیش آیا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ سے شکوہ یا تقدیر پر شکوہ نہ کرو۔

انسان محدود عقل لے کر پیدا ہوا ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنے چھوٹی سی عقل کے دائرے میں رہ کر سوچتا ہے کہ میرے لئے کون سی چیز اچھی ہے اور کون سی چیز بری ہے؟ اللہ جل جلالہٗ پوری کائنات کا نظام چلا رہے ہیں، انہیں بخوبی علم ہے کہ کونسی چیز فائدہ مند ہے اور کونسی چیز نقصان دہ ہے؟ کس چیز کا کیا انجام ہونے والا ہے؟

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے جب تکلیف بھی دیتے ہیں تو حکمت کے تحت دیتے ہیں، لیکن اس پر اظہارِ غم اور اظہارِ افسوس پر کوئی پابندی نہیں لگائی، بے اختیار رونے پر بھی کوئی پابندی نہیں لگائی، البتہ اگر مطالبہ ہے تو صرف یہ کہ:

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ○ الَّذِيْنَ إِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○ (البقرة:۱۵۵)

یعنی ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو کہ جب ان کو کوئی مصیبت یا تکلیف پیش آئے تو وہ یہ کہتے ہیں: (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ) ۔ ایسے لوگوں پر ان کے پروردگار کی طرف سے رحمتیں ہی رحمتیں نازل ہوں گی۔

حضرت عارفی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

یعنی "وہ کہتے ہیں انا للہ الخ" تو جو زبان سے "انا للہ الخ" کہتا رہا، چاہے دل میں غم کا طوفان اُمڈ رہا ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ اتنی بڑی بشارت ارشاد فرما رہے ہیں۔

ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن کو جو تکلیف پہنچتی ہے یا صدمہ ہوتا ہے تو ہر تکلیف پر اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملتا ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی کانٹا بھی چبھے تو اس پر بھی اجر ہے۔

## مومن کے لئے تکلیف اجر سے خالی نہیں

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک وعظ میں فرمایا کہ ایک ثواب تکلیف کا ہے اور ایک اس تکلیف پر صبر کا ثواب ہے، فرض کرو کسی شخص کو تکلیف پہنچی، لیکن جیسا صبر کرنا چاہئے تھا ویسا نہیں کیا تو اس کو صرف تکلیف کا ثواب ملے گا جبکہ بے صبری کا گناہ ہوگا، اور اگر اس تکلیف پر صبر بھی کرلیا تو دوہرا اجر ہے۔ تو مومن کے لئے کوئی بھی تکلیف نقصان دہ نہیں ہے۔

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بعض اوقات اللہ تبارک وتعالیٰ کسی بندے کو کسی اونچے مقام پر پہنچانا چاہتے ہیں، وہ اس مقام تک اپنے اعمال کی وجہ سے پہنچ نہیں پارہا، تو اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کو کسی تکلیف میں مبتلا فرمادیتے ہیں جس پر وہ صبر کرتا ہے، اس کے نتیجے میں وہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت ومصلحت کا ایک حصہ ہے۔

میں نے اپنے شیخ حضرت عارفی قدس اللہ سرہ سے ایک واقعہ سنا، بعد میں کتابوں میں اگرچہ نہیں ملا، فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جب بیمار ہوئیں تو نبی کریم ﷺ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے،

انہوں نے کسی تکلیف کا اظہار کیا تو نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ خدیجہ! تم اس بیماری سے بچوگی نہیں! اور اس میں تمہارا انتقال ہو جائے گا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تیمارداری کے آداب میں سے یہ ہے کہ جب کوئی کسی کی بیمار پرسی کے لئے جائے تو اس کے سامنے کوئی تسلی کا کلمہ کہے اور خود نبی کریم ﷺ کا معمول بھی یہی تھا۔ اب اس روایت سے اشکال ہوتا ہے کہ بیماری کی حالت میں آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے یہ بات کیسے کہہ دی؟

اس کا جواب بظاہر یہ ہے کہ آخرت میں نبی کریم ﷺ کے لئے جو مقام تھا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لئے اپنے عام اعمال کی بدولت اس مقام تک پہنچنا مشکل تھا، جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ان کو دنیا کی طرح آخرت میں بھی حضور ﷺ کی رفاقت کا شرف عطا فرمانا مقصود تھا، اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ ان کے دل پر ایک چوٹ دی تا کہ اس چوٹ کے نتیجے میں وہ صبر کریں اور صبر کی بدولت اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو اس مقام تک پہنچا دیں۔

## صبر کا عظیم الشان اجر اور جنتیوں کی تمنا

اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کی کھود کرید کسی کے بس کی بات نہیں لہٰذا جب بھی کوئی صدمہ اور کوئی تکلیف پہنچے تو اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حکمت سمجھ کر برداشت کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہنا چاہئے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر بڑا اجر عطا فرماتے ہیں۔

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جب اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو آخرت میں صبر کا ثواب عطا فرمائیں گے اور دوسرے جنتی اس ثواب کو دیکھیں گے تو وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش! دنیا کی زندگی میں ہماری کھالوں کو قینچی سے کاٹا گیا ہوتا اور ہم اس تکلیف پر صبر کر لیتے تو آج ہمیں بھی یہ اجر ملتا ہے۔

مؤمن کے لئے ہر تکلیف اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے رحمت کا ایک عنوان ہے، لہٰذا جب بھی کوئی چھوٹی یا بڑی تکلیف پہنچے تو آدمی کو یہ کلمہ کہنا چاہئے:

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ○

اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ کلمہ صرف کسی کے مرنے کے وقت ہی کہا جاتا ہے، بلکہ کوئی بھی چھوٹی سے چھوٹی تکلیف پہنچے تو اس وقت یہ کلمہ کہنا نبی کریم ﷺ کی سنت ہے اور صبر کا ایک مظاہرہ ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے سامنے چراغ گل ہوگیا تو آپ ﷺ نے یہ کلمہ پڑھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کیا اس موقع پر بھی یہ کلمہ کہنا چاہئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہیں اس (چراغ گل ہونے) سے تکلیف نہیں پہنچی؟ جب تکلیف پہنچی تو یہ کلمہ کہنے کا یہی موقع ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صبر کی مذکورہ تینوں قسمیں سارے دین کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔

## مصابرہ کا معنی اور مفہوم

آیت میں اگلا جملہ فرمایا: (وَصَابِرُوْا) حضراتِ مفسرین رحمہم اللہ نے اس لفظ کی مختلف تفسیریں بیان فرمائی ہیں، اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ جملہ جہاد کے سیاق میں آیا ہے کہ جب تمہارا مقابلہ کسی دشمن سے ہوجائے تو پھر اس کے مقابلے میں ثابت قدمی دکھاؤ۔

بعض مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات قرآن کریم کے الفاظ کا شانِ نزول اور سیاق کسی خاص معنی میں ہوتا ہے لیکن اس کے الفاظ عام ہوتے ہیں اور اعتبار ان ہی عام الفاظ کا ہوتا ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے (صَابِرُوْا) کے معنی یہ بیان فرمائے ہیں کہ صبر میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ مل کر رہن سہن اختیار کرتا ہے تو کبھی نہ کبھی کوئی

خلاف طبع بات پیش آجاتی ہے، اس کو اگر برداشت نہ کیا جائے تو لڑائی جھگڑے کی نوبت آجائے گی، لہٰذا ایک دوسرے کی باتوں کو برداشت کرتے ہوئے چلنا پڑتا ہے، اس باہمی برداشت کے رویوں میں ایک دوسرے سے بڑھنا اس لفظ سے مراد ہے۔

یہ فطرتی بات ہے کہ دو انسان کی طبیعت ایک جیسی نہیں ہوتی، ان میں کچھ نہ کچھ فرق ہوتا ہے، ایک ساتھ رہتے ہوئے یقیناً ہر ایک کو دوسرے سے ایذاء پہنچتی ہے، کوئی خلاف طبع بات پیش آتی ہے، لہٰذا اس ناگواری پر جتنا ایک صبر کر رہا ہے تم اس سے زیادہ صبر کرنے کی کوشش کرو۔

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

اِنَّ الَّذِیْ یُخَالِطُ النَّاسَ وَیَصْبِرُ عَلٰی اَذَاھُمْ خَیْرٌ مِّمَّنْ لَایُخَالِطُ النَّاسَ.

یعنی ایک آدمی وہ ہے کہ جو لوگوں سے ملتا جلتا نہیں، لہٰذا اس سے کسی کو یا اس کو کسی سے تکلیف نہیں ہوگی، جبکہ دوسرا آدمی وہ ہے کہ جو لوگوں کے ساتھ گھلا ملا رہتا ہے اور ان سے جو تکلیفیں پہنچتی ہیں ان پر صبر کرتا ہے تو یہ شخص پہلے شخص سے زیادہ بہتر ہے۔

یہ بتلانا مقصود ہے کہ اس زندگی میں دوسرے لوگوں سے لازماً واسطہ پیش آتا ہے اور اس واسطے میں ایک دوسرے سے تکلیفیں بھی پہنچیں گی، لیکن حتی الامکان ان تکلیفوں کو برداشت کرو اور باہمی براداشت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو، اسی کا نام (مصابرہ) ہے۔

## اہلِ علم کے لئے خصوصی دعا

دنیا کے اکثر جھگڑوں کی وجہ یہی عدم برداشت کا رویہ ہے کہ دوسرے کی بات برداشت نہ ہوئی، جس کی وجہ سے غصہ آگیا اور پھر غصے میں سب کچھ کر گزرتا ہے، لیکن اگر آدمی سوچے کہ دنیا میں رہتے ہوئے لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا ہے تو ان کی ناگوار

باتوں پر صبر ہی کرلیں، اس سے جھگڑے کا امکان نہیں رہتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاطر اپنے غصے کو پی جانا صبر کی عظیم قسم ہے اور آیت میں اسی کی تعلیم دی گئی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی سنت بھی یہی ہے اور آپ ﷺ نے یہ دعا مانگنے کی تعلیم بھی فرمائی ہے، خاص طور پر اہلِ علم یہ دعا مانگا کریں!

اَللّٰهُمَّ اَغْنِنِیْ بِالْعِلْمِ وَزَیِّنِّیْ بِالْحِلْمِ

''اے اللہ! علم کی دولت عطا فرما! اور حلم سے مزین فرما''

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت سے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

"وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"

✿✿✿

# رمضان اور حقیقتِ صبر و اختتام

## رمضان (۲)

۲ر ستمبر ۲۰۱۲ء بروز اتوار
جامعہ دارالعلوم کراچی

# اقتباس

''انسان کی ہلاکت کے لئے سب سے بڑی بلا غفلت ہے کہ اس کو پرواہی نہ ہو کہ کیا کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ کو راضی کر رہا ہوں یا ناراض کر رہا ہوں، اس کو حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ اہلِ تقویٰ کی صحبت اختیار کی جائے، ان کی صحبت میں رہنے سے اللہ تعالیٰ ان کے دل کی کیفیت ہمارے دل میں بھی منتقل فرمادیں گے''۔

# رمضان اور حقیقتِ صبر واختتامِ رمضان (۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا. اَمَّابَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ O (آل عمران:۲۰۰)

اس مختصر سی آیت میں جو حکم دیا ہے، اگر ان کو صحیح طور سے سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق ہو جائے تو ہمارے سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

اس آیت میں ایمان والوں سے خطاب ہوئے چار حکم دیئے گئے ہیں، ایک حکم ہے: (اِصْبِرُوْا) یعنی صبر اختیار کرو۔ دوسرا ہے: (صَابِرُوْا) یعنی ایک دوسرے سے صبر میں آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ تیسرا ہے: (رَابِطُوْا) یعنی اپنے آپ کو باندھ کر رکھو۔ چوتھا ہے: (اِتَّقُوا اللّٰہَ) یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو۔

ان میں سے صبر اور مصابرہ کی تشریح عرض کر دی گئی تھی کہ صبر یہ ہے کہ انسان ناگوار باتوں پر انفرادی طور پر صبر کرلے اور مصابرہ میں جانبین سے ایک دوسرے کی تکلیفوں اور ناگواریوں پر صبر میں بڑھنے کا مقابلہ ہوتا ہے۔

## صبر اور مصابرہ

گذشتہ بیان میں عرض کیا تھا کہ (صَابِرُوْا) کا لفظ اگرچہ اپنے سیاق کے اعتبار سے جہاد کے موضوع سے متعلق ہے کہ جتنا دشمن اپنے مقصد میں ڈٹا ہوا ہے اس سے زیادہ اس کے مقابلے میں تم ڈٹ جاؤ۔ لیکن مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے، شانِ نزول اور سیاق کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اس لئے (صَابِرُوْا) کا حکم صرف جہاد کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ پوری زندگی میں جہاں بھی اور جس طرح کا بھی باطل کے سامنے ڈٹ جانے کا موقع ہو، وہاں پر ڈٹ جانا (صَابِرُوْا) میں داخل ہے۔

ہم ایسے معاشرے میں جیتے ہیں کہ جہاں اگر کوئی شخص دین کی طرف چلنا شروع کرے تو اس کو ہزار طعنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ مُلّا بن گیا، اب دنیا کے کام کا نہ رہا، دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ اب یا تو آدمی لوگوں کے طعن وتشنیع اور لعنت وملامت سے مرعوب ہو کر اپنا راستہ چھوڑ دے اور دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی کہے کہ تم جو مرضی چاہے کہتے پھرو، جب ہم نے ایک راستہ صحیح سمجھ کر اختیار کرلیا ہے تو اب یہ لعنت ملامت اور طعن وتشنیع ہمیں اس راستے سے ہٹا نہیں سکتے۔

عَـزْلُ الْـعَـوَاذِلِ حَـوْلَ قَـلْـبِ الـتَّـائِـه
وَهَـوَى الْأَحِبَّةِ مِـنْـهُ فِـيْ سَـوْدَائِـه

ملامت کرنے والوں کی ملامتیں دل میں آتی رہتی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کے رسول ﷺ اور اس کے دین وشریعت کے احکام کی محبت دل میں بیٹھ گئی ہے، اب ہمیں ان طعن وتشنیع کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

خلقے پس دیوانہ و دیوانہ بکارے

لوگ پیچھے لگے ہوئے ہیں، گالی دے رہے ہیں، جبکہ دیوانہ اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ مصابرہ کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ مخلوق کے کہنے کی پرواہ نہ کرے، ہمیں

اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہے، اس کے سامنے جانا ہے، اسی سے انعام حاصل کرنا ہے اور اسی کی سزا سے ڈرنا ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتے ہیں: (اِصْبِرُوْا) پہلے تم صبر کرو۔ یعنی نفسانی خواہشات کی پکار کے خلاف اپنے اوپر زبردستی کر کے گناہوں سے بچو۔ اس کام کے نتیجے میں تمہاری طرف طعن وتشنیع اور اعتراضات کا طوفان اُمڈ آئے گا جس کے مقابلے کے لئے حکم دیا: (صَابِرُوْا) ان کے مقابلے کے لئے ڈٹ جاؤ۔

## اللہ والوں کو طعن وتشنیع کی پروا نہیں ہوتی

یہ حقیقت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے، ایک طرف تو اس کو طعن وتشنیع کی پروا نہیں ہوتی، دوسرا یہ کہ وہ ان کے مقابلے میں کسی قسم کی سختی کا جواب دینے کی فکر بھی نہیں کرتا، اس کا صحیح طریقہ بھی ہے کہ اس طرح کے مواقع پر نہ کوئی بحث کی جائے اور نہ ہی پلٹ کر لوگوں کے طعن وتشنیع کا کوئی جواب دیا جائے، بس سلام کر کے گزر جاؤ۔ فرمایا: (وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ) (الاعراف:۱۹۹) حقیقتِ حال سے بے خبر لوگوں کے فضول اعتراضات کا جواب دینے کی فکر کرنے کی بجائے ان سے اعراض کر کے سلام کرتے ہوئے گزر جانا چاہئے۔ یہ مصابرہ ہے۔

نیکی کے راستے پر چلنے والوں کو بعض لوگ دین سے ہٹا کر دنیا کی طرف لانا چاہتے ہیں، اسی طرح بعض لوگ دین کی آڑ میں گمراہی کی طرف بلاتے ہیں، کبھی مناظرے کرتے ہیں، کبھی مباحثے کرتے ہیں، ان کو بھی یہی جواب دیا جائے کہ الحمدللہ! ہم کو اللہ تعالیٰ نے سیدھا راستہ دکھا دیا، ہم اس پر مطمئن ہیں، وہ راستہ وہی ہے جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ جائے گی، ان میں سے نجات پانے والی جماعت (مَااَنَاعَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ) ہے، یعنی جس راستے پر میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم قائم ہیں۔ ہمیں بس یہ دیکھنا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی

سنت کیا ہے؟ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ کیا ہے؟ ان کو معلوم کر کے آدمی ان پر جم جائے، یہ بات بھی مصابرہ کے مفہوم میں داخل ہے۔

## لوگوں کی تکلیف پر صبر کرنا

اللہ تعالیٰ نے دنیا اس طرح بنائی ہے کہ کوئی انسان تنہا زندگی نہیں گزارتا، ہر ایک کو دوسروں کے ساتھ واسطہ پیش آتا ہے، ماں باپ، بہن بھائی، عزیز و رشتہ دار، دوست احباب، اسی طرح معاشرتی تعلقات میں لوگوں سے واسطہ پیش آتا ہے، معاملات میں واسطہ پیش آتا ہے، پھر ہر انسان کی طبیعت دوسرے سے مختلف ہے، لہٰذا انسانوں سے باہمی میل جول کے دوران تکلیفیں بھی پہنچیں گی، کسی کا طرز عمل تکلیف دہ ہے، کسی کی زبان سخت ہے وغیرہ، ان تعلقات اور میل جول میں لوگوں کی تکلیفوں پر صبر کرنا بھی مصابرہ کے مفہوم میں داخل ہے۔

شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ جتنی تکلیف کسی نے تمہیں پہنچائی ہے اتنی ہی تم بھی اس کو پہنچا کر بدلہ لے لو، فرمایا:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَاعُوْقِبْتُمْ بِهٖ. (النحل:۱۲۶)

لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ (الشوریٰ:۴۳)

اگر اس تکلیف پر صبر کر جاؤ اور انتقام نہ لو بلکہ معاف کر دو، تو یہ بڑی اُولوالعزمی کی بات ہے۔ منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر ایسی تہمت لگائی کہ اس کا زبان پر لانا بھی مشکل ہے، منافقین کی اس ریشہ دوانی اور پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر بعض مخلص مسلمان بھی دھوکے میں آ گئے، ان میں ایک صحابی حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کی مالی امداد کیا کرتے تھے، جب انہیں پتہ چلا کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایسی بیہودہ بات کی تو قسم کھالی

کہ میں اب اس پر کوئی پیسہ خرچ نہیں کروں گا۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہ صرف ان کی صاحبزادی ہیں بلکہ حضور ﷺ کی وہ زوجہ مطہرہ ہیں کہ جن کی پاکدامنی کی قسم فرشتے بھی کھاتے ہیں، تو ان کے بارے میں اس قسم کی بات کہنے پر غصہ آنا بجا ہے اور پھر کسی کی مالی امداد کرنا حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے ذمہ فرض وواجب بھی نہیں، لیکن اس پر قرآنِ کریم کی آیت نازل ہوئی:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوٓا أُولِي الْقُرْبٰى...... وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (نور:۲۲)

''تم میں سے فضیلت رکھنے والے لوگ اور جن کے پاس مالی گنجائش ہے، وہ یہ قسم نہ کھائیں کہ عزیز واقارب کو دینا بند کردوں گا...... بلکہ معافی اور درگزر سے کام لو، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کرے۔

اس آیت میں بتلا دیا کہ انتقام لینا بے شک جائز ہے لیکن عافیت کا راستہ یہ ہے کہ معاف کردو۔ میل جول میں ایک دوسرے سے جو تکالیف پیش آتی ہیں، ان پر صبر کرنا مصابرہ کے مفہوم میں داخل ہے۔

## برائی کا بدلہ اچھائی سے دینا

لوگوں کے ساتھ آپس کے میل جول میں ان کی طرف سے تکلیفیں آتی ہیں، کہیں طعنے دیئے جاتے ہیں، کبھی گمراہی کے راستے پر ڈالا جاتا ہے، اس موقع پر ہمارا کام یہ ہونا چاہئے کہ: (وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ) (الشوریٰ:۴۳) اور (اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ) (فصلت:۳۴) برائی کا بدلہ اچھائی سے دینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس کے ساتھ تمہاری دشمنی ہے، آخر میں وہ تمہارا جگری دوست بن جائے گا، آگے فرمایا:

وَمَا يُلَقّٰهَا إِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَا إِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ○ (ایضا:۳۵)

''یہ صفت اسی کو ملتی ہے جس نے صبر کی عادت ڈالی ہو اور جو بڑے نصیب والا ہوتا ہے''

نبی کریم ﷺ کی سنت بھی یہی ہے کہ کبھی برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیا، اچھائی سے دیا، حسنِ اخلاق سے دیا، درگزر سے دیا۔ ایک صحابی زید بن شحنہ رضی اللہ عنہ ہیں جو کو کسی زمانے میں یہودی تھے، یہودی کی تورات میں بھی حضور ﷺ کے بارے میں پیشین گوئی تھی، آپ ﷺ کی علامات بیان کی گئی تھیں اور یہود آپ ﷺ کو پہچان بھی چکے تھے:

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ. (بقرہ:۱۴۶)

یعنی حضور ﷺ کو اس طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے۔

زید بن شحنہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان علامات کے ذریعے حضور ﷺ کو جانچنا شروع کیا، ساری علامات کو میں نے جانچ لیا لیکن ایک علامت جانچنا رہ گئی کہ نبی آخر الزماں ﷺ اعلیٰ درجے کے حلیم ہوں گے اور جو شخص جتنا زیادہ جہالت کی بات ان کے سامنے کرے گا وہ اس کے ساتھ اتنا ہی اچھائی کا برتاؤ کریں گے۔

موجودہ بائبل جو حضرت شعیا علیہ السلام کا صحیفہ ہے، ان میں بہت سے تغیرات واقع کردیئے گئے لیکن ان میں یہ جملے آج بھی موجود ہیں کہ جب وہ پیغمبر آئیں گے تو وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہیں توڑیں گے، ٹمٹماتی ہوئی بتی کو نہیں بجھائے گا اور بازار میں اس کی آواز سنائی نہیں دے گی اور وہ گرے ہوئے لوگوں کو اُٹھائے گا اور پتھر کے بت اس کے آگے اُوندھے منہ گریں گے۔

## حضرت زید بن شحنہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

زید بن شحنہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی کو کوئی ضرورت پیش آئی اور اس

نے آکر نبی کریم ﷺ سے کچھ امداد کا مطالبہ کیا، اس وقت اس مطالبے کو پورا کرنے کے لئے آپ ﷺ کے پاس کوئی چیز نہ تھی، میں نے اس وقت عرض کیا کہ میرے پاس اتنی دولت موجود ہے، یہ میں آپ کو دے سکتا ہوں بشرطیکہ اتنے دنوں کے بعد آپ ﷺ مجھے واپس کردیں، حضور ﷺ نے منظور فرمالیا۔ چنانچہ جب ادائیگی کا وقت آیا تو اس سے دو یا تین (یا کم وبیش کچھ اور وقت) پہلے جاکر میں نے حضور ﷺ سے بڑے کرخت لہجے میں مطالبہ کیا کہ اے محمد! تمہیں اپنے وعدے کا پاس نہیں ہے، تم لوگوں کے پیسے لے کر بیٹھ جاتے ہو اور واپس نہیں کرتے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ مجلس میں موجود تھے، انہیں بھلا یہ کب برداشت ہوسکتا تھا، چنانچہ انہوں نے تلوار کھینچ لی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے، میں اس کی گردن اُڑادوں۔ آپ ﷺ نے ان کو منع فرمایا، پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بلاکر فرمایا کہ آپ کا قرضہ ہمارے ذمہ واجب ہے، پھر کہیں سے انتظام کرواکر ان کا قرض ادا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ دیتے وقت ذرا جھکتا ہوا تولو، تاکہ جتنا دیا تھا اس سے کچھ زیادہ ہوجائے۔

زید بن شحنہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے اس کو تولا تو وہ میرے حق سے کافی زیادہ تھا، میں نے کہا کہ یہ تو زیادہ آگیا، دینے والے نے کہا کہ ہمیں حضور ﷺ نے اسی بات کا حکم دیا تھا، اس کے بعد زید بن شحنہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں جاکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے معاف فرمائیے گا، میں نے اس علامت کو جانچنے کے لئے یہ گستاخی کی تھی اور اب میں مسلمان ہوتا ہوں۔

## حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صبر اور بردباری کا واقعہ

ایک ایسا ہی واقعہ میں نے اپنے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا، دو شخصوں کا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بحث ومباحثہ ہوگیا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ زیادہ بردبار ہیں یا حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ؟ ایک

کا کہنا تھا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ زیادہ حلیم ہیں اور دوسرے کا کہنا تھا کہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ زیادہ حلیم ہیں، پہلا شخص کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان لینے کا فیصلہ کیا، حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے، یہ بھی اس طرح ہوا کہ ایک مرتبہ حضرت کہیں سے گزر رہے تھے، ایک بڑھیا نے آپ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ دیکھو! یہ وہ شخص جا رہا ہے جو عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتا ہے، اس وقت تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول نہیں تھا، لیکن بڑھیا کی بات سن کر حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو غیرت آئی کہ ایک عام بڑھیا تو میرے بارے میں یہ گمان رکھتی ہے اور در حقیقت میں یہ عمل نہیں کرتا، چنانچہ اس دن کے بعد تہیہ کر لیا کہ آئندہ یہ عمل کیا کریں گے۔

ساری رات عبادت میں مشغول رہ کر دن میں ظہر کے بعد کچھ آرام کیا کرتے تھے، کیونکہ تجارت بھی تھی، درس و تدریس کا سلسلہ بھی تھا اور بھی دیگر مشاغل تھے، اس شخص کو پتہ تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معمول ہے، چنانچہ ایک دن جب ظہر کی نماز پڑھ کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے بالا خانے پر آرام کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو ابھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ لیٹے ہوں گے کہ اس شخص نے دروازے پر دستک دی، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ باہر تشریف لائے، پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا ہے، فرمایا کہ پوچھو! اس نے کہا کہ سارے راستے مجھے وہ مسئلہ یاد تھا، جیسے ہی آپ کی سیڑھیوں کے پاس آیا وہ بالکل ہی ذہن سے نکل گیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چلو جب یاد آ جائے تو پھر پوچھ لینا، یہ کہہ کر اندر تشریف لے گئے، جا کر لیٹے ہی تھے کہ اس نے پھر دستک دیدی، حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُٹھ کر آئے تو اس نے کہا کہ وہ مسئلہ مجھے یاد آ گیا، فرمایا کہ پوچھو! اس نے کہا کہ جی کیا بتاؤں، آپ کے دروازے پر دستک دینے کے بعد بھول گیا۔ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چلو جب یاد آ جائے تو پوچھ لینا۔ تیسری مرتبہ بھی ایسے ہی کیا، جب امام صاحب رحمۃ اللہ علی باہر آئے تو اس نے کہا کہ

جی اب یاد آ گیا، فرمایا کہ پوچھو کیا مسئلہ ہے؟ اس نے کہا کہ جی مسئلہ یہ ہے کہ انسان کا پاخانہ میٹھا ہوتا ہے یا کڑوا؟ اندازہ لگائیے کہ اس حالت میں کس انداز سے کیا سوال کیا جا رہا ہے۔

حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر تازہ ہو تو اس میں مٹھاس ہوتی ہے اور سوکھ جائے تو کڑوا ہو جاتا ہے۔ اس پر یہ شخص کہتا ہے کہ کیا آپ نے چکھ کر دیکھا ہے؟ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر چیز صرف چکھنے سے معلوم نہیں ہوتی، کچھ عقل سے بھی معلوم ہو جاتی ہیں، اگر پاخانہ تر ہو تو اس پر چیونٹے آ جاتے ہیں اور خشک ہو تو اس پر نہیں آتے، تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ تر میں کچھ مٹھاس ہوگی اور خشک میں نہیں ہوگی۔

جب حضرت نے یہ بات کی تو اس نے کہا کہ حضرت! مجھے معاف کرنا، میں نے یہ ساری بات آپ کی بردباری اور حلم کو جانچنے کے لئے کی تھی اور میرا کسی سے مباحثہ ہوا تھا کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ زیادہ بردبار ہیں یا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ زیادہ بردبار ہیں۔

غرض یہ بردباری کی صفت اور دوسروں کی تکالیف پر صبر کر کے ان کو پی جانا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے (صَابِرُوْا) کے مفہوم میں بھی یہ بات داخل ہے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے دعا مانگی!

اَللّٰهُمَّ اَغْنِنِیْ بِالْعِلْمِ وَزَيِّنِّیْ بِالْحِلْمِ

"اے اللہ! مجھے علم کے ذریعے استغناء عطا فرما اور حلم کی زینت عطا فرما!"

## مرابطہ کا معنی اور مفہوم

آیت میں تیسری چیز (وَرَابِطُوْا) بیان فرمائی، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا کہ "مقابلے کے لئے مستعد رہو!" مرابطہ کے اصلی معنی ہیں کسی چیز کو باندھ کر رکھنا، اس کا زیادہ اطلاق دورانِ جہاد پہرہ دینے پر ہوتا ہے، پہلے زمانے میں پہرہ دینے والے اپنے گھوڑوں کو باندھ کر رات بھر پہرہ دیا کرتے تھے، اس کو مرابطہ کہتے تھے، اس

میں لڑائی اگرچہ نہیں کی جارہی لیکن پہرہ دیا جارہا ہے، نگرانی ہو رہی ہے۔

جہاد کے دوران پہرہ دینے کی نبی کریم ﷺ نے بڑی فضیلت بیان فرمائی کہ:

رِبَاطُ یَوْمٍ وَّلَیْلَةٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَافِیْھَا

''اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک دن ورات کا پہرہ دینا ساری دنیا ومافیہا سے بہتر ہے''

اس رباط کا تعلق صرف جہاد ہی سے نہیں بلکہ ہمارے اس دشمن کے مقابلے سے بھی ہے جو ہمارے اپنے دل میں بیٹھا ہوا ہے یعنی نفس اور وہ دشمن جو ہر وقت ہمیں بہکاتا رہتا ہے یعنی شیطان، اس دشمن کے مقابلے کے وقت پر پہرہ ضروری ہے اور اس کی یہ فضیلت ہے، پہرہ یہ ہے کہ آدمی اپنی نگرانی رکھے کہ نفس وشیطان مجھے بہکا کر غلط راستے پر تو نہیں لے جارہے، میں ان کے بہکائے میں نہ آؤں۔

## تین چیزیں رباط میں داخل ہیں

اسی لئے حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلَا اَدُلُّکُمْ مَایَمْحُوا اللّٰہُ بِہِ الْخَطَایَا وَیَرْفَعُ بِہِ الدَّرَجَاتِ.

''کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ کن چیزوں سے اللہ تعالیٰ انسان کے گناہ معاف فرماتے ہیں اور کن چیزوں سے ان کے درجات بلند فرماتے ہیں''

پھر آپ ﷺ نے تین چیزوں کا ذکر فرمایا، ان میں سے ایک: (اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَی الْمَکَارِہِ) یعنی ایسے موقع پر ٹھیک ٹھیک وضوء کرنا جب انسان کو وضو کرنا سخت ناگوار ہو رہا ہے جیسے کڑاکے کی سردی پڑ رہی ہے، برف باری ہے پانی بھی برف کی طرح ٹھنڈا ہے، گرم کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، پھر اس موقع پر نماز کا وقت آجائے اور وضو کرنے کی ضرورت ہو تو پورا پورا وضو کرے، اللہ تعالیٰ اس سے گناہ معاف فرماتے ہیں اور درجات بلند فرماتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: (کَثْرَۃُ الْخُطَا اِلَی الْمَسَاجِدِ) مسجدوں کی طرف کثرت سے

جانا آنا۔ اور پھر فرمایا: (وَانتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ) اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔

یہ تین چیزیں بتانے کے بعد فرمایا:

فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطُ، فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطُ، فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطُ

مطلب یہ کہ جس طرح دشمن کے حملے سے بچنے کے لئے آدمی پہرہ دیتا ہے، پھر اس کے نتیجے میں اس کی خطائیں معاف ہوتی ہیں، اس کے درجات بلند ہوتے ہیں، وہ دنیا ومافیہا سے بہتر ہے، اسی طرح انسان کے اپنے نفس کے حملوں اور شیطان کے حملوں سے اپنی نگرانی کرنا کہ میں ان کے دھوکے میں نہ آؤں، رباط کے اندر یہ بات بھی داخل ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے ہمیں صبر اور مصابرہ کا حکم دیا تو وہیں تیسرا حکم مرابطہ کا دیا یعنی اپنے دل پر پہرہ دیتے رہو۔ مطلب یہ کہ ایسا نہ ہو کہ کچھ دن تو صبر اور مصابرہ کی مشق کرلی، پھر اس کے بعد آزاد ہوگئے اور نفس کو آزاد چھوڑ دیا کہ رمضان میں بہت روزے رکھ لئے، نمازیں پڑھ لیں، ذکر کرلیا، تراویح بھی ادا کرلیں، اب شوال میں کچھ چھٹی کرلیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: (وَرَابِطُوْا) بلکہ اپنے نفس کی ہمیشہ نگرانی کرو، رمضان میں اللہ تعالیٰ نے مشق کروائی تھی، اس مشق کے دوران عام دنوں سے کچھ زیادہ عبادت کرلی، رمضان کے بعد اگرچہ وہ نفلی عبادات نہ سہی اور تلاوت کی اتنی مقدار نہ سہی لیکن گناہوں کا ترک تو اب بھی ضروری ہے، اس کے لئے نگرانی ضروری ہے اور یہ نگرانی انسان کے جیتے جاگتے مسلسل رہتی ہے اور رہنی چاہئے:

تا دمِ آخر دمے غافل مباد

غفلت کا پردہ ہٹا کر اپنے آپ کو یہ باور کروائیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، ہمیں اپنی نگرانی کرنی ہے کہ کوئی معصیت کی طرف ہمیں نہ لے جائے، یہاں تک کہ جو لوگ مشق کرکے اور بزرگوں کی صحبت سے فیض اُٹھا کر الحمدللہ گناہوں سے بچنے اور عبادات کرنے کی عادت بنالیتے ہیں، ان کو بھی آخر وقت تک غافل نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ نفس اور شیطان ایسی چیز ہیں کہ کسی بھی وقت آکر ڈس لیتے ہیں۔

## نفس بھی اژدہا ہے

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں ایک حکایت نقل کی ہے کہ ایک شخص جنگل میں لکڑیاں جمع کرنے کے لئے گیا، جب لکڑیاں اٹھا کر لایا تو سخت سردی کا موسم تھا، ایک سانپ لکڑیوں میں لپٹ کر آ گیا، اس کو دیکھا کہ بل کھاتا ہوا آ رہا ہے، پتہ چلا کہ سانپ مرا ہوا نہیں تھا، بلکہ ٹھٹھر گیا تھا اور سردی کی وجہ سے بے حس وحرکت پڑا ہوا تھا، جب کچھ گرمی ملی تو اس میں زندگی لوٹ آئی، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کا نفس عادی ہو کر جب اس پر صبر کی چوٹیں پڑتی ہیں تو یہ بھی ٹھٹھر جاتا ہے اور بے حس وحرکت ہو جاتا ہے لیکن جب ذرا غافل ہوئے تو یہ پھر سانپ کی طرح چلنا شروع کر دیتا ہے۔

نفس اژدہا است او کے مردہ است
از غم بے حالتی افسردہ است

یعنی یہ نفس بھی اژدہا ہے، یہ مرا نہیں ہے، بلکہ بے حالتی کی وجہ سے افسردہ ہو کر ٹھٹھر اپڑا ہے۔

تو تین باتیں بیان ہوئیں کہ صبر کرو، پھر دوسرے کے مقابلے پر صبر کو اور تیسرے یہ کہ اپنی نگرانی جاری رکھو، ان تینوں کاموں کے لئے جو چیز ضروری ہے وہ چوتھے نمبر پر بیان فرمائی کہ:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ

"اللہ تعالیٰ سے ڈرو!"

## تقویٰ کا معنی

حضرت عارفی قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ تقویٰ کے بہت سارے معنی ہیں، ایک معنی ہیں دل میں خلش پیدا ہو جانا کہ میرا کوئی کام، میری زبان سے نکلا ہوا کوئی کلمہ میرے مالک کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ جیسے کوئی شخص کسی سربراہِ حکومت کے دربار میں جاتا ہے تو اس کے پاس جانے سے پہلے دل میں ایک احساس

ضرور ہوتا ہے کہ میں وہاں جا رہا ہوں کوئی گڑ بڑ نہ ہو جائے، آدمی کے قدموں کی رفتار بدل جاتی ہے، جسم کا انداز بدل جاتا ہے، دل میں ٹھنک اور خلش پیدا ہو جاتی ہے۔

اسی طرح کسی بڑے بزرگ کے پاس جاتے ہوئے جو کیفیت ہوتی ہے وہ عام حالات سے مختلف ہوتی ہے، دل میں ایک ڈر ہوتا ہے کہ یہ ایک صاحب عظمت شخصیت ہے، اس کے سامنے میری کوئی برائی آئے گی تو ہو سکتا ہے کہ یہ ناراض ہو جائے۔

تو دنیا کی مخلوق کے پاس جانے سے انسان کے دل میں جو احساس پیدا ہوتا ہے اگر کسی درجے میں اتنا ہی احساس اللہ جل جلالہٗ کے ساتھ پیدا ہو جائے کہ میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہوں، ان کے سامنے ہوں تو وہ کام کیسے کروں جو اس کو ناراض کرنے والا ہو، اس کی عظمت و محبت کے منافی کام کیسے کروں، اس کے انعامات کی بارشیں میرے اُوپر ہو رہی ہیں، اپنے احسانات میں مجھے سراپا نہلایا ہوا ہے، میں اس کی کیسے نافرمانی کروں۔

جب دل میں یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا نام تقویٰ ہے۔ اس احساس کے بعد پیدا ہو جانے کے بعد صبر، مصابرہ اور مرابطہ تینوں کام آسان ہو جاتے ہیں۔

## انسان کی سب سے بڑی بلا غفلت ہے

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ انسان کی ہلاکت کے لئے سب سے بڑی بلا غفلت ہے کہ اس کو پرواہ ہی نہ ہو کہ میں کیا کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ کو راضی کر رہا ہوں یا ناراض کر رہا ہوں، اس کو حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ اہلِ تقویٰ کی صحبت اختیار کی جائے، ان کی صحبت میں رہنے سے اللہ تعالیٰ ان کے دل کی کیفیت ہمارے دل میں بھی منتقل فرما دیں گے۔

ہمیں اپنی زندگی میں یہ پروا نہیں ہے کہ ہم اس میں کوئی بہتری لائیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کی تیاری کریں، اس احساس اور غفلت کو دور کرنا ہے، بلکہ ہر بات کو زبان سے نکالتے وقت یہ دھیان دل میں رہے کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، مجھ سے اللہ کی عظمت کے خلاف کوئی کام نہ ہو۔

اس کے لئے حضرات صوفیاءِ کرام رحمہم اللہ نے کچھ تدبیر بھی بتلائی ہے جس کو ''مراقبۂ احسان'' کہتے ہیں، یعنی آدمی چوبیس گھنٹوں میں سے کچھ وقت نکال کر گوشۂ تنہائی میں آنکھیں بند کر کے یہ تصور کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں'' یہ الفاظ زبان سے ادا کرے یا زبان سے نہ کہے مگر دل ہی دل میں کہتا رہے۔

یہ عمل کچھ دیر ہی سہی مگر روزانہ کرے، اس کے نتیجے میں ان شاء اللہ تعالیٰ یہ احساس رفتہ رفتہ ترقی کرتا جائے گا۔ جس کے نتیجے میں انسان کے دل میں ہمیشہ کے لئے ایک احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ ہر کام کرنے سے پہلے اور ہر بات زبان سے نکالنے سے پہلے دل میں ایک خلش پیدا ہو جاتی ہے جو کہ غفلت کی زندگی کو تنبیہ کی زندگی میں تبدیل کر دے گا۔

غفلت کی زندگی انسانوں والی زندگی نہیں ہے بلکہ یہ تو جانوروں کی زندگی ہے کہ بس کھایا پیا، سو گئے اور پھر گزر گئے۔

تقویٰ کی زندگی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی زندگی انسان کی زندگی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنا کر اس دنیا میں بھیجا۔ اس کا کام یہ ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر یہ دیکھے کہ میرے اللہ نے اس وقت میرے ذمہ کیا کام لگایا ہے، اگر یہ کام اختیار کرلے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ:

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

''تم کو فلاح حاصل ہوگی''

اس فلاح کا ترجمہ کرنا مشکل ہے، لے دے کر ایک ہی لفظ ہے کامیابی، یعنی دنیا و آخرت میں انسان کو کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

''وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ''

# رمضان اور قرآنِ کریم

۱۵ر اگست ۲۰۱۲ء بروز بدھ
جامعہ دار العلوم کراچی

# اقتباس

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ جب قرآن کریم کو تلاوت میں ختم فرماتے تھے تو سب گھر والوں کو جمع فرما کر دعا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ یہ اجابتِ دعا کا وقت ہے، اس لئے ہر شخص کو ختم قرآن کے موقع پر دعا کا خصوصی اہتمام کرنا چاہئے، اور دعا کرتے وقت اس کے آداب کا بھی خیال رکھنا چاہئے''

# رمضان اور قرآنِ کریم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا. اَمَّابَعْدُ!

اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ جس نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں برکتوں والا اور مقدس رمضان کا مہینہ عطا فرمایا اور روزہ اور تراویح کی توفیق عطا فرمائی، اور آج تراویح میں قرآن کریم کی تکمیل بھی فرمادی، کسی انسان کے بس میں اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے آج کی شب میں ان سب باتوں کو جمع فرمادیا ہے۔

## آخری عشرہ کی طاق راتیں عمل کی راتیں ہیں

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتیں اور خاص طور سے یہ ستائیسویں شب، جس میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شب قدر ہونے کا امکان ہے، یہ لمبی چوڑی تقریروں کی راتیں نہیں ہیں، ان کو جلسے جلوسوں اور تقریرات میں خرچ کرنا ان کی ناقدری ہے، ان کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اور ان کا مقصد یہ ہے کہ ان راتوں میں بندہ اپنے اللہ سے رابطہ قائم کرے، اور اس کے ساتھ ایسا تعلق قائم کرے کہ بس بندہ ہو اور اس کا اللہ ہو، جس قدر ہو سکے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی

جائے اور عمل کیا جائے، کیونکہ یہ عمل کی رات ہے تعلیم کی رات نہیں ہے، اس لئے اس وقت کسی لمبی چوڑی تقریر کا موقع نہیں ہے، لیکن دو باتیں عرض کرنا مقصود ہیں۔

## رمضان المبارک میں قرآن سے خصوصی تعلق قائم کریں

جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا ہے تو عام مسلمان اپنے معمولات سے کچھ زیادہ عبادت کی فکر کرتا ہے، اور الحمد للہ ہر جگہ اس کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے، نمازوں کی پابندی ہوتی ہے، تلاوت بھی بکثرت ہوتی ہے اور لوگ نفلی عبادات بھی کثرت سے کرتے ہیں۔

اس مہینے کو قرآنِ کریم سے خاص مناسبت ہے، رسول اللہ ﷺ اس مہینے میں حضرت جبرئیل امین کے ساتھ قرآنِ کریم کا دور فرمایا کرتے تھے، اسی مناسبت کی ایک جھلک مسلمانوں میں بھی نظر آتی ہے کہ عام دنوں کے مقابلے میں اس مہینہ میں تلاوت کا معمول کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے، لیکن جیسے ہی رمضان کا مہینہ ختم ہوتا ہے قرآنِ کریم سے وہ تعلق بھی ختم ہو جاتا ہے، یہ بڑی خطرناک بات ہے، قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ جس کے برابر کوئی دوسری نعمت نہیں ہو سکتی، اس لئے رمضان گزرتے ہی اس کی تلاوت چھوڑ کر اس کو طاق میں سجا دینا اس کی بڑی سخت ناقدری ہے۔

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ ختم قرآن کے موقع پر یہ فرمایا کرتے تھے کہ ختم قرآن کے موقع پر تراویح کی انیسویں رکعت میں ہی (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) پڑھ کر قرآن مجید مکمل ہو جاتا ہے، لیکن بیسویں رکعت میں (الٓمٓ) سے لے کر آگے تک کچھ آیات پڑھی جاتی ہیں، یہ درحقیقت سرکارِ دوعالم ﷺ کی تعلیم ہے کہ جس مجلس میں ایک مرتبہ قرآنِ کریم ختم کیا جائے اسی مجلس میں دوسرا قرآنِ کریم شروع کر دیا جائے، میرے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کریم ختم کرنے کی چیز نہیں ہے بلکہ زندگیاں قرآن میں ختم کرنی چاہئیں، چنانچہ الحمد للہ بیسویں رکعت میں سب کا ایک اور قرآن کریم شروع ہو جاتا ہے۔

## مسلمان پر قرآن کریم کے تین حقوق ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک مسلمان پر قرآن کریم کے تین حقوق رکھے ہیں:

## (۱)......قرآنِ کریم کا پہلا حق

قرآنِ کریم کا پہلا حق یہ ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے، اور اسی طرح تلاوت کرنی چاہئے جس طرح حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کی اور آنحضرت ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھائی، جب قرآن کریم کا نزول ہورہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ. (القیامۃ:۱۸)

''جب ہم (جبرئیل کے واسطے سے تمہارے سامنے) قرآن پڑھیں تو جس طرح وہ پڑھتے ہیں آپ بھی اسی طرح پڑھیں''

## قرآن کریم کو تجوید کے مطابق پڑھیں

اس لئے قرآن مجید کو ان ہی آداب اور قوانین کے مطابق پڑھنا ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے سکھائے ہیں، قرآنِ مجید کو درست پڑھنے کے لئے باقاعدہ تجوید کا علم ہے جس میں قرآن مجید کے حروف کو صحیح ادا کرنے کا طریقہ سکھایا جاتا ہے، حروف کی صحیح ادائیگی بہت ضروری ہے، بعض اوقات حروف کی درست ادائیگی نہ ہونے کی وجہ سے نماز ہی نہیں ہوتی، اس لئے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآنِ کریم کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنا سیکھے، عربی زبان میں کل انتیس حروف ہیں، ان کو صحیح ادا کرنے کا طریقہ سیکھ لیا جائے تو قواعد کے مطابق تلاوت کی جاسکتی ہے، یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے، یہ سیکھنے کے بعد قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام کرنا چاہئے اور روزانہ کے معمول میں قرآن کریم کی تلاوت کو شامل کرنا چاہئے۔

کسی دور میں اسلامی معاشرے کا ایک خاصہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی بستیوں میں فجر کی نماز کے بعد قرآن کریم کی تلاوت کی آوازیں گونجا کرتی تھیں، ہر گھر میں بچہ بچہ تلاوت کیا کرتا تھا، لیکن آج افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ ماحول نظر نہیں آتا۔

قرآن کریم کی روزانہ تلاوت کا معمول ہر مسلمان کو بنانا چاہئے، خواہ تھوڑی سی تلاوت ہی کیوں نہ ہو لیکن روزانہ ہونی چاہئے، قرآن کریم میں سات منزلیں ہیں، یہ سات منزلیں اس لئے مقرر کی گئی تھیں کہ روزانہ ایک منزل پڑھی جائے اور ہر مسلمان سات دن میں قرآن مجید ختم کرلے، یوں ایک مہینے میں چار مرتبہ قرآن کریم تلاوت میں ختم کیا جاتا تھا، یہ عام مسلمانوں کا طریقہ تھا، پھر اس میں کمی آتی چلی گئی تو روزانہ ایک پارہ پڑھنے کا معمول شروع ہوگیا، یوں تیس دن میں ایک قرآن مجید ختم ہوجاتا تھا، لیکن اب اس کا بھی معمول نہیں رہا، کوشش کریں کہ ایک دن میں ایک پارہ نہ سہی آدھا پارہ ہی تلاوت کرلیا جائے، وہ بھی نہ ہوسکے تو کم از کم ایک پاؤ کی تلاوت تو ضرور کرنی چاہئے، ہمارا کوئی دن بھی قرآن کریم کی تلاوت سے خالی نہیں جانا چاہئے۔

## قرآن کریم چھوڑنے والوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی شکایت

قرآن کریم کو چھوڑنے کی وجہ سے آج مسلمان دنیا میں ذلیل ہورہے ہیں، اس دن سے ڈرنا چاہئے جس کو قرآن مجید نے سورۂ فرقان میں بیان فرمایا ہے کہ قیامت میں ایک وقت ایسا آئے گا کہ:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يَارَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا○

''اور رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے کہ یا رب! میری قوم نے اس قرآن کو پیچھے چھوڑ دیا تھا''

رسول اللہ ﷺ جو شفیع المذنبین ہیں، جن کی شفاعت ایک مسلمان کے لئے آخرت میں آخری سہارا ہے، اگر انہوں نے بھی آخرت میں ہمارے بارے میں یہ

شکایت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کردی کہ ہم نے قرآن کریم کو چھوڑ دیا تھا تو پھر ہمارا ٹھکانہ کیا ہوگا؟ اس لئے ہر مسلمان اس بات کا عزم کرے کہ اس کا کوئی دن بھی قرآن کریم کی تلاوت سے خالی نہیں جائے گا۔

## (۲)......قرآنِ کریم کا دوسرا حق

قرآنِ کریم کا دوسرا حق جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر عائد فرمایا ہے یہ ہے کہ ہم اس کتاب کو سمجھیں اور اس سے ہدایت حاصل کریں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ہمارے لئے سرچشمۂ ہدایت بنایا ہے، اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں:

هُدىً لِّلْمُتَّقِينَ ۝ (البقرہ:۲)

"یہ کتاب متقی لوگوں کے لئے ہدایت ہے"

جب اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو ہمارے لئے ہدایت بنایا ہے تو اس کو جزدان میں بند کر کے رکھنا اور اس کو سمجھنے کی کوشش ہی نہ کرنا بھی اس کی حق تلفی ہے۔

اگر کسی کو اس کا محبوب کسی ایسی زبان میں خط لکھے جس کو وہ سمجھتا نہ ہو تو اس کو اس وقت تک چین نہیں آئے گا جب تک اس زبان کے سمجھنے والے کے پاس جا کر اس خط کو پڑھوا نہ لے اور یہ پتہ نہ کرلے کہ اس میں کیا لکھا ہے، کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے محبوب کے خط کو طاق میں سجا کر رکھ دے اور اس کو کھول کر بھی نہ دیکھے کہ اس میں کیا لکھا ہے؟

لیکن آج مسلمانوں نے قرآنِ کریم کو طاق میں سجا کر رکھا ہوا ہے، اس کی تلاوت ہی نہیں کی جاتی، اگر کسی کو تلاوت کی توفیق ہو بھی جائے تو اسکو سمجھنے کی کوشش نہیں کی جاتی، یہ مسلمان اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور قرآن پر تو ایمان رکھتا ہے لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ قرآن کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا، کس قدر غفلت کی بات ہے!

یہ بات بھی نہیں کہ اس کو سمجھنے کے لئے بہت زیادہ محنت کی ضرورت ہو، الحمد للہ اس دور میں تقریباً ہر زبان میں ہی قرآن کریم کے تراجم اور تفاسیر علما کی جانب سے لکھے

جا چکے ہیں، اس لئے ہر مسلمان کوشش کرے کہ اپنے پاس کوئی مستند ترجمہ یا تفسیر رکھے اور اس کو پڑھ کر قرآنِ کریم کو سمجھنے کی کوشش کرے، چونکہ آج کل بہت سے گمراہ لوگوں نے بھی تراجم وتفاسیر لکھ دی ہیں اس لئے کسی مستند عالم دین سے مشورہ کر کے کوئی ترجمہ یا تفسیر خریدنی چاہئے اور اس کو پڑھنے کا معمول بنانا چاہئے۔

## (۳)......قرآن مجید کا تیسرا حق

تیسرا حق قرآن مجید کا یہ ہے کہ اس میں جو ہدایات اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی ہیں ان کو اپنی زندگی میں نافذ کیا جائے، ہر مسلمان کے ذمہ لازم ہے کہ قرآن مجید کے ان تین حقوق کو پوری طرح ادا کرنے کی کوشش کرے۔

## ختم قرآن کے موقع پر دعا کی قبولیت

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ ختم قرآن کریم کے موقع پر کی جانے والی دعا کو قبول فرماتے ہیں، اور ختم قرآن کا موقع اجابتِ دعا کا ایک خاص موقع ہوتا ہے، ہمارے یہاں عام طور پر ستائیسویں شب کو ختم قرآن کا معمول ہوتا ہے تو اس وقت کی فضیلت اور بھی بڑھ جاتی ہے، کیونکہ رمضان بھی ہے، اور اس کا بھی آخری عشرہ ہے، اور آخری عشرہ کی بھی طاق رات، اور طاق راتوں میں سے بھی وہ رات جس کے بارے میں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں قسم اُٹھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ستائیسویں شب، شب قدر ہوتی ہے، اس لئے اس قدر فضیلت والی رات میں جب ختم قرآن کا موقع بھی ہو تو خصوصیت کے ساتھ دعا کا اہتمام کرنا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ جب قرآن کریم کو تلاوت میں ختم فرماتے تھے تو سب گھر والوں کو جمع فرما کر دعا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ یہ اجابت دعا کا وقت ہے، اس لئے ہر شخص کو ختم قرآن کے موقع پر دعا کا خصوصی اہتمام کرنا چاہئے، اور دعا کرتے وقت اس کے آداب کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔

## دعا مانگنے کے آداب

دعا کے آداب میں سے سب سے پہلا ادب یہ ہے کہ اللہ جل جلالہٗ کی حمد و ثنا کی جائے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا جائے اور اس کے بعد دعا کی جائے، ہمیں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کا طریقہ ہی نہیں آتا، لیکن رسول اللہ ﷺ کا ہم پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ ہمیں ایسی ایسی دعائیں سکھائیں جو ہمارے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آسکتی تھیں، ان دعاؤں میں سے ایک دعا جو شروع کرتے وقت پڑھنی چاہئے یہ ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ الْمَسْئَلَةِ وَخَیْرَ الدُّعَاءِ وَخَیْرَ الْاِجَابَةِ.

''اے اللہ! میں آپ سے اچھا سوال کرنے کی دعا مانگتا ہوں، اور اچھی دعا کرنے کی توفیق مانگتا ہوں''۔

یعنی مجھے دعا مانگنا نہیں آتا، آپ میرے دل میں ایسی دعاؤں کا القاء فرما دیجئے جو میرے حق میں اچھی ہوں، حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ نے ایک مرتبہ یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی مہربان ہے کہ کوئی مانگنے والا ہونا چاہئے، اللہ کے یہاں کوئی کمی نہیں ہے:

کوئی ناشناسا زیادہ ہو تو کیا علاج
ان کی نوازشوں میں تو کوئی کمی نہیں

کوئی جھولی پھیلا کر مانگنے والا ہو اللہ تعالیٰ کی عطا میں کوئی کمی نہیں ہے، حضرت کے ایک مرید خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ تھے، انہوں نے پوچھا کہ حضرت! اگر کسی کے پاس مانگنے کے لئے جھولی ہی نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ فرمایا کہ جھولی بھی اللہ سے ہی مانگے کہ یا اللہ! میرے پاس تو جھولی بھی نہیں ہے، جھولی بھی آپ ہی عطا فرما دیں، تو رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ دعا بھی ایسی ہی ہے کہ دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر رہے ہیں کہ یا اللہ! مجھے تو مانگنا بھی نہیں آتا، آپ ہی اپنے فضل و کرم سے مانگنے کا سلیقہ بھی سکھا دیجئے۔

اس لئے دعا مانگنے میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا چاہئے، اس کے بعد مذکورہ دعا مانگنی چاہئے، پھر عربی زبان میں جو دعائیں رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں وہ کرنی چاہئیں، اس کے بعد اپنی زبان میں جو بھی دعائیں آپ کر سکتے ہیں اخلاص کے ساتھ اور قبولیت کی اُمید کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہئیں، اس طریقہ سے جب ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان شاء اللہ ہماری دعاؤں کو قبول فرمالیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دعا مانگنے کا سلیقہ عطا فرمائیں، آمین

"وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"

# رمضان کا آخری جمعہ

۱۷؍اگست ۲۰۱۲ء بروز جمعۃ المبارک
جامعہ دار العلوم کراچی

# اقتباس

''رسول اللہ ﷺ نے کبھی ''جمعۃ الوداع'' کا لفظ استعمال نہیں فرمایا اور نہ ہی اس دن کے لئے کوئی خاص عبادت مقرر فرمائی اور حضراتِ صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اسی پر عمل فرمایا۔ البتہ اس دن کی اہمیت دوسرے دنوں کے مقابلے میں اس لحاظ سے یقیناً زیادہ ہے کہ یہ رمضان کے مہینہ میں آنے والا جمعہ ہے''

# رمضان کا آخری جمعہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

آج رمضان المبارک کا آخری جمعہ ہے اور اس کی بھی چند گنی چنی ساعتیں ہی باقی رہ گئی ہیں، آج کی مجلس میں اسی سے متعلق کچھ گزارشات کرنی ہیں۔

## جمعۃ الوداع کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ

برصغیر میں عام طور سے رمضان کے آخری جمعہ کو جمعۃ الوداع کہا جاتا ہے، یعنی رمضان کی رخصتی والا جمعہ ہے، اس کے بارے میں لوگوں میں بہت سی باتیں بھی مشہور ہوگئی ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس جمعہ کو جمعۃ الوداع کہنا میں نے برصغیر پاک و ہند کے علاوہ کہیں اور نہیں سنا، اور لوگوں میں جو باتیں اس کے حوالے سے مشہور ہیں کہ اس دن کو عید کی طرح کا کوئی درجہ دیا جاتا ہے اور اس دن میں کوئی خاص عبادت کی جاتی ہے تو یہ باتیں بھی اس انداز میں درست نہیں ہیں، رسول اللہ ﷺ نے کبھی جمعۃ الوداع کا لفظ استعمال

نہیں فرمایا اور نہ ہی اس دن کے لئے کوئی خاص عبادت مقرر فرمائی اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اسی پر عمل فرمایا۔

البتہ اس دن کی اہمیت دوسرے دنوں کے مقابلے میں اس لحاظ سے یقیناً زیادہ ہے کہ یہ رمضان کے مہینہ میں آنے والا جمعہ ہے اور اس کے بعد اس سال رمضان میں کوئی اور جمعہ نہیں آئے گا، ویسے تو رمضان میں ہر جمعہ کا دن برکتوں والا ہوتا ہے لیکن اس دن کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے بعد آئندہ رمضان تک برکتوں والا جمعہ نصیب نہیں ہوگا، اس لحاظ سے اس کی اہمیت محسوس کرنی چاہئے اور جس قدر اس دن ہو سکے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہئے، اللہ جل جلالہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے، لیکن اس عبادت میں بھی کسی خاص طریقہ کو متعین نہیں کرنا چاہئے۔

اب جب کہ رمضان رخصت ہو رہا ہے تو دو کام ایسے ہیں جس کا ہر مسلمان کو اہتمام کرنا چاہئے۔

## عبادت کی توفیق ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں

ایک کام تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے رمضان کا مہینہ عطا فرمایا اور روزہ رکھنے اور تراویح کی توفیق بھی عطا فرمائی، یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے ورنہ بہت سے گھرانے ایسے بھی ہیں کہ جن میں پتہ ہی نہیں چلتا کہ کب رمضان آیا اور کب گزر گیا، غفلت کے ساتھ پورا رمضان گزر جاتا ہے، نہ ہی روزوں کی توفیق ہوتی ہے اور نہ ہی تراویح کی، اور نہ ہی کسی خاص عبادت کی، اس لئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں میں شامل کرنے کی بجائے ایسے لوگوں میں شامل کیا کہ جن کے گھر میں رمضان آتا ہے، اور کچھ نہ کچھ عبادات کی توفیق بھی ہو جاتی ہے۔

## عبادت کی ناقدری نہ کریں، اللہ کا شکر ادا کریں

بعض لوگ انتہائی انکساری سے کام لیتے ہوئے رمضان میں کی ہوئی عبادات کے

بارے میں حد سے گزر جاتے ہیں، اور اللہ کی طرف سے دی ہوئی توفیق کی ناقدری کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ بھئی! ہم نے کیا عبادات کیں، یہ تو فاقے ہو گئے، یا ہم نے کیا نمازیں پڑھیں، یہ نمازیں نہ ہوئیں بلکہ یہ تو ہم نے ٹکریں ماریں، یہ ناقدری ہے۔

کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے عبادات کی توفیق عطا فرمادی تو اس پر شکر ادا کرنا چاہئے، اس لئے کہ خواہ عبادت کیسی ہی کیوں نہ کی ہو لیکن سجدے میں پیشانی تو اسی رب کی بارگاہ میں جا کر ٹکی ہے، سجدہ تو اسی ایک اللہ کے لئے ہوا ہے ۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اور ۔

قبول ہو کہ نہ ہو پھر بھی ایک نعمت ہے
وہ سجدہ جس کو تیرے آستاں سے نسبت ہے

لہٰذا اس مہینے اللہ جل جلالہٗ کی طرف سے عبادت کی توفیق مل جائے تو اس کو معمولی تصور نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اس توفیق پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے عبادات کی توفیق عطا فرمادی۔

اور یہ بات بھی اپنی جگہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ ان عبادات میں سے کوئی عبادت بھی ایسی نہیں ہے جس کو ہم نے پورے خشوع و خضوع اور آداب کے ساتھ اس انداز میں ادا کیا ہو جس طرح کہ اس کا حق تھا، اس لئے یہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق شاملِ حال تھی لیکن ہماری طرف سے کوتاہیاں اور غلطیاں بھی تھیں۔

## عبادت میں کوتاہیوں پر اللہ سے استغفار کریں

اس لئے دوسرا کام یہ ہے کہ استغفار کریں کہ یا اللہ! آپ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں عبادت کی توفیق عطا فرمادی تھی لیکن ہم سے اس میں کوتاہیاں ہوئیں اور ہم عبادات

کو صحیح طریقہ سے ادا نہیں کر سکے اس لئے ہمیں معاف فرما دے۔

اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ بندہ جب بھی کوئی عمل کر کے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے استغفار کی بدولت اس کی غلطیوں کو معاف کر کے اس کو اپنی بارگاہ میں قبولیت کا مقام عطا فرما دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نیک مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ O

(الذاریات:۱۷)

"یہ ایسے لوگ ہیں جو رات میں کم سوتے ہیں اور سحری کے وقت میں استغفار کرتے ہیں"

رات کو کم سونے کا مطلب یہ ہے کہ رات کے اکثر حصہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں جس کی وجہ سے سونا کم ہوتا ہے، پھر صبح کو اٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور استغفار کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا یا رسول اللہ! یہ لوگ تو ساری رات عبادت میں گزارتے ہیں پھر صبح کے وقت استغفار کیوں کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ رات میں کی جانے والی عبادت میں ان سے جو کوتاہیاں ہوئی ہیں اس کی وجہ سے استغفار کرتے ہیں، کہ یا اللہ! ہم آپ کی توفیق سے آپ کی بارگاہ میں عبادت کے لئے کھڑے تو ہو گئے تھے، لیکن جس طرح عبادت کرنی چاہئے تھی اس طرح ہم کر نہیں پائے، اس لئے آپ کی بارگاہ میں استغفار کرتے ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید میں نیک لوگوں کی صفات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ O (آل عمران:۱۷)

"اور صبح کے وقت میں استغفار کرنے والے ہیں"

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں عبادت کا ایک ادب سکھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی

طرف سے اگر عبادت کی توفیق مل جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں لیکن ساتھ ہی اس عبادت میں ہونے والی کوتاہی پر اس کی بارگاہ میں استغفار بھی کریں، ان دونوں کے کرنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ اپنی بارگاہ میں اس عبادت کو قبول فرمالیں گے۔

## رمضان کی ساعتوں کی قدر کریں

دوسری بات یہ کہ رمضان کا آخری وقت چل رہا ہے، اس وقت کی قدر کرنی چاہئے، اس لئے جس کو اس مہینے میں عبادات اور دیگر طاعات میں لگنے کی توفیق نہیں ہوئی اس کے لئے ابھی بھی دروازہ کھلا ہوا، رمضان ختم ہونے میں تقریباً ڈیڑھ دن باقی ہے اور ڈیڑھ دن تو بہت بڑی بات ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو ایک لمحے میں بھی کسی کی کایا پلٹ سکتی ہے، اس لئے جس کو موقع نہیں ملا وہ اس وقت کو غنیمت جان کر اس موقع سے فائدہ اٹھالے، اب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دروازہ کھلا ہوا ہے، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۝ (التحریم:۸)

"ایمان والو! اللہ کے حضور خالص توبہ کرلو"

## سو مرتبہ بھی گناہ کرلو تو بہ سے دُھل جاتے ہیں

اللہ تعالیٰ بڑے پیار سے فرما رہے ہیں کہ توبہ کرلو، اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ اس وقت تک چوپٹ کھلا رکھا ہوا ہے جب تک نزع کی کیفیت طاری نہیں ہوجاتی، اس لئے جس وقت بھی کسی کو تنبیہ ہوجائے تو اللہ کی طرف لوٹ کر اسکے حضور توبہ کرلے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیغام ہے کہ

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

ایں در گہِ ما در گہِ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

"واپس آجاؤ! واپس آجاؤ! جیسے بھی ہو میری طرف لوٹ آؤ، یہاں تک کہ اگر کافر و بت پرست بھی ہو پھر بھی میری طرف لوٹ آؤ، ہماری یہ درگاہ نا اُمیدی والی درگاہ نہیں ہے، اگر سو مرتبہ بھی توبہ توڑ چکے ہو تو بھی میرے پاس آجاؤ"

یہ ایک حدیث کا مضمون ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا أَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ، وَإِنْ عَادَ مِائَةَ مَرَّةٍ.

"جو شخص اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں پر اصرار کرنے والوں میں شمار نہیں فرماتے، اگرچہ اس نے ایک گناہ سو مرتبہ کیا ہو"

اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہے، اس کو گناہوں پر اصرار کرنے والوں میں شمار نہیں کیا جاتا، اس سے جب بھی گناہ ہوتا ہے تو اللہ کے حضور توبہ کرتا ہے کہ یا اللہ! شیطان کے بہکاوے میں آکر مجھ سے گناہ ہوگیا ہے، میں اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں، مجھے معاف فرما دیجئے۔

## گناہوں کی وجہ سے مایوس نہ ہوں

کیا اللہ تعالیٰ کی طرح کوئی کریم ایسا ہوگا کہ ایک شخص ایک جرم مسلسل کئے جارہا ہو لیکن اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ سو مرتبہ بھی کرلو لیکن میری طرف توبہ کر کے آجاؤ تو معاف کردوں گا، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ ایسی کریم بارگاہ ہے کہ اس میں مایوسی کا بھی گزر نہیں ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا. (الزمر:۵۳)

"اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے! تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، بے شک اللہ تعالیٰ سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے"۔

کیا کوئی ذات اتنی کریم ہے؟ اسی طرح ارشاد فرمایا:

مایفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم وامنتم. (النساء:۱۴۷)

"اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گزار رہو اور ایمان لاؤ"

لہٰذا جب ایسی کریم ذات پکار رہی ہے تو اس سے مایوس ہونا بڑی ناقدری کی بات ہے، لہٰذا رمضان کے جتنے لمحات باقی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جس قدر بھی ہو سکے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کریں، کہ جو کچھ بھی ہو گیا سو ہو گیا لیکن آئندہ کے لئے توبہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ رمضان میں جو بھی کوتاہیاں ہوئی ہوں گی ان کی تلافی ہو جائے گی۔

## آخری عشرہ کی طاق راتوں میں رجوع الی اللہ کا خاص اہتمام کریں

خاص طور سے رمضان کے آخری عشرہ میں جو طاق راتیں آتی ہیں، یہ راتیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اللہ سے عرض و نیاز کرنے کی ہیں، ان کو فضول مشاغل میں گزارنے سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہئے، بعض لوگ ان راتوں کو عید کی تیاری میں گزارتے ہیں، بازار کے چکر لگائے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی معصیت میں یہ راتیں گزر جاتی ہیں، بازار میں کہیں گانا بجانا ہے تو کہیں لڑائی جھگڑا ہے، یہ ناقدری ہے، اور اس کی مثال ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ تو آسمان سے سونا برسا رہے ہیں اور بندہ کہتا ہے کہ مجھے یہ سونا نہیں چاہئے بلکہ زمین پر کنکر پڑے ہوئے ہیں میں ان کو لوں گا۔

## عید کی تیاری اپنی وسعت کے مطابق کریں

عید کے دن اچھا لباس پہننا نبی کریم ﷺ کی سنت ہے، اچھا لباس پہننے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی وسعت اور استطاعت کے مطابق جو بھی لباس میسر آئے اسے پہن لیا

جائے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قرض لے کر، یا رشوت لے کر یا حرام کی آمدنی کے ذریعہ اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا لباس تیار کیا جائے، اس لئے اگر کوئی اپنی آمدنی کے دائرہ میں رہ کر عید کے لئے جو بھی تیاری کر سکتا ہے، اس کی اس کو اجازت ہے، اور اللہ تعالیٰ اس میں ہی برکت اور نور عطا فرمائیں گے۔

کیونکہ حلال اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو اس میں برکت اور نور ہوتا ہے، لیکن حرام خواہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو اس میں بے برکتی ہی رہتی ہے اور اس سے نحوست ہی آتی ہے، حرام کبھی مصیبتیں ساتھ لاتا ہے تو کبھی بیماریوں کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر و استغفار کریں اور سابقہ زندگی سے توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یا اللہ! باقی ماندہ زندگی اپنی مرضی کے مطابق گزارنے کی توفیق عطا فرمادے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اپنی مرضی والی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

"وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"

# رمضان کے بعد

رمضان کے بعد بھی اللہ قریب ہے (۱)
رمضان کے بعد بھی اللہ قریب ہے (۲)

# رمضان کے بعد بھی اللہ قریب ہے (۱)

۹ ستمبر ۲۰۱۲ء بروز جمعۃ المبارک
مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال

# اقتباس

”بظاہر ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں تک روزوں کا حق ادا کرنے کا تعلق ہے وہ شاید تم سے نہ ہو سکے۔ روزہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ اس لئے جتنی گنتی کے روزے ہم نے فرض قرار دیئے ہیں، تم صرف وہ گنتی پوری کرلو“۔

# رمضان کے بعد بھی اللہ قریب ہے (۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا. اَمَّابَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّۃَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَاھَدٰکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ○ وَاِذَاسَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَادَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ○

برادرانِ محترم اور برادرانِ عزیز!

## قرآنِ کریم کا ایک عجیب انداز

یہ شوال کا مہینہ ہے جو رمضان المبارک کے فوراً بعد آتا ہے، قرآن کریم میں رمضان المبارک کی تکمیل کے سلسلے میں ایک عجیب انداز سے یہ آیت بیان فرمائی ہے۔ اس آیت سے پہلے قرآن کریم نے رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کا حکم بیان فرمایا کہ ہم نے تم پر روزے فرض کئے (اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ) جو کہ گنتی کے کچھ دن ہیں۔

پھر یہ فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو اور روزہ نہ رکھ سکتا ہو یا سفر پر ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ روزے قضا کرلے اور بعد میں جب تندرست ہوجائے یا اپنے وطن واپس پہنچ جائے تو اس وقت ان چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا کرلے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، تمہیں مشکل میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا۔ بیماری اور سفر میں روزہ چھوڑنے کی چھوٹ اس لئے دی ہے تاکہ تمہارے لئے آسانی پیدا ہو۔

## گنتی پوری کرلو!

اس کے بعد پھر تلاوت کی گئی آیت ذکر فرمائی، یعنی ہم نے یہ روزے اس لئے فرض کئے ہیں تاکہ جتنے روزے ہم نے تم پر فرض قرار دیئے تھے (وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ) ان کی گنتی پوری کرلو۔ بظاہر ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں تک روزوں کا حق ادا کرنے کا تعلق ہے وہ شاید تم سے نہ ہوسکے۔ روزہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ اس لئے جتنی گنتی کے روزے ہم نے فرض قرار دیئے ہیں، تم صرف وہ گنتی پوری کرلو۔ یعنی اصل چیز ہم نے یہ دیکھنی ہے کہ تم ہمارے حکم کی کتنی اطاعت کرتے ہو؟ ہم نے تم سے کہا کہ تھا کہ تیس دن تک دن کے وقت کھانا پینا نہیں، اگر تم نے ہمارے حکم کی تعمیل میں یہ گنتی پوری کرلی تو چاہے اس کا حق ادا ہوا ہو یا نہ ہوا ہو ہم اسے تمہاری طرف سے قبول کرلیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، تمہیں مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ لہٰذا تم سے کوئی بہت ہی اعلیٰ قسم کی عبادت مطلوب نہیں کہ تم ایسی عبادت کرو جیسے فلاں پیغمبر نے کی تھی، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ تم کمزور ہو۔ یہ ہمارے لئے بڑی تسلی کی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے آیتِ کریمہ میں بیان فرمائی ہے۔

## یومِ عید اللہ تعالیٰ کی شانِ کبریائی کا مظہر ہے

جب یہ تیس دن کی گنتی پوری کرلی تو اب (وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ) اللہ

تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو، اللہ اکبر کہو۔ علماءِ کرام نے فرمایا کہ یہ نمازِ عید کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ عید کی نماز میں چھ تکبیریں زائد کہی جاتی ہیں اور عید کے خطبہ میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے خطبہ میں نو دفعہ تکبیر ہو اور دوسرے میں سات تکبیریں ہوں۔ نبی اکرم ﷺ خطبۂ عید کے دوران کثرت سے یہ پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

عید کا دن اللہ تعالیٰ نے اپنی کبریائی کے اعلان کا دن قرار دیا۔

آگے فرمایا: (وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ) اگر تم شکر ادا کرو۔ کہ یا اللہ! آپ نے رمضان کا مہینہ عطا فرمایا۔ آپ نے روزوں کی توفیق عطا فرمائی۔ اپنے حکم کی تعمیل میں گنتی پوری کرنے کی توفیق عطا فرمادی۔

## رمضان کے بعد بھی اللہ قریب ہے

یہاں تک رمضان المبارک کے روزوں کی تکمیل کا ذکر تھا، اس کے بعد جو آیت اللہ پاک نے ذکر فرمائی، وہ بہت معنی خیز ہے، رمضان، روزوں کی گنتی اور عید کے ذکر کے فوراً بعد فرماتے ہیں:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ. (البقرہ:۱۸۵-۱۸۶)

اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ سے فرمارہے ہیں کہ اگر میرے بندے تم سے میرے بارے میں پوچھیں تو ان کو بتادینا کہ میں قریب ہوں، جب کوئی بھی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی بات سنتا ہوں، اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔

بظاہر اس ترتیب میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ مت سمجھنا کہ رمضان گیا تو اللہ میاں بھی گئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بھی گیا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی گئی، اللہ تعالیٰ کا قرب بھی گیا، ان سے دعائیں مانگنے کا جذبہ بھی گیا، بلکہ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ میں تو

تمہارے قریب ہوں چاہے رمضان ہو یا غیر رمضان۔ تمہاری دعائیں سنتا ہوں۔

دل میں جو خیال آتا ہے رمضان چلا گیا اور اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو ایک تعلق قائم ہوا تھا، وہ ختم ہو گیا، اب اگر دعا مانگیں گے تو وہ دعائیں قبول نہیں ہوں گی۔ (معاذ اللہ)

یا اب ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق برقرار رکھنے کا اس وزجہ اہتمام نہیں کرنا چاہئے جتنا کہ رمضان میں کرتے تھے تو اس غلط فہمی کا فوراً ازالہ فرمایا کہ جب میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو کہہ دینا کہ میں قریب ہوں، لہٰذا (فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي) بندوں کو چاہئے کہ میری بات قبول کریں یعنی رمضان کے بعد بھی میرے احکام کی اطاعت کا سلسلہ جاری رہنا چاہئے اور مجھ پر ایمان رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق و مالک ہے، پروردگار ہے اور وہ ایک ہے اور اسکے تمام احکام واجب الاطاعت ہیں، جب یہ مانیں گے تو (لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ) وہ سیدھے راستے پر آجائیں گے۔

اس لئے کوئی یہ نہ سمجھے کہ رمضان میں تو شیطان قید تھا، رمضان کے بعد آزاد ہو گیا تو پہلے ہم رمضان میں جو نیک کام کر رہے تھے اور کسی حد تک گناہوں سے بچنے کا اہتمام بھی کر رہے تھے اب وہ ختم کر دیں اور اللہ بچائے! اُلٹے پاؤں واپس چلے جائیں۔

## رمضان کے بعد بھی اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم رکھیں!

ٹھیک ہے کہ رمضان میں زیادہ عبادت کا اہتمام تھا، تراویح کی بیس رکعات تھیں، اب رمضان کے بعد وہ نہیں ہیں تو دیگر نوافل ہیں، بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اگر عشاء کے وتر سے پہلے چند رکعات صلاۃ اللیل کی نیت سے پڑھ لے تو پڑھنے والا تہجد کی برکت سے محروم نہیں ہوتا اور یہ ایک حدیث سے بھی ثابت ہے کہ عشاء کے فرض کے بعد جو نماز نفلی طور پر پڑھی جائے وہ صلاۃ اللیل یعنی تہجد میں شمار ہوگی۔ اسی طرح رمضان المبارک

میں تلاوت کی مقدار زیادہ تھی، اب اتنی نہیں تو کچھ کم ہی سہی، لیکن رمضان المبارک کے بعد تمام معمولات کو یکسر ختم کر دینا صحیح نہیں، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے تعلق برقرار رکھنے کے لئے نفلی عبادتوں کا اہتمام رمضان کے بعد بھی ہونا چاہئے۔

اسی طرح گناہوں سے بچنے کا اہتمام بھی کریں۔ دعا کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ رمضان کے بعد یہ مت سمجھنا کہ اب دعا قبول نہیں ہوگی بلکہ جب بھی تم اخلاص کے ساتھ اور دعا کے آداب کے ساتھ دعا مانگو گے تو ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ دعا قبول فرمائیں گے۔ گویا ان آیات میں رمضان المبارک کے بعد ایک لائحہ عمل کی طرف اشارہ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم اور اپنی رحمت سے ہم سب کو ان ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

"وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"

# رمضان کے بعد بھی اللہ قریب ہے (۲)

۱۱ر اگست ۲۰۱۱ء بروز اتوار
جامعہ دار العلوم کراچی

# اقتباس

"رمضان المبارک میں ہر مسلمان کے دل میں ایک احتیاط اور کھٹک پیدا ہوجاتی ہے، اب ہم سے مطلوب یہ ہے کہ یہی احتیاط اور کھٹک رمضان کے بعد بھی برقرار رکھو، یعنی جو عمل بھی کرو، اس بات کی احتیاط کے ساتھ کرو کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسند ہوگا یا ناپسند، اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دے دی ہے یا نہیں؟"

# رمضان کے بعد بھی اللہ قریب ہے (۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ
عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ
يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ
اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا
وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ
وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ
وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○
وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ
اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ○

(البقرہ:۱۸۵-۱۸۶)

## اختتامِ رمضان پر بشارت

رمضان المبارک کی تکمیل کے بعد یہ پہلی مجلس منعقد ہو رہی ہے، ہمارے شیخ و مربی حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں جب ہم عید کے بعد حاضر ہوتے تھے تو وہ بڑی مسرت اور بشاشت کا اظہار فرماتے تھے اور بڑی مسرت سے فرمایا کرتے

تھے کہ یہ ہم سب کے لئے بڑی خوشی کا موقع ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشے بخشائے ہیں۔

یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں نبی کریم سرورِ دوعالم ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ جب مسلمان رمضان کے روزوں کی تکمیل کے بعد عیدگاہ میں جمع ہوتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فرشتوں سے یوں خطاب فرماتے ہیں کہ اے میرے فرشتو! اس مزدور کا صلہ کیا ہونا چاہئے جس نے اپنے حصے کا کام پورا کرلیا ہو؟ فرشتے جواب میں کہتے ہیں کہ پروردگار! اس مزدور کا صلہ یہ ہونا چاہئے کہ اس کی اجرت اسے پوری پوری دے دی جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے اور بندیوں نے میرے فریضے (رمضان کے روزے) کو پورا کردیا اور آج یہاں عیدگاہ میں میرے پاس مجھ سے دعائیں کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ اپنے عزت وجلال، اپنی کبریائی اور اپنی رفعتِ مقام کا ذکر فرما کر اور اس کی قسم کھا کر یہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی عزت وجلال کی قسم کھا کر یہ کہتا ہوں کہ میں ان سب کی دعائیں قبول کروں گا اور ان کو اس حالت میں واپس بھیجوں گا کہ سب کی مغفرت کی جاچکی ہوگی اور ان کی برائیوں کو بھی حسنات میں تبدیل کردوں گا۔

یہ عظیم بشارت نبی کریم سرورِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمائی، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہمارے حضرت قدس اللہ سرہٗ بڑی مسرت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے ہمیں اُمید ہے کہ ہم سب بخشے بخشائے ہیں، کیونکہ مذکورہ حدیث میں الفاظ ہیں: (فَیَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّھُمْ) جب مسلمان عیدگاہ سے واپس جائیں گے تو سب کی مغفرت ہوچکی ہوگی۔

## قرآنِ کریم کا خاص اندازِ بیان

قرآن کریم کی مذکورہ تلاوت کی گئی آیات میں اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کا اور اشارۃً

عید کا بھی ذکر بڑے عجیب انداز میں فرمایا۔ پہلے رمضان المبارک کی فضیلت بیان فرمائی کہ:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ.

پھر روزہ کی فرضیت بیان فرمائی:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ

اس کے بعد فرمایا:

وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْعَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ

''اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو روزوں کی اتنی ہی گنتی دوسرے دنوں میں پوری کرلے''

اس کے بعد فرمایا:

یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَایُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

''اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں، تم پر کوئی مشکل ڈالنا نہیں چاہتے''

پھر فرمایا:

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ. (البقرۃ:۱۸۵-۱۸۶)

''تا کہ تم گنتی پوری کرلو''

اللہ جل جلالہ کی عبادت کا حق کوئی بندہ ادا نہیں کرسکتا، روزہ بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، جس مقام اور جس مرتبے کا روزہ ہونا چاہئے وہ روزے ہم لوگ کہاں رکھتے ہیں، اس لئے اس آیت میں اس لفظ (وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ) سے شاید اشارہ اس طرف ہے کہ روزے کی حقیقت کا تم کو کیا پتہ؟ لیکن بس اتنا کرلو کہ گنتی پوری کرلو۔ اگر ہمارے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تم نے گنتی پوری کرلی تو چاہے وہ روزے ہماری شایانِ شان نہ ہوں، تب بھی ہم قبول فرمالیں گے۔

## اتباعِ امرِ خداوندی اصل چیز ہے

ہمارے نزدیک جس چیز کی قیمت ہے وہ ہمارے حکم کی اتباع ہے، رمضان المبارک کے تیس دنوں میں تم نے ہمارے حکم کی وجہ سے کھانا پینا چھوڑ دیا تو تم نے اپنے بس کا کام کرلیا، اب وہ ہمارے شایانِ شان تو کیا ہوگا لیکن ہم اس گنتی کو تمہارے نامۂ اعمال میں شمار کر کے ان شاء اللہ تمہیں وہی ثواب عطا فرمائیں گے کہ جو ہم نے روزہ دار کے لئے رکھا ہے کہ: (اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ) روزہ میرے لئے تھا اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔

میرے شیخ حضرت عارفی قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ جو کہ حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ کے مواعظ میں بھی دیکھا کہ یہ بات اس سیاق میں فرمائی کہ اگر کسی شخص نے بیماری کی وجہ سے روزے چھوڑ دیئے یا سفر کی وجہ سے چھوڑ دیئے تو دونوں شرعی عذر تھے، ان کی وجہ سے روزے چھوڑے، بعض اوقات انسان کو افسوس ہوتا ہے، حسرت ہوتی ہے کہ میں بیماری کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکا، بلکہ خواتین کو اپنی شرعی مجبوری کی وجہ سے کچھ نہ کچھ روزے چھوڑنے پڑتے ہیں، اس کی وجہ سے بھی ان کو حسرت رہتی ہے، ہمارے حضرت والا فرماتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے یہ اُمید ہے کہ اگرچہ یہ روزے رمضان کے دنوں میں چھوٹ گئے اور بعد کے دنوں میں ان کی قضا ہوگی، لیکن جب وہ سفر والے، بیماری والے یا خواتین کی شرعی مجبوری والے روزے قضا کروگے کہ اس دن ان شاء اللہ تعالیٰ رمضان المبارک کے سارے فضائل حاصل ہوں گے، کیونکہ حکم گنتی پوری کرنے کا ہے اور روزے قضا کر کے بھی رمضان المبارک کی گنتی پوری کی جارہی ہے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ رمضان المبارک کے فضائل بھی حاصل ہوں گے۔

اس کے بعد فرمایا:

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ

یہ رمضان کے دن ہم نے اس لئے دیئے ہیں تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور اس کی

بڑائی کا اظہار کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی ہے، یعنی رمضان المبارک کا مہینہ ہدایت کا منبع ہے، کیونکہ قرآن مجید اس مہینے میں نازل ہوا، اس ہدایت کے ملنے پر اللہ تعالیٰ کی کبریائی، اس کی بڑائی اور اس کی حمد وثناء کرو۔

## رمضان المبارک اور اللہ تعالیٰ کی شانِ کبریائی

رمضان کے سیاق میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے ذکر کے کئی پہلو ہیں، ایک پہلو یہ ہے کہ روزہ بذاتِ خود اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعلان ہے، کیونکہ کوئی آدمی کسی جائز اور مباح کام کو چھوڑتا ہے تو اپنے کسی بڑے کی حکم کی تعمیل میں چھوڑتا ہے، جب تم نے کھانا پینا چھوڑا تو درحقیقت تم نے اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعتراف کیا، اللہ تعالیٰ کو بڑا قرار دیا کہ اس کائنات میں سب سے بڑی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

دوسرے یہ کہ رمضان المبارک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو عبادتیں فرض یا سنت قرار دی ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا بیان ہے کہ ان عبادتوں کو انجام دیتے ہوئے بندہ جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرتا ہے وہ اور دنوں میں نہیں ہوتی، مثلاً رمضان میں تراویح کی بیس رکعتوں میں فی رکعت کم از کم چھ مرتبہ اللہ اکبر کے حساب سے (۱۲۰) مرتبہ اللہ اکبر زیادہ کہا جاتا ہے۔

اسی طرح رمضان المبارک گزر جانے کے بعد جب عید کی نماز آئی تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ شان رکھی ہے کہ عیدگاہ کے راستے میں جاتے ہوئے تکبیر کہتے ہوئے جاؤ:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

عید کی نماز میں عام دو رکعتوں کی بہ نسبت چھ تکبیریں زیادہ ہوتی ہیں، پھر عید کے بعد خطبہ میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ عید کے پہلے خطبہ میں نو مرتبہ تکبیریں (متواتر نو مرتبہ اللہ اکبر) کہہ کر خطبہ شروع کیا جائے۔ اور دوسرے خطبہ میں سات مرتبہ تکبیریں کہی جائیں۔

حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ جب آپ ﷺ عید کا خطبہ دیتے تھے تو درمیان مختلف جگہ یہ تکبیر پڑھتے تھے:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

اس کے بعد فرمایا: (وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ) رمضان المبارک میں عبادت کی توفیق ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

## رمضان کے بعد بھی اللہ قریب ہیں

رمضان المبارک کی فضیلت سے لے کر عید تک کا ذکر ان آیات میں ہوا۔ اس کے بعد آیت ہے:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ

اللہ تعالیٰ حضورِ اقدس ﷺ سے خطاب فرما کر ارشاد فرمارہے ہیں کہ اگر میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو کہہ دینا کہ میں بہت قریب ہوں۔

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ

"جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں"

فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ O

"لہٰذا وہ بھی میری پکار کا جواب دیں اور مجھ پر ایمان لائیں، تاکہ وہ راہِ راست پر آجائیں"

بعض اوقات رمضان کے گزرنے کے بعد انسان کی کیفیت میں کچھ تبدیلیاں آنے لگتی ہیں اور اس کے دماغ میں یہ خیال آنے لگتا ہے کہ رمضان کے مہینے میں تو میں اللہ تعالیٰ کے قریب تھا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بھی مضبوط تھا، اللہ تعالیٰ کی عبادتیں بھی انجام پارہی تھیں، اللہ تبارک وتعالیٰ میری دعائیں بھی سن رہے تھے، روزے کی حالت میں قبولیتِ دعا کی بشارت تھی، افطار کے وقت بشارت تھی، لیلۃ القدر میں بشارت تھی، اب رمضان کے بعد وہ

بات نہ رہی تو اللہ تعالیٰ نے اس خیال اور شبہ کا ازالہ یوں فرمایا کہ ٹھیک ہے رمضان چلا گیا لیکن یہ نہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ کہیں دور چلے گئے، بلکہ اللہ تعالیٰ رمضان میں بھی تمہارے قریب تھے اور رمضان کے بعد بھی تمہارے قریب ہیں، البتہ تمہارا معاملہ یہ ہے کہ تم رمضان میں میری طرف تھوڑا سا قریب آجاتے ہو اور رمضان کے بعد پھر بھٹکنے لگتے ہو، اگر تم چاہو تو جیسے رمضان میں تمہیں میرا قرب حاصل تھا اسی طرح ہر وقت میرا قرب حاصل کر سکتے ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِO (ق:۱۶)

''ہم بندے کے اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں''

لیکن بندہ ہی اپنی غفلت اور نافرمانیوں اور اپنی لاپروائیوں سے دور چلا جاتا ہے۔ تو رمضان کے بعد بھی مجھے قریب ہی پاؤ گے بشرطیکہ تم خود اس قرب کا احساس اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ ایک فارسی شاعر نے کہا ہے ؎

تو کہ از خویش بمن نزدیکی

ورنہ من از طرف خویش بغایت دور ام

یعنی آپ تو اپنی طرف سے مجھ سے بہت قریب ہیں، لیکن میں اپنی طرف سے آپ سے بہت دور چلا گیا ہوں۔ مذکورہ آیت کو رمضان کے سیاق میں لا کر یہی بات سمجھائی گئی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ رمضان کے بعد تم مجھے بھلا نہیں دینا۔ ایسا نہ ہو کہ رمضان گیا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بھی ختم ہو گیا۔ تقویٰ بھی جاتا رہا، گناہوں میں مبتلا ہو گئے۔

البتہ رمضان میں ہم نے تمہیں کچھ زیادہ توفیق دی تھی اور کچھ حلال چیزوں سے بھی پابندی لگادی تھی، اب رمضان کے بعد وہ پابندی اُٹھائے دیتے ہیں، ان حلال چیزوں کو استعمال کرو لیکن حرام سے بچو۔ رمضان میں جیسے تم نے ہمارے کہنے کی وجہ سے حلال چیزیں چھوڑ دی تھیں اب رمضان کے بعد حرام چھوڑ دو۔

اسی طرح رمضان میں راوتح کو ہم نے سنت قرار دیا تھا، اب رمضان کے بعد بیس رکعات نہ سہی، کم از کم تہجد پڑھ لیا کرو۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اگر آخری شب میں اٹھنے کی توفیق نہ ہو تو آدمی عشاء کی نماز میں سنتوں اور وتر کے درمیان کچھ رکعتیں صلاۃ اللیل کی نیت سے پڑھ لے تو وہ بھی صلاۃ اللیل میں شمار ہوتی ہیں اور آدمی تہجد کی فضیلت سے محروم نہیں رہتا۔

اسی طرح بعض اوقات رمضان گزرنے کے بعد حسرت ہوتی ہے کہ کاش! ہم رمضان میں فلاں دعا بھی کر لیتے، شب قدر میں فلاں دعا مانگ لیتے، اب رمضان کا مہینہ تو گزر گیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس وقت نہیں مانگا تھا تو اب مانگ لو (اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ) جب مجھے پکارنے والا پکارتا ہے تو میں اس کا جواب دوں گا یعنی اس کی دعا کو قبول کروں گا، یہ ضروری نہیں کہ رمضان ہی میں قبول کروں اس کے بعد قبول نہ کروں۔

## قربِ خداوندی کا بہترین راستہ

اس میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ پہلے فرمایا تھا کہ میں تم سے قریب ہوں لیکن تم خود ہی دور چلے گئے ہو، اب تمہیں اپنے قریب آنے کا طریقہ اور راستہ بتلائے دیتے ہیں کہ مجھ سے کثرت کے ساتھ دعا مانگنے کی عادت ڈالو۔ مجھ سے ہر چیز کی دعا مانگو۔

حدیث میں آتا ہے کہ اگر جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ سے مانگو، یہ اللہ تعالیٰ کے قریب آنے کا بہترین نسخہ ہے جو نبی کریم ﷺ نے تلقین فرمایا، بظاہر یہ خیال آتا ہے کہ جوتے کا تسمہ اگر ٹوٹ گیا تو آدمی کسی موچی کے پاس جائے یا خود کچھ کوشش کر کے اس کو ٹھیک کرے، لیکن حضور ﷺ نے تعلیم یہ فرمائی کہ موچی کے پاس بعد میں جاؤ، پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو کہ یا اللہ! میرے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا اس کو ٹھیک کرانے کے اسباب مہیا فرما دے۔

گویا تعلیم یہ دی گئی ہے کہ دنیا کی کوئی بھی چھوٹی سے چھوٹی یا بڑی سے بڑی حاجت

دل میں پیدا ہو تو وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کر کے پہلے دعا مانگ لو، پھر کوئی اور تدبیر اختیار کرو۔ مثلاً گرمی شدید ہے تو دعا مانگ لو کہ یا اللہ! گرمی لگ رہی ہے موسم اچھا کر دیجئے۔ یا اللہ! بھوک لگ رہی ہے اچھا کھانا عطا فرما دیجئے۔ یا اللہ! پیاس لگ رہی ہے ٹھنڈا پانی عطا فرما دیجئے۔ یا اللہ! فلاں تکلیف محسوس ہو رہی ہے اپنی رحمت سے دور فرما دیجئے۔ جو مسئلہ اور جو حاجت بھی درپیش ہو، وہ اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ یہی اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے کا راستہ ہے کہ اپنا تمام دُکھ سکھ اللہ تعالیٰ سے کہا کرو۔ جتنا زیادہ دعا مانگو گے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتے چلے جاؤ گے۔

ہمارے حضرت عارفی قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ یہ ایک ایسا نسخہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو پلے باندھ لے اور اس پر عمل کرنا شروع کر دے تو پہلے زمانے میں جو بات بڑے بڑے مجاہدوں اور ریاضتوں سے حاصل ہوا کرتی تھی، وہ اس معمولی سے عمل کے ذریعے حاصل ہو جائے گی۔ پہلے زمانے میں لوگ اولیاء اللہ کی خدمت میں جا کر تعلق مع اللہ حاصل کرنے کے لئے ریاضتیں اور مجاہدے کیا کرتے تھے، بڑی بڑی مشقتیں اُٹھاتے تھے، ہمارے حضرت والا فرماتے تھے کہ اب وہ ریاضتیں اور مجاہدے کون کرے گا؟ اب نہ وہ شوق رہا، نہ وہ قویٰ رہے اور نہ وہ ظرف رہا، لہٰذا اب اللہ تعالیٰ سے تعلق اور قرب کا بہترین راستہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کثرت سے ہر بات کہنے کی عادت ڈالو، ہمارے حضرت والا (حضرت عارفی قدس اللہ سرہٗ) فرمایا کرتے تھے کہ اللہ میاں سے باتیں کیا کرو، زبان سے کہو یا دل سے کہو، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے قرب کا احساس دل میں پیدا ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہوگا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چونکہ میں سب کی دعائیں قبول کرتا ہوں اس لئے: (فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي) میرے بندوں کو بھی تو چاہئے کہ میری بات کو قبول کریں، یعنی جن باتوں کا میں نے حکم دیا ہے، ان باتوں پر عمل کریں اور جن باتوں سے روکا ہے ان سے باز آئیں (وَلْيُؤْمِنُوا بِي) اور مجھ پر پکا ایمان رکھیں کہ جو کچھ میرے اللہ نے کہا ہے وہی مجھ

پر واجب التعمیل ہے اور وہی میری دین ودنیا کی صلاح کا واحد راستہ ہے، اگر یہ کام کرلیا تو (لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ) سب راہ راست پر آجائیں گے۔

یہ شروع میں پڑھی گئی آیات کریمہ کی مختصر تشریح ہے، ان کی روشنی میں ہمیں جو سبق مل رہا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں وہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

## رمضان المبارک تربیت کا زمانہ ہے

رمضان المبارک کی صورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے تربیت کا زمانہ ہمیں اور آپ کو عطا فرمایا ہے تا کہ ہمارے دل میں تقویٰ کی شمع روشن کرنے کا راستہ نکلے۔ روزوں کی فرضیت کا مقصد بھی تقویٰ کا حصول ہے۔ کیسا ہی گیا گزرا مسلمان ہو لیکن الحمد للہ! رمضان میں اس کے دل میں کچھ احساس پیدا ہوجاتا ہے کہ اس مہینے میں روزے رکھوں، تراویح پڑھوں اور گناہ نہ کروں، عام دنوں کے مقابلے میں اس میں تلاوت زیادہ کروں، اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ کروں۔ اگر کوئی مسئلہ آتا ہے تو اس کے دل میں کھٹک بھی پیدا ہوتی ہے کہ کہیں اس سے روزہ ٹوٹ تو نہیں گیا، جیسے بہت سے لوگ رمضان میں پوچھتے پھرتے ہیں کہ قے آگئی کیا میرا روزہ تو نہیں ٹوٹا؟ اگر قے خود بخود آئے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، اگر جان بوجھ کر قے کی ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

رمضان المبارک میں ہر مسلمان کے دل میں ایک احتیاط اور کھٹک پیدا ہوجاتی ہے، اب ہم سے مطلوب یہ ہے کہ یہی احتیاط اور کھٹک رمضان کے بعد بھی برقرار رکھو، یعنی جو عمل بھی کرو، اس بات کی احتیاط کے ساتھ کرو کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسند ہوگا یا ناپسند، اللہ تعالیٰ نے اسکی اجازت دی ہے یا نہیں؟ رمضان سے پہلے جو غفلت اور بے پرواہی تھی، حلال وحرام اور جائز وناجائز کی کوئی فکر نہیں تھی، یہ طرز اب ختم کرو اور رمضان کے مہینے میں جو تربیت دی گئی تھی، اس کی روح کو برقرار رکھو۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے دلوں میں اس کو پیدا فرمادے تو ان شاء اللہ تعالیٰ رمضان کا فائدہ بھی حاصل ہوگا اور رمضان کے جانے

کے بعد بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ وہ ساری برکتیں اور رحمتیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے رمضان کے مہینے میں رکھی تھیں وہ سب ہمیں حاصل ہوں گی۔

## رمضان المبارک کا نظم

اس چیز کو حاصل کرنے کے لئے ایک مختصر سا نظم عرض کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔

## نماز باجماعت کا اہتمام

مردوں میں اس بات کا اہتمام ضروری ہے کہ نماز باجماعت مسجد میں ادا ہو، جبکہ عورتیں نماز کو اپنے صحیح اور اول وقت میں ادا کرنے کی کوشش کریں، نماز کو تمام کاموں پر مقدم سمجھیں۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام گورنروں کو جو تقریباً آدھی دنیا میں پھیلے ہوئے تھے، باقاعدہ شاہی فرمان جاری فرمایا تھا جو مؤطا امام مالک میں مذکور ہے کہ:

اِنَّ اَهَمَّ اُمُوْرِكُمْ عِنْدِي الصَّلٰوةُ

”میرے نزدیک تمہارے سارے کاموں میں سب سے زیادہ اہم کام نماز ہے“

یہ امیر المومنین کی طرف سے سارے گورنروں کے نام شاہی نامہ ہے کہ ذاتی کام ہوں یا سرکاری کام ہوں، سب سے زیادہ اہم کام نماز ہے۔ جو شخص اس نماز کی حفاظت کرلےگا وہ اپنے دین کی حفاظت کرلےگا۔

وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَاسِوَاهَا اَضْيَعُ

”اور جو اس نماز کو ضائع کردے (یا تو العیاذ باللہ پڑھے ہی نہیں یا ناقص طریقے سے پڑھے، مثلاً اگر مرد مسجد کی بجائے گھر میں پڑھتا ہے تو یہ اداءِ ناقص ہے، یا یہ کہ نماز کے ارکان وآداب کو ٹھیک طریقے سے ادا نہیں کرتا) تو اور کام اس سے زیادہ برباد ہوں گے“

## تلاوتِ قرآنِ کریم کا اہتمام

دوسری چیز یہ کہ نماز فجر کے بعد کچھ تلاوتِ قرآن کریم کا معمول ہر شخص بنائے، کوئی دن بھی قرآن کریم کی تلاوت سے خالی نہ ہو۔ قرآن کریم میں سات منزلیں ہیں، پچھلے زمانے میں ایسا ہوتا تھا کہ ہر روز ایک منزل کی تلاوت کا معمول لوگوں کا تھا اور سات دن میں پورا قرآن کریم ختم کرلیا جاتا تھا، ہم لوگ کمزور ہیں شاید اتنا تحمل نہ کر پائیں، لیکن جتنا ہو سکے ضرور کریں، چاہے ایک پارہ ہو، آدھا پارہ ہو، بلکہ حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ اگر کسی سے آدھا پارہ بھی مشکل ہوتا ہے تو پاؤ پارہ پڑھ لے یا دو تین رکوع کا معمول بنالے لیکن کوئی دن قرآن کریم کی تلاوت سے خالی نہ رہے۔

## مسنون دعاؤں کا اہتمام

اسی طرح روزانہ حضور اکرم ﷺ سے منقول و ماثور دعائیں ہیں جیسے کہ حکیم الامت قدس اللہ سرہ کی ”مناجاتِ مقبول“ میں وہ دعائیں مذکور ہیں تو کوئی دن ان کی ایک منزل پڑھنے سے خالی نہ جائے، وہ دعائیں حضور اقدس ﷺ کی تعلیم فرمودہ دعائیں ہیں، ایسی دعائیں ہیں کہ دنیا و آخرت کی ساری بھلائیاں اس میں جمع ہیں، اگر وہ قبول ہو جائیں تو دنیا و آخرت کی کوئی حاجت باقی نہیں رہتی، حضور اقدس نے جس طرح جو دعائیں مانگی ہیں، ہم اور آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

## اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا اہتمام

اسی طرح روزانہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ذکر کرنے کی عادت ڈالیں جیسے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

اور

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ

اور

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

اور

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ

اور درود شریف۔

روزانہ فجر کی نماز کے بعد تلاوت، ایک منزل مناجاتِ مقبول اور مذکورہ چار تسبیحات ہر شخص اس کا معمول بنالے۔ اور چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی عادت ڈالیں۔

## گناہوں سے بچنے کا اہتمام

اسی طرح دل میں یہ کھٹک پیدا کرلیں جو رمضان میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیدا کی تھی کہ میں یہ کام کرنے جارہا ہوں، کہیں اس سے میرے ایمان کے تقاضے تو مجروح نہیں ہورہے، جہاں کہیں گناہ کا داعیہ پیدا ہونے کا خدشہ ہو تو ان کے اسباب سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرے۔ اگر دوبارہ داعیہ پیدا ہورہا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے کہ یا اللہ! نفس اور شیطان مجھے غلط راستے کی طرف ڈالنا چاہ رہے ہیں، اے اللہ! اپنی رحمت سے مجھے بچالیجئے!

یہ چند اعمال ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ اگر ہم ان کی پابندی کریں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے رمضان المبارک کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول جاری رہے گا، اللہ تعالیٰ کا ہماری طرف جس طرح قرب ہے، ہم بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط رکھ سکیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

"وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"

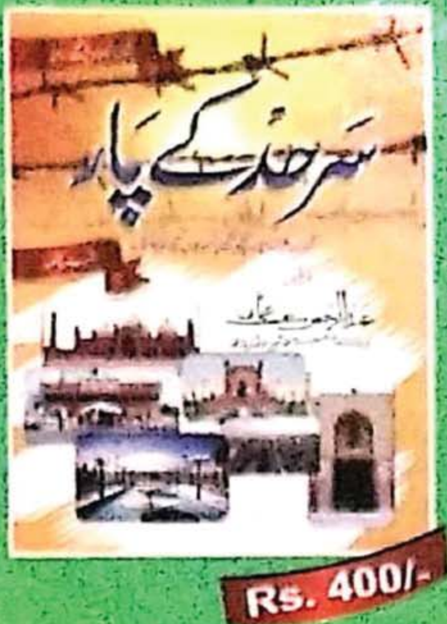
دور حاضر کے جواں عمر ادیب عبدالرحمٰن سیف عثمانی کی دو نئی کتابیں، ایسی کتابیں جنھوں نے اہل علم کے ساتھ ساتھ عوامی حلقوں میں بھی خوب پذیرائی حاصل کی، ادیبانہ طرز تحریر اور زبان و بیان کی دلکشی کا ایسا جادو جو قاری کو یک نشست ہی میں پوری کتاب ختم کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ ادب کی چاشنی میں ڈوبے ہوئے جملے، مضمون کی معنویت کا مکمل حق ادا کرتے ہوئے بہترین الفاظ، حسن نگارش کی حلاوت اور بے پناہ رواں دواں زبان شناس قلم۔ یہی وہ خوبیاں ہیں جو کتاب کو قاری کی آنکھوں سے دور نہیں ہونے دیتیں۔ یہ فقط ہم نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ جس نے بھی ان کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اُس کے دل سے یہی آواز صدائے حق کی طرح نکلی ہے۔ کتاب پڑھنے کے بعد زیادہ تر لوگوں نے یہی کہا ہے کہ ہم نے پوری کتاب ایک ہی نشست میں ختم کی۔ پڑھتے پڑھتے تمام رات گزر گئی لیکن جب تک کتاب ختم نہ ہوئی ہاتھ سے چھوڑنے کو دل نہیں چاہا۔ اس کے علاوہ بہت سے عشاق کتب تو ایسے بھی ہیں جنھوں نے کتاب کو دو مرتبہ پڑھ ڈالا۔ آپ بھی آج ہی ''سرحد کے پار'' اور ''کشکولِ عثمانی'' نام کی ان دونوں کتابوں کو حاصل کیجئے اور اپنے ذوقِ مطالعہ کو تسکین و راحت کے ساتھ بشاشت اور آسودگی بھی فراہم کیجئے۔ بلاشبہ یہ دونوں کتابیں آپ کو زبان و ادب کے نئے انداز سے روشناس کرائیں گی۔

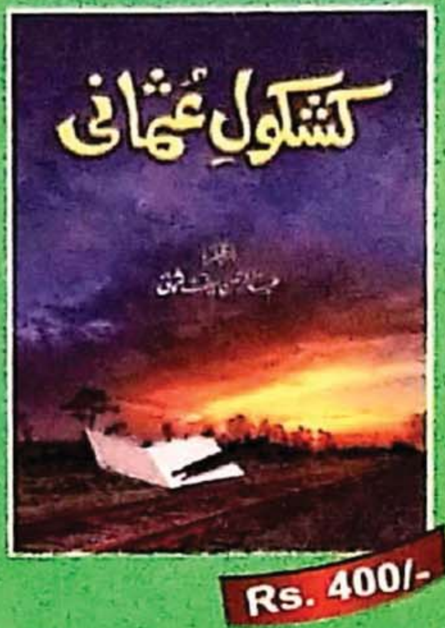
سرحد کے پار عبدالرحمٰن سیف عثمانی کے پاکستان میں گزارے ہوئے ۲۸ر دن کا تذکرہ ہے۔ یہ تذکرہ جسے سفرنامہ کہنا زیادہ مناسب ہے، تاریخی معلومات فراہم کرتے ہوئے اس انداز سے لکھا گیا ہے کہ قاری کتاب شروع کرتے ہی خود کو مصنف کے ساتھ شریکِ سفر محسوس کرنے لگتا ہے۔ پاکستان کے احوال، وہاں کی زندگی، علمائے کرام سے ملاقاتوں کے علاوہ ۹۶ر رنگین تصاویر کے ساتھ اور بھی بہت کچھ اس سفرنامے میں ہے۔

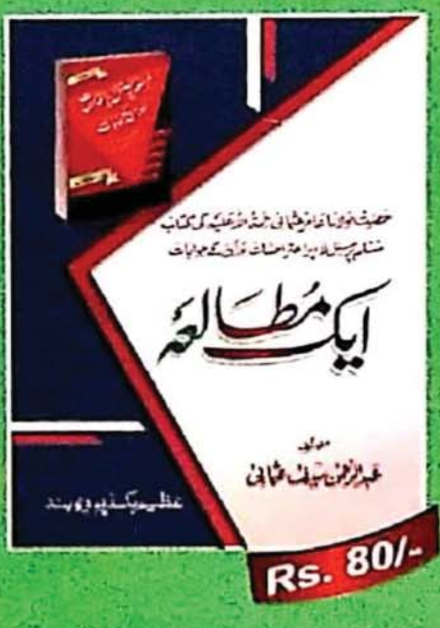
کشکولِ عثمانی عبدالرحمٰن سیف عثمانی کے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے۔ جس میں اصلاحی اور علمی تحریریں ہیں، حقیقت پر مبنی منظرنامے ہیں، ملک کے حالات کی عکاسی کرتا ایک افسانہ ہے، چند عظیم المرتبت شخصیات کے خاکے بھی ہیں اور قاری کے ذہن کو لطیف احساس عطا کرتی ہوئیں چند شاندار نظمیں اور غزلیں بھی ہیں۔

یہی وہ کتابیں ہیں جن کی رُونمائی حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی دامت برکاتہم اور دیگر علماء کرام و دانشوران کے دست مبارک سے ایک علمی اور رُوحانی تقریب میں کی گئی تھی۔ آپ بھی اپنے نزدیکی کتب خانے سے ان کتابوں کو حاصل کیجئے، اگر وہاں نہ مل سکیں تو ہم سے رابطہ کریں۔

**Azeem Book Depot Deoband**
E-mail : azeembookdepot@hotmail.com
Call: 9997177817 , 9411485040
Pin- 247554 (U.P.)




Khutbat e Ramzan ₹350.00